منگو پارک کا سفرنامہ

یعنی

براعظم افریقہ کے اندرونی حصوں کا حال

پہلا باب

سفر پورٹسموتھ سے گیمبیا تک

سنہ ۱۷۹۳ء میں جب میں ایسٹ انڈیز سے واپس آیا۔ تو میں نے سنا۔ کہ
بعض شرفا اور رئیس جو براعظم افریقہ کے اندرونی حالات دریافت کرنے کے
لیے ایسے شخص کی تلاش میں ہیں۔ جو دریائے گیمبیا کی راہ سے اس مطلب
کے لئے اس ملک کا سفر اختیار کرے۔ پس مجھے رائل سوسائٹی کے پریسیڈنٹ
کی وساطت سے یہ موقع مل گیا۔ کہ اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش
کروں۔ کیونکہ وہ میرا آشنا اور مہربان تھا۔ میں نے یہ بھی سنا۔ کہ پہلے
ایک شخص ہوٹن نامی جو فوج میں کپتان تھا۔ اور مقام گوری میں قلعہ کا منیجر
بھی رہ چکا تھا۔ گیمبیا کی طرف ایسوسی ایشن کی معرفت گیا تھا۔ جس کی نسبت
یہ اندیشہ تھا۔ کہ یا تو وہ وہاں کی آب و ہوا کی ناموافقت کا شکار ہو گیا ہے
یا وہاں کے باشندوں نے اسے مار ڈالا ہے۔ لیکن باوجودیکہ یہ خبر اس
کام کے اختیار کرنے سے مجھے باز رکھتی۔ بڑی خوشی کے ساتھ مجھے اس عزم
میں آمادہ کرنے کا باعث ہوئی۔ میرے دل میں اپنے ملک کی بہبو دار

کے جاننے کا کہ جس کے حالات سے ملک یورپ کے لوگ بالکل ناآشنا تھے - اور وہاں کے باشندوں کے اطوار اور طریق زندگی معلوم کرنے کا ازبس اشتیاق ہوا - میں نے ارادہ کرلیا - کہ میں مشکلات سفر کی برداشت کرونگا - علاوہ ازیں مجھے اپنی جوانی اور جسم کی صحت اور توانائی پر پورا بھروسہ تھا - کہ اُس ملک کی آب و ہوا مجھ پر چنداں مضر اثر نہ کرسکیگی کمیٹی کی طرف سے جو تنخواہ مقرر تھی - وہ بہت تھی - اور میں نے آئندہ کے انعام کے لئے بھی کوئی شرط نہیں ٹھہرائی تھی - اگر میں سفر میں ہلاک ہو جاؤں - تو اپنی اُمیدوں اور آرزوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاکر ملا کرنے کے لئے خوش تھا - اور اگر اپنے ہموطنوں کو براعظم افریقہ کے حالات سے آگاہی دینے میں کامیاب ہوں - اور اُن کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے تجارت کے نئے نئے راستوں کے معلوم کرنے کا باعث ٹھیروں - تو بس مدعا پورا ہوا - مجھے یہ بھی معلوم تھا - کہ میرے حامی معزز لوگ ہیں - اور اگر میری تجربات کو اُنہوں نے مفید اور پائدار سمجھا - تو وہ مجھے اس کا معاوضہ دئے بغیر نہیں رہینگے - ایسوسی ایشن نے اُن باتوں کو مجھے عطا کیا - جو اُنہوں نے ضروری خیال کیں - میری قابلیت سے اپنی رضامندی ظاہر کی - اور اس خدمت کے لئے مجھے پسند کیا - اور اُس فیاضی کے ساتھ جو ہر موقع پر ظہور پذیر ہوتی ہے - اُنہوں نے ہر طرح سے تسلی و تشفی دی -

پہلے یہ تجویز قرار پائی - کہ میں مسٹر جیمس ولس کے ہمراہ جو اُس سے تھوڑے دن بعد سینی گیمبیا میں بطور سفیر کے جانے والا تھا جاؤں - کیونکہ اس صورت میں یہ مدنظر تھا - کہ اُس سے میرا بہت کام نکلیگا - اور ایک طرح کی محافظت میں رہونگا - لیکن گورنمنٹ نے بعد ازاں اس عہدے کو منسوخ کردیا - اور میں اس رعائیت کے حاصل کرنے سے ناکام رہا - مگر کمیٹی نے بڑی مہربانی سے جن باتوں کی ضرورت تھی - مجھے مہیا کردیں - اس ایسوسی ایشن کا سیکرٹری جس کا نام ہنری بیوفائی تھا - مجھ پر بہت مہربان تھا -

اُس نے ڈاکٹر جان لیڈلی کی جانب دو سو پونڈ کی ہنڈوی کر دی - اور سفارشی خط لکھ دیا - پس میں ایک چھوٹے سے جہاز میں جس کا نام زنڈیور تھا - اور گیمبیا کی طرف موم اور ہاتھی دانت لانے کے لئے جایا کرتا تھا - سوار ہو گیا - جہاز کے کپتان کا نام رچرڈ ڈوائٹ تھا -

کمیٹی کی طرف سے جو ہدایات مجھے ملی تھیں - وہ بہت سیدھی سادھی اور صاف تھیں - افریقہ میں پہنچ کر اول کام جو میں نے کرنا تھا - یہ تھا - کہ یا تو بومبوک کے راستے یا کسی اور راستے سے جو سہل تر ہو - دریائے نائیجر کی طرف روانہ ہو جاؤں - اور اس کے منبع اور دہانے کو اور اگر ممکن ہو - تو اس کے اُتار چڑھاؤ کو بھی دریافت کروں - اس کے نواح میں جو بڑے بڑے شہر اور قصبے ہوں - وہ بھی دیکھوں - اور خاص کر ٹمبکٹو اور ہوسا میں ضرور جاؤں - اس کے بعد یورپ کو خواہ گیمبیا کی راہ سے یا کسی اور راہ سے جو زیادہ آرام دہ اور مناسب معلوم ہو - لوٹ آؤں -

۲۲ مئی ۱۷۹۵ء کو ہم پورٹسموتھ سے روانہ ہوئے - چار جون کو ساحل افریقہ پر ہمیں گنڈورہ کے پہاڑ نظر آئے - اور اکیس جون کو تینتیس دن کے سفر کے بعد جلی فری میں جو دریائے گیمبیا کے شمالی کنارے پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے - جہاز نے لنگر کیا - یہ قصبہ جیمس آئلینڈ کے مقابل تھا - اور اس جگہ سابق میں انگریزوں کا ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تھا - ملک بارا میں جس میں قصبہ جلی فری واقع ہے - ضروریات زندگی کی بہت سی چیزیں پیدا ہوتی ہیں - لیکن یہاں کے باشندے خصوصاً نمک کی تجارت کرتے ہیں - اسے وہ دریا کی راہ سے بارا کونڈے تک لے جاتے ہیں - اور اس کے عوض میں مکا - سوتی کپڑے - ہاتھی دانت اور سونے کے ذرات وغیرہ لاتے ہیں - چونکہ اس تجارت میں بہت سے لوگ کام کرتے ہیں - اور بہت سی کشتیاں دریا پر آمد و رفت رکھتی ہیں - اس لئے بارے کا حاکم بہ نسبت اور حاکموں کے جو دریا کے قریب ہیں یورپین کی مزاحمت کرے - تو کر سکتا ہے - چنانچہ اسی وجہ سے اُس میں یہ جرأت ہوئی - کہ اس نے اُن جہازات پر جو اُس کے بندرگاہ میں آتے تھے - بھاری

بھاری محصول قائم کر دے۔ یعنے فی کشتی خواہ بڑی یا چھوٹی بیس پونڈ
ان محصولات کو الفابد یعنی جلیفری کا حاکم بذات خاص جمع کرتا ہے۔ اور اُس
وقت اُس کے ساتھ بہت ملازمین ہوا کرتے ہیں۔ اُن میں بہت ایسا اشخاص
بھی ملتے ہیں۔ جو انگریزوں کے ساتھ راہ و رسم رکھنے کے سبب ٹوٹی پھوٹی
انگریزی سیکھ گئے ہیں۔ لیکن عموماً یہ لوگ شور مچانے والے اور تکلیف دینے
والے ہیں جس چیز پر اُن کا دل آجاتا ہے۔ اُس کو ایسے اشتیاق سے اور
تنگ کر کے مانگتے ہیں۔ کہ سوداگروں کو مجبور ہو کر اُن کی درخواست منظور ہی
کرنی پڑتی ہے۔

۱۳ کو ہم جلیفری سے روانہ ہوئے۔ اور ونتابن کی طرف گئے۔ یہ ایک قصبہ ہے۔
جو دریا کے جنوبی کنارے پر دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس جگہ یورپین
لوگ موم کی خاطر بہت آمد و رفت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کثرت سے گرد و
نواح کے باشندے موم لاتے ہیں۔ اس موم کو ایک جنگلی سی قوم جسے فیلوپ
کہتے ہیں۔ جنگلوں سے لاتی ہے۔ اُن کا ملک بہت وسیع ہے۔ کہ جس میں چاول
کی بکثرت پیداوار ہوتی ہے۔ یہاں کے باشندے کیا گمبیا کے کنارے والے پر
اور کیا کاسامن کے ساحلوں پر سوداگروں کے پاس کثرت سے اس
جنس کو لاتے ہیں۔ اور بکریاں اور دیگر خانگی جانور بہت سستی قیمت پر بیچے
جاتے ہیں۔ شہد کو بھی یہ لوگ کثرت سے جمع کرتے ہیں۔ مگر بجائے فروخت
کرنے کے اس کی دیگر قسم کی شراب بناتے ہیں۔ کہ جس کا ذائقہ میڈ شراب
کی طرح ہوتا ہے۔ جو انگلستان میں بنائی جاتی ہے۔

اہل یورپ کے ساتھ معاملہ کرنے کے لیے یہ فیلوپ کسی گماشتے سے یا
مینڈنگو قوم کے کسی شخص سے جو تھوڑی تھوڑی انگریزی جانتا ہو۔ اور
بحری تجارت سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ دلالی کا کام لیتے ہیں۔ یہ دلال
سودا کرتا ہے۔ اور یورپینوں کی طرح دیدہ و دانستہ اندازاً قیمت کے
روپے سے کچھ حصہ لے لیتا ہے۔ اور باقی کا روپیہ مالک کو دے
دیتا ہے۔ اور جس وقت فیلوپ چلا جاتا ہے۔ اُس وقت وہ روپیہ

جو سوداگر سے مل کر اُس نے مقرر کیا ہوتا ہے۔ لیتا ہے۔ اور اُسے اپنی تکلیف کا معاوضہ خیال کرتا ہے۔

فیلوپ لوگوں کی زبان بہت عمدہ اور خاص طرز کی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے لکھا ہے۔ یورپینوں کا کام منیڈنگو قوم کے لوگوں سے بھگت جاتا ہے اس لیے وہ اس کے سیکھنے کی پروا نہیں کرتے۔

۲۶ کو ہم وتنا میں سے روانہ ہوئے ہم دریا کی راہ سے سفر کرتے جاتے تھے۔ جب پانی کم ہو جاتا تھا۔ تو ہم لنگر ڈال دیتے تھے۔ اور اکثر اپنے چھوٹے سے جہاز کو کشتی سے کھینچتے جاتے تھے۔ یہ دریا بہت گہرا ہے۔ اور اس میں کیچڑ بھی بہت ہے۔ اس کے کناروں پر ناقابل گذر جھاڑیاں ہیں۔ اور اس کے آس پاس کا تمام علاقہ ہموار اور دلدل سے پر معلوم ہوتا ہے۔

دریائے گیمبیا میں مچھلیاں بکثرت ہیں بعض قسمیں ان میں سے خوراک کے لیے بہت مفید ہیں۔ لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے۔ ان میں وہ مچھلیاں جو یورپ میں پائی جاتی ہیں۔ بالکل نہیں ہیں۔ سمندر سے اس دریا میں داخل ہوتے ہی شارک قسم کی مچھلی بکثرت ملتی ہے۔ اور اس کے حصہ بالا میں نہنگ اور دریائی گھوڑے بکثرت نظر آتے ہیں۔

وتنا سے روانہ ہو کر ہم چھ دن کے عرصہ میں جولکا کونڈا میں پہنچے۔ یہ تجارت کی بڑی منڈی ہے۔ اس جگہ میں جہاز کے لئے کچھ خریدنا بھی مدنظر تھا۔ دوسرے دن کئی یورپین اپنی اپنی کوٹھیوں سے چٹھیاں لیتے کے لئے اور اسباب کو دریافت کرنے کے واسطے کہ جہاز کتنا بڑا ہے۔ اور کیا مال لے جانے والا ہے۔ آئے۔ کپتان نے ایک شخص کو ڈاکٹر لیڈلی کی طرف بھیجا۔ اور اسے میرے آنے کی خبر بھجوائی۔ وہ اس سے اگلے روز جولکا کونڈا سے میرے پاس آیا۔ میں نے اس کو مسٹر بیوفائی کی چٹھی دی۔ اس نے بڑی محبت سے مجھے اپنے گھر میں رہنے کے لئے جگہ دی۔ اور کہا کہ جب تک سفر کرنے کا موقع میسر نہ آئے۔ میں اسی کے ہاں قیام پذیر رہوں۔ یہ دعوت بھلا ایسی کہاں تھی۔ کہ میں اسے نامنظور کرتا۔ پس میں اس کے ساتھ ہی روانہ ہو گیا۔ اوس نے مجھے ایک گھوڑا لے دیا۔

اور بذرہی نوکر رکھ دیا۔ چنانچہ ۵ جولائی کو سویرے ہی میں جونکاکونڈے سے
روانہ ہوگیا۔ اور گیارہ بجے کے وقت پسانیا میں جا پہنچا۔ اس جگہ ڈاکٹر نے
مجھے رہنے کے لئے ایک کمرہ دیا۔ اور دیگر ضروریات بھی ہم پہنچا دیں۔

پسانیا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اور شاہ یانی کی سلطنت سے متعلق ہے
یہاں انگریزوں کی ایک کوٹھی ہے۔ اور اس جگہ صرف انگریز اور ان کے حبشی
نوکر ہی رہتے ہیں۔ یہ گاؤں گیمبیا کے کنارے پر واقع ہے۔ اور جونکاکونڈے سے
سولہ میل حصہ بالا کی طرف ہے۔ جب میں اس جگہ پہنچا۔ تو اس وقت یہاں ڈاکٹر
لیڈلی اور اس کے دو اور بھائی جن کا نام اینسلی تھا۔ رہتے تھے۔ یہ قوم انگریز
تھی۔ لیکن ان کے نوکر جو حبشی تھے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ان کو اس بادشاہ
کی سلطنت میں کسی طرح کا حادثہ نہیں تھا۔ اور باشندے بھی ان سے بہت
خاطر و مدارات سے پیش آتے۔ اور ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ ان کو
کسی ایسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ جو اس ملک میں میسر نہ آسکتی ہو۔ اور زیادہ
تر غلاموں اور ہاتھی دانت اور سونے کی تجارت ان کے ہاتھ میں تھی۔ چونکہ
میں آرام سے اس جگہ اتر پڑا تھا۔ اول بات جو میں نے اختیار کی۔ وہ یہ تھی۔
کہ میں نے منڈنگو کی زبان سیکھنی شروع کی۔ یہ زبان افریقہ کے ان حصوں میں
اکثر مقامات میں بولی جاتی ہے مجھے اس بات کا کامل یقین ہو گیا تھا۔ کہ جب تک
میں یہ زبان سیکھ نہ لونگا۔ تب تک نہ تو اس ملک کے حالات سے آگاہی پیدا
کر سکونگا۔ اور نہ یہاں کے باشندوں کی نسبت مجھے کچھ واقفیت حاصل ہوگی
اس کام میں مجھے ڈاکٹر لیڈلی نے بہت امداد دی۔

اس قسم کی جستجو میں اور ایسے ملک کے رسم و رواج کے ساتھ واقفیت پیدا
کرنے سے جس سے یورپ کی قومیں بالکل ناآشنا تھیں۔ اور موجودات کے
ان عجیب اور انوکھی اشیاء کو پاکر میرا وقت خوشی سے گزرتا رہا۔ اور جب
میں نے دیکھا۔ کہ دیگر یورپینوں کی طرح جو پہلی دفعہ اکثر اس ملک کی آب و ہوا
سے بیمار ہو جاتے ہیں۔ میں بیمار نہیں ہوا۔ تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں
رہی۔ لیکن اکتیس ۳۱ جولائی کو مجھے یہ بیوقوفی ہوئی۔ کہ میں چاند گہن کو

اس نیت سے دیکھنے کے لئے کہ اب میں کس طول بلد میں ہوں۔ رات کو شبنم میں سویا۔ جس سے اگلے دن مجھے بخار ہو گیا۔ اور یہاں تک اس میں مبتلا رہا۔ کہ اگست کا بہت سا حصہ گذرنے تک میں بستر بیماری سے نہ اٹھ سکا۔ مجھے بہت تدریج کے ساتھ افاقہ ہوا لیکن اس موقع کو بھی میں نے بے فائدہ ضائع نہ کیا۔ جب مجھے فرصت ملتی۔ تو باہر چلا جاتا۔ اور اس ملک کی پیداوار سے آگاہی حاصل کرتا۔ اس سیر گشت میں ایک دن میں دوپہر کو معمولی روزانہ عادت سے زیادہ دور نکل گیا۔ جس کی تکان سے بخار پھر عود کر آیا۔ اور دس ستمبر کو پھر بستر بیماری پر لیٹ گیا۔ مگر یہ بخار پہلے بخار کی طرح سخت اور زیادہ نہیں تھا۔ چنانچہ تین ہفتے کے عرصے میں میں علم باغبانی کے متعلق بشرطیکہ موسم اجازت دیوے۔ تحقیقات کرنے کے قابل ہو گیا۔ آخر بارش ہوئی اور میں پودوں کے خاکے اپنے کمرے میں کھینچ کر دل بہلانے لگا۔ جس توجہ اور خبرداری سے ڈاکٹر لیڈلی نے میری تیمارداری کی۔ اس سے مجھے بہت آرام ملا۔ اس تاریک موسم میں جب کہ بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ اس کی صحبت اور گفتگو سے میرا وقت مزے اور لطف سے بسر ہوا اس موسم میں دم بند کرنے والی گرمی دن کے وقت ستاتی ہے۔ رات کے وقت مینڈک اس زور سے ٹراتے ہیں۔ کہ بیچارے مسافر حیران رہ جاتے ہیں۔ ان جانوروں کی یہاں اس قدر کثرت ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ گیدڑ اس زور شور سے چلاتے ہیں۔ اور چیتیوں کی آواز ایسی گرج کے ساتھ نکلتی ہے۔ کہ جن لوگوں نے انہیں سنا ہے۔ وہی اس کا خیال کر سکتے ہیں۔

یہ ملک بہت ہموار ہے عموماً اس میں درخت کثرت سے ہیں۔ چنانچہ نووارد انسان کو یہ جگہ بہت تکلیف دہ اور بھیانک معلوم ہوتی ہے گو قدرت نے یہاں کے باشندوں کو عجیب عجیب نظاروں سے محروم رکھا ہے۔ مگر پھر بھی اس نے بڑی فیاضی سے ان پر زرخیزی اور فراوانی کی بہت برکات نازل کی ہیں۔ اگر کوئی شخص اناج کے کھیتوں کی طرف ذرا سی توجہ کرے۔ تو اسے اس بات کا ثبوت مل جاتا ہے کہ چراگاہوں میں مویشیوں کے لئے چارہ بکثرت ہے۔ اور باشندوں کو کیا تو دریائے گیمبیا سے اور کیا خلیج ولی سے بہت مچھلیاں مل جاتی ہیں۔

اس جگہ جو پیداوار ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ مکئی دو قسم کا ایک ردر اناج جسے یہاں کے

باشندے سونو سینو کہتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کی معہ چاول کے یہاں بکثرت
پیداوار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جو باشندے شہروں اور گاؤں کے قریب رہتے ہیں۔
اُن کے باغات میں طرح طرح کے پھل پھول اور ترکاریاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔
شہروں کے نزدیک بعض بعض قطعوں میں میں نے کپاس اور نیل کو بھی بوئے ہوئی
دیکھا ہے۔ کپاس سے تو وہ اپنے کپڑے بناتے ہیں۔ اور نیل سے انہیں خوب آسمانی
رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ اُن کے رنگنے کا طریق اس کے بعد بیان ہوگا۔
اناج کو خوراک کے لئے تیار کرنے کے واسطے یہاں کے لوگ لکڑی کا ایک بڑا سا
چٹو جسے پولون کہتے ہیں۔ استعمال کرتے ہیں۔ اس میں وہ اناج کو یہاں تک کوٹتے ہیں۔
کہ چھلکا بیج سے الگ ہو جاتا ہے۔ پھر اُسے صاف کرنے کے لئے جس سے چھلکے اُڑ جاتے
ہیں۔ رکھ دیتے ہیں۔ اور اُس کے صفا کرنے کا قریب قریب وہی دستور ہے۔ جو
انگلستان میں برتا جاتا ہے جب اناج اس طور پر چھلکے سے پاک و صاف ہو جاتا ہے
تو پھر اُسے اُسی لکڑی کے چٹو میں ڈال کر موسل سے کوٹتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ
باریک ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کے مختلف ملکوں کی طرح کھانا تیار کرتے ہیں۔ لیکن عام
طور پر گیمبیا کے باشندے اس کی کھیچی بناتے ہیں جسے کواسکوس کہتے ہیں۔ اسے
اس طور سے تیار کرتے ہیں۔ کہ پہلے آٹے کو پانی میں بھگو دیتے ہیں۔ پھر اُسے ایک
بڑے توے میں ڈال کر لکڑی سے ہلاتے چلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس کے دانے
ساگو کی طرح اُس سے چپٹ جاتے ہیں۔ پھر اُسے ایک ایسے مٹی کے برتن میں ڈال لیتے
ہیں۔ کہ جس میں چھلنی کی طرح سوراخ ہوتے ہیں۔ اُسے ایک اور برتن سے یا لئی یا گوبر وغیرہ
سے بند کر کے ڈھک دیتے ہیں۔ اور پھر آگ پر چڑھا دیتے ہیں۔ نچلے برتن میں عموماً
پانی ہوتا ہے۔ یا گوشت رکھا ہوتا ہے۔ اس کا بخار اُوپر لے برتن کے سوراخوں
سے اُوپر چڑھتا ہے۔ اور اُس ساگو کے سے دانوں کو جو اُس میں پڑے ہوتے
ہیں۔ بہت نرم بنا دیتا ہے جسے اُن تمام ملکوں میں جو میں نے دیکھے ہیں۔ بہت پسند
کیا جاتا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اُسی طور سے ساحل بربر لوگ کھانا تیار کرتے
ہیں۔ اس کھانے کا اُس ملک میں بھی یہی نام ہے۔ اس سے یہ بات ممکن معلوم
ہوتی ہے۔ کہ حبشیوں نے یہ طریق مور لوگوں سے سیکھا ہے۔

یہاں خانگی جانور قریب قریب وہی ہیں جو یورپ میں ہوتے ہیں جنگلات میں سؤر بھی پائے جاتے ہیں لیکن اُن کے گوشت کو یہاں کے لوگ پسند نہیں کرتے غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی تعلیم عام طور پر پھیلے ہوئے ہونے کے سبب ان بت پرستوں کو بھی نفرت ہو گئی ہے۔ سوائے پیرو کے اور سب قسم کے جانور ہر کہیں پائے جاتے ہیں کھیتوں میں تیتر بکثرت ہیں۔ جنگلات میں ایک قسم کا بارہ سنگا ملتا ہے جس کا گوشت بڑی خواہش اور اشتیاق سے کھایا جاتا ہے۔

میںڈنگو کے ملک میں جنگلی جانوروں میں چیتا۔ پلنگ اور ہاتھی بکثرت ملتا ہے۔ جیسے ایسٹ انڈیز میں ہاتھی سے کام لیتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس قدر وسیع براعظم کے باشندوں نے ہاتھی کو ہلانے اور اس سے کام لینے کا طریق نہیں سیکھا۔ اور نہ اُس کی طاقت اور قوت سے کسی قسم کی خدمت لی گئی ہے۔ جب میں نے بعض باشندوں کے سامنے یہ بات بیان کی۔ کہ بعض مشرقی ملکوں میں ہاتھی سے بھی لوگ کام لیتے ہیں۔ تو انہوں نے ہنس کر کہا۔ کہ اس شخص کے جھوٹ کی طرف خیال کرو۔ کیسے تعجب کی بات کہتا ہے۔ یہ حبشی لوگ اکثر ان عظیم الجثہ جانوروں کو بندوق سے ہلاک کر دیتے ہیں۔ خاص کر اس کے دانتوں کے واسطے شکار کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے اسے بدلا لیتے ہیں جو یورپینوں کے پاس آکر اسے بیچ ڈالتے ہیں۔ اس کے گوشت کو یہ لوگ کھاتے ہیں۔ اور اسے بڑا لذیذ تصور کرتے ہیں۔ چھ اکتوبر کو گیمبیا میں بڑا سیلاب آیا۔ عام رفتار سے ۱۵ فٹ اونچا چڑھ گیا تھا۔ اس کے بعد گھٹنا شروع ہوا۔ اوّل آہستہ آہستہ اس کے بعد بہت جلدی بعض اوقات اس کے ایک فٹ کم ہونے میں ایک دن رات گذر جاتا تھا۔ نومبر کے شروع تک دریا اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اور پانی گھٹ کر معمول کے موافق بہنے لگا۔ جب دریا کم ہو گیا۔ اور ہوا بھی خشک ہو گئی۔ تو میں بہت جلد تندرست ہو گیا۔ اور اپنی روانگی کے بارے میں خیال کرنے لگا۔ کیونکہ اب سفر کرنے کے لیے بہت مناسب اور موزوں وقت آگیا تھا۔ لوگوں نے فصلیں کاٹ لی تھیں۔ اور غلہ ہر کہیں سستا اور بکثرت مل سکتا تھا۔

ڈاکٹر لیڈلی اس وقت بغرض تجارت جونکاکونڈا میں گیا ہوا تھا۔ میں نے اس کو لکھ بھیجا۔ کہ میرے لئے غلاموں کے سوداگروں کے ساتھ اور ان کے زیر حفاظت سفر کرنے کا بندوبست کرے۔ جو گیمبیا سے اندرونی حصوں کی طرف جانے والے ہوں۔ اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی لکھ بھیجا۔ کہ ایک گھوڑا اور دو گدھے خرید دے چند روز بعد ڈاکٹر پسانیا کی طرف لوٹ آیا۔ اور مجھے اطلاع دی۔ کہ واقعی ایک قافلہ جب خشک موسم آئیگا۔ اندرون کی طرف جانے والا ہے۔ لیکن چونکہ ابھی تک سوداگروں نے جو جواشیا وہ لینے آئے ہیں نہیں لیں اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب روانہ ہونگے۔

چونکہ ان بردہ فروشوں کے چال چلن اور مزاج سے مجھے مطلق آگاہی نہیں تھی۔ اور نہ ان لوگوں سے جو اس قافلے میں ہوتے ہیں اور علاوہ ازیں وہ میرے مقصد کے مخالف معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ میری خاطر کسی عہدنامے کا خود کو پابند کرنا نہیں چاہتے تھے۔ نیز بالفعل اُن کی روانگی کے وقت میں بھی شبہ تھا۔ میں نے زیادہ فکر کر کے خشک موسم سے خود فائدہ اٹھانے اور اُن کے بغیر روانہ ہونے کا قصد کیا۔

ڈاکٹر لیڈلی نے میرے اس ارادے کو پسند کیا۔ اور اپنے سفر کو نہایت آرام اور آسانی سے پورا کرنے کے لئے ہر طرح کی امداد دینے کا مجھ سے وعدہ کیا۔ جب یہ بات طے ہو چکی۔ تو میں نے بموجب اُن کے کہنے کے تیاری کا بندوبست کرنا شروع کیا۔

اور اب چونکہ میں اپنے مہربان میزبان سے رخصت ہونے والا ہوں۔ جو اثنائے روانگی تک مجھ پر مہربانیاں اور نوازشیں کرتا رہا۔ اور ہمیشہ کے لئے گیمبیا اور اس کے اردگرد کے نواح کو خیرباد کہنا چاہتا ہوں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیشتر اس کے داستان شروع کردوں۔ اور اس جگہ کی اقوام حبش کے متعلق جو اس مشہور دریا کے کناروں پر آباد ہیں۔ کچھ مختصر حالات لکھوں۔ اور اس تجارت کے متعلق معاملات جو ان میں اور یورپ کے اُن فرقوں کے درمیان جو اُن کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ طے ہوتے

ہیں معرض بیان میں لاؤں۔ ان دونوں مضامین پر جو خیالات میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں میں باب آئندہ میں ذکر کرتا ہوں۔

دُوسرا باب

یہاں کے باشندوں کی زبان اور اُن کا مذہب

ان مقامات کے باشندے جو دریا سے گیمبیا کے کنارہ پر آباد ہیں۔ گو کئی سلطنتوں کی رعایا ہیں۔ مگر میرے خیال میں چار قسموں میں منقسم ہو سکتی ہیں یعنے فیلوپ۔ جالف۔ فولہ اور منڈنگو ہیں۔ ان تمام اقوام میں مذہب اسلام کھیلا ہوا ہے اور پھیلتا جاتا ہے لیکن وہاں کے اکثر باشندے ایسے بھی ہیں جو اپنے آباو اجداد کے توہمات میں گرفتار ہیں۔ اور اہل اسلام اُنہیں کافر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

فیلوپ کی نسبت تو میں بجز اُس کے جو باب ماسبق میں میں بیان کر چکا ہوں۔ اور کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ یہ لوگ بڑے سخت دل اور تنک مزاج ہیں کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے قصور وار کو معافی نہیں دیتے۔ اور اُن کے جھگڑے ان کی آئندہ پشتوں تک جاری رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بیٹا اپنے اوپر اس بات کو واجب سمجھتا ہے کہ اپنے مقتول باپ کا انتقام لیوے۔ اگر کوئی آدمی ان فسادات میں جو ہمیشہ اُن کی ضیافتوں کے موقعوں پر ہو جاتے ہیں جس میں انہوں نے کثرت سے شراب پی ہوئی ہوتی ہے سارا جاتا ہے۔ تو اُس کا کوئی بیٹا یا صرف سب سے بڑا بیٹا اگر ایک بیٹے سے اُس کے زیادہ بیٹے ہوں۔ اپنے باپ کی جوتیوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جسے وہ سال میں ایک دفعہ اپنے باپ کی وفات کے بعد برسی کے موقع پر پہنتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے انتقام لینے کا ٹھیک موقع آجاتا ہے۔ ایسے وقت میں جس شخص نے اُس کے باپ کو قتل کیا ہوتا ہے بمشکل بچتا ہے۔

مگر اس سخت اور نہ معاف کرنے والی طبیعت کی اُن کے دیگر اوصاف نے تلافی کر دی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مربیّوں کے بڑے شکر گزار ہیں۔ اور اُن کا احسان مانتے ہیں۔ اور اس قدر دیانت دار کہ خواہ اُنہیں کچھ ہی سپرد کیوں نہ کر دیا جائے وہ اُس میں کبھی خیانت نہیں کرتے۔ حال کی لڑائی میں اُنھوں نے فرانسیسیوں سے ہمارے جہازوں کو بچانے کے لئے کئی دفعہ ہتھیار اُٹھائے ہیں۔ علاوہ ازیں کئی دفعہ نہایت کثیر مال اُن کے قبضہ میں چھوڑ جاتا رہا ہے۔ ایسے موقعوں پر اُنھوں نے نہایت ایمانداری اور دیانت ظاہر کی ہے۔ یہ بات کس قدر ضروری ہے۔ کہ ایسے لوگ جو اس قدر اپنی بات کے پکے اور دیانت دار ہیں۔ مذہب عیسوی کے پر حکمت اور فیاضانہ طریقہ کی تعلیم پاویں۔ جالف قوم بڑی ہشیار زبردست اور جنگی قوم ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر اس نواح میں جو دریائے سینگال اور مینڈنگو کے علاقوں میں جو دریائے گیمبیا کے کناروں پر ہیں۔ آباد ہیں اسپر بھی وہ مینڈنگو قوم سے نہ صرف زبان میں بلکہ خط و خال اور رنگت میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ جالف لوگوں کی ناک بہت نیچے لٹکی ہوئی نہیں ہوتی۔ نہ اُن کے ہونٹ اس قدر بڑے ہوتے ہیں جیسے کہ عام طور پر افریقہ کے باشندوں کے ہوتے ہیں گو انکا چہرا نہایت سیاہ اور کالا ہوتا ہے۔ پھر بھی اہل یورپ انہیں اوروں کی نسبت کم درجہ حبشی خیال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ اُن کی زبان کثیر اور بامعنی ہے جو یورپین سینگال سے تجارت کرتے ہیں وہ یہ زبان سیکھتے ہیں۔

فولہ میں سے وہ لوگ جو گیمبیا کے نواح میں رہتے ہیں اُنکا رنگ اکثر گندم گوں ہوتا ہے۔ اُن کے بال ریشم سے ملائم اور خط و خال بہت خوشنما ہیں۔ وہ کاشتکار لوگ ہیں۔ اور اُن تمام علاقوں میں جو اُس ساحل کے طرف ہیں۔ جدھر ہوا یا دل لے آتی ہے۔ کاشتکاری کرتے ہیں۔ اور جن جن مقامات میں وہ کاشتکاری کرتے ہیں۔ وہاں کے حاکم کو لگان دیتے ہیں۔ چونکہ مجھے پیسا نیا میں رہائش کے وقت ان لوگوں سے میل جول کا بہت موقع نہیں ملا۔ اس لئے میں اُن کے اوصاف کی نسبت اس وقت تک کہ مناسب موقع نہیں آلیتا۔ کچھ نہیں لکھتا۔ جب میں بانڈان کا حال لکھونگا۔ تو اُس کے اوصاف کا بیان کرونگا۔

منڈنگو جن کے اوصاف کا بیان میرے ذمے رہتا ہے۔ ان علاقوں میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ جو میں نے دیکھے ہیں۔ ان کی زبان سوائے چند استثنائیہ صورتوں کے ہر کہیں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

میرے خیال میں اُن کا نام منڈنگو اس سبب سے پڑ گیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مینڈنگ کے علاقے سے نقل مکان کر کے آئے ہیں۔ اس جگہ کا بیان بعد آئیگا۔

ہر ایک بڑے قصبے میں ایک حاکم اعلےٰ ہوتا ہے جسے القاید کہتے ہیں اُس کا یہ عہدہ موروثی ہوتا ہے۔ اُس کا کام امن کو قائم رکھنا مسافروں پر محصول عاید کرنا اور ملکی تنازعات کا فیصل کرنا اور لوگوں کا انصاف کرنا ہوتا ہے۔ ان کی عدالتوں میں شہر کے بڑے بوڑھے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی کارروائی کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ ایک میدان میں جمع ہو کر سرانجام دیتے ہیں۔ فریقین کے بیانات سنتے ہیں۔ شاہدوں کی عام طور پر شہادت لی جاتی ہے۔ اور اُس کے بعد جو فیصلہ کیا جاتا ہے اُس پر فریقین کو راضی ہونا پڑتا ہے۔

مگر حبشیوں کی ایسی زبان نہیں۔ کہ وہ تحریر میں آسکے۔ گر فیصلے کا عام طریق یہ ہے کہ پرانے دستور کے موافق مستغیث فریاد کرتا ہے۔ لیکن جب سے مذہب اسلام ان کے درمیان پھیلا ہے رفتہ رفتہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اور ان کے مقدمات از روئے حدیث (شریف) اور قرآن (مجید) کے فیصلہ پاتے ہیں۔ اور جہاں قرآن (مجید) میں صاف صاف حکم انہیں نہیں ملتا۔ تو فقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ فقہ میں دیوانی فوجداری مسایل کی بہت واضح طور سے تشریح کیگئی ہے۔

یہ مقدمات جو از روئے شرع (شریف) کے فیصل ہوتے ہیں۔ اُس سے وہاں کے بت پرست باشندے بالکل ناواقف ہیں۔ ان میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جو فقہہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اشخاص بطور وکلاء کے کام کرتے ہیں۔ اُنہیں عدالت میں حاضر ہوتے اور مدعی مدعا علیہ کی طرف سے وکالت کرنے کی اجازت ہے اور یہ صورت قریب قریب وہی ہے۔ جو برطانیہ کلاں کی عدالتوں میں ایک مدت کے بعد برتی جانے لگی ہے۔ یہ لوگ حبشی مسکین ہیں۔ اور انہیں مسائل شرع میں بہت دسترس پیدا ہو گئی ہے۔ اور اگر میں اُن کی اُن پر مغز باتوں کو مدنظر

رکھوں جنہیں میں نے بار ہا سنا ہے تو میں یقین کرتا ہوں۔ کہ وہ مقدمات کو پیچ در پیچ بنانے اور ان میں مشکلات پیدا کرنے میں ایسے ہی ہشیار ہیں جیسے کہ یورپ کے وکلاء ہیں جب میں پسانیا میں تھا۔ تو وہاں ایک ایسا مقدمہ آپڑا جس میں ان وکلاء کو اپنی ذاتی لیاقت کے ظاہر کرنے کا بڑا موقع پیش آیا۔ مقدمہ یہ تھا۔ کہ ایک سیراولی حبشی کا گدھا جو اس اندرونی ملک کا باشندہ تھا۔ جو دریائے سینیگال کے کنارے پر آباد ہیں۔ ایک منڈنگو کے کھیت میں گھس گیا۔ اور کھیت کے اکثر حصے کو ضائع کر دیا منڈنگو نے گدھے کو اپنے کھیت میں پکڑ لیا۔ اور چھرا نکال کر اسے ذبح کر ڈالا۔ اس پر سیراولی نے اپنے گدھے کی قیمت طلب کی۔ اور مقدمہ دائر کیا۔ اور اس کی قیمت کا حیثیت سے زیادہ دعویدار ہوا۔ مدعاعلیہ اقبالی تھا۔ کہ اس نے اس گدھے کو واقعی مار ڈالا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے وہ اس بات پر زور دیتا تھا۔ کہ جس قدر کھیت اس جانور نے تباہ کیا ہے۔ اس کی قیمت گدھے کے مول کے مساوی ہے۔ یہ امر تنقیح طلب تھا۔ ان عالم فقہا نے اس مقدمے میں یہ پیچ نکالا۔ کہ تین دن کی سماعت کے بعد ثالث جوں کے توں اٹھ کھڑے ہوئے اور کوئی امر فیصل نہ ہوا۔ میں خیال کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے پھر اجلاس کیا ہوگا۔

عام طور پر منڈنگو حلیم المزاج۔ اہل معاشرت اور نیک طبیعت ہیں۔ ان کے قد درمیانہ۔ اعضا موزوں اور شکل خوبصورت ہوتی ہے۔ بڑے مضبوط اور محنت کو برداشت کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ عورتیں بھی نیک طبیعت۔ ہشیار اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ کیا مرد کیا عورتیں اپنے ہاتھ کا بنا ہوا سوتی کپڑا پہنتے ہیں۔ مرد ایک کھلا ڈھیلا پہنتے ہیں۔ اور ان کے نیچے کے حصہ بدن میں پائجامہ ہوتا ہے۔ جو گھٹنے اور ٹخنے کے بین بین ہوتا ہے۔ ان کے پاؤں میں جوتیاں اور سروں پر کپڑے کی ٹوپیاں ہوتی ہیں۔ عورت کا لباس دو تھانوں سے بنتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک چھ فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک کپڑے کو وہ اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔ یہ کپڑا ان کے ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ اس سے پیٹی کوٹ کا کام بھی لے لیتی ہیں۔ اور دوسرے کپڑے کو بے پروائی سے اپنے سینے اور کندھوں پر ڈال لیتی ہیں۔

اسی طور سے افریقہ میں اس حصہ کے دیگر ممالک کے لوگ بھی کپڑے پہنتے ہیں۔ خاص قومی امتیاز کا عورتوں کے سر کے لباس میں لحاظ رکھا گیا ہے۔

کیمبیا کے نواح میں عورتیں ایک قسم کی ٹوپی جسے جلا کہتے ہیں۔ پہنتی ہیں یہ ٹوپی ایک قسم کے تھوڑے عرض والے کپڑے کو تہ در تہ اوپر نیچے باندھنے سے بناتی ہیں۔ جو ان کی پیشانی سے ذرا اوپر ہوتی ہے مانڈن میں سر کے گرد سفید منکوں کا ہار ہوتا ہے اور سونے کا ایک چھوٹا ٹکڑا پیشانی کے عین وسط میں لگا ہوتا ہے۔ ڈکیسوں میں عورتیں اپنے سر کو سمندر کے مونگے سے عجیب طور سے مزین کرتی ہیں۔ اس سے نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں کیرتہ اور لدا مار میں عورتیں اپنے بالوں کو ایک گدی لگا کر جیسے کہ ابتدا میں برطانیہ کی عورتوں کا دستور تھا بہت بلند کر لیتی ہیں۔ اسے وہ ایک مونگے سے جو بحر قلزم سے آتا ہے آراستہ کرتی ہیں۔ یہ مونگا حاجی مکہ شریف سے لوٹتے ہوئے اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اور ان کے دام کھرے کرتے ہیں۔

اپنے گھروں کی بناوٹ میں منڈنگو کے لوگ اقوام افریقہ کے علاوہ دیگر کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ بھی نہایت تنگ و تاریک اور تکلیف دہ گھر بناتے ہیں گارے کی ایک گول دیوار کھڑی کر لیتے ہیں۔ اس پر چوبی دار چھت ڈال لیتے ہیں۔ ان چھتوں کو وہ بانس استعمال کرتے ہیں۔ اور گھاس سے انہیں چھپروں کی طرح بنا لیتے ہیں۔ بادشاہ کے محل اور غلام کے گھر میں مطلق فرق نہیں ہوتا۔ ان کا خانگی اثاثہ بہت سادہ ہے۔ سیدھی لکڑیاں دو فٹ اونچی کھڑی کر لیتے ہیں جس پر ان کی چٹائی چھپر ا پڑا رہتا ہے۔ اور یہی ان کا پلنگ ہے۔ ایک مٹی کا گھڑا اور چند ایک مٹی کے برتن آٹے دانے کے ڈھونے ڈھالنے کے لئے پڑے رہتے ہیں۔ چند ایک لکڑی کے

چٹو اور ایک دوا اور لکڑی کی بیٹھنے کی چیزیں ہوتی ہیں۔
چونکہ ہر ایک مرد کی بہت سی بیویاں ہوتی ہیں اس لئے یہ ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ ہر ایک عورت کے لئے علیحدہ گھر ہو۔ تمام گھروں کے گرد جو ایک خاندان سے متعلق ہوتے ہیں۔ بانسوں کا حلقہ ہوتا ہے جنہیں چیر کر ٹوکروں کی طرح بن لیتے ہیں۔ اس سارے احاطے کو سرک یا سٹرک کہتے ہیں۔ چند ایک اس قسم کے گھر جن کے راستے بہت تنگ ہوتے ہیں۔ ایک قصبہ کہلاتا ہے لیکن یہ گھر بالکل بے ترتیب بنے ہوتے ہیں جیسے مالک کا خیال ہوتا ہے اسی کے موافق اُن کی ساخت ہوتی ہے۔ صرف انہیں ایک قاعدہ مدنظر رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اُن کے دروازے کا منہ جنوب مغرب کی طرف سمندر کی ہوا کے آنے کے لئے بنا ہوتا ہے۔
ہر ایک شہر میں ایک بڑی منزل ہوتی ہے۔ جسے بینٹنگ کہتے ہیں۔ یہ سرائے کے مسافروں کی قیام گاہ کا کام دیتی ہے۔ یہ منزل بید کو بن کر بنائی جاتی ہے۔ اور آفتاب کی شعاع سے بچنے کے لئے اسے کسی بڑے درخت کے نیچے بناتے ہیں اس جگہ پبلک امورات سرانجام اور مقدمات فیصل کئے جاتے ہیں۔ اس جگہ کمینی اور سست لوگ حقہ پینے کے لئے اکثر جمع ہوتے ہیں۔ اور گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ اکثر شہروں میں اہل اسلام کی مسجدیں ہیں جن میں وہ ہر روز جمع ہوتے اور نماز ادا کرتے ہیں۔
ناظرین کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ میں نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے۔ اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو آزاد ہیں۔ میرے خیال میں یہ لوگ ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں ہونگے۔ باقی تین چوتھائی ذلت اور غلامی کی حالت میں ہیں۔ کاشتکاری کا کام کرتے ہیں۔ مویشی چراتے ہیں اور تمام قسم کے غلامانہ کام کرتے ہیں۔ غرضیکہ الیسٹ انڈین کے غلاموں کا سا حال اُنکا سمجھ لینا چاہئے۔ مگر میں نے یہ بھی سنا ہے۔ کہ منیڈنگو قوم کا آقا نہ تو اپنے غلام کو جان سے مار سکتا ہے۔ نہ کسی اجنبی کے پاس اُسے فروخت کر سکتا ہے۔ جب تک وہ حاکم کے روبرو اس بات کو پیش نہیں کر لیتا۔ جب تک ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ لیکن یہ

نگہداشت صرف اُس غلام کے حق میں مرعی کی جاتی ہے جو اُس جگہ کا رہنے والا ہے
وہ قیدی جو لڑائی میں گرفتار کئے جاتے ہیں۔ وہ کمبخت جو کسی جرم کی وجہ
سے غلام بنائے جاتے ہیں الغرض تمام گروہ بدقسمت اشخاص جو اندرونی حصّوں
سے فروخت کے لئے لائے جاتے ہیں اُن کے ساتھ جیسا اُن کا آقا مناسب
سمجھتا ہے۔ سلوک کرتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ جب ساحل پر جہاز
نہیں آتے تو رحمدل آقا اپنے خریدکردہ غلاموں کو اپنے نوکروں کے درمیان
بانٹ دیتا ہے۔ اور کم سے کم اُن کی اولاد۔ والدین شل اور باشندوں کے حقوق
کے مستحق خیال کئے جاتے ہیں۔

اوّل اوّل اہل یورپ میں سے پرتگیزوں نے اس مشہور دریا پر کوٹھی
بنائی۔ یہی سبب ہے۔ کہ آج تک پرتگیزی زبان کے اکثر الفاظ یہاں کے حبشیوں
میں مروّج ہیں۔ اس کے بعد اہل ہالینڈ اور فرانسیسوں اور انگریزوں نے یکے
بعد دیگرے یہاں بستیاں قائم کی ہیں لیکن گیمبیا کی تجارت کئی برس تک انگریزوں
کے ہاتھ میں رہی۔ فرانسیسی مو صاحب کے سفرنامے میں اہل افریکن کمپنی
کی بستیوں کا حال مرقوم ہے۔ اور وہ یہ کہ ۱۷۳۰ء میں یہ بستیاں قائم ہوئیں اوّل
اوّل صرف جیمس کی کوٹھی بنائی گئی۔ اس میں ایک حاکم ایک اُس کا نائب اور چند
اور عہدہ دار آٹھ کوٹھی والے تیرہ منشی بیس ملازم ایک سپاہیوں کی کمپنی اور
تیس ایک حبشی غلام مقرر ہوئے۔ اُن کے علاوہ بڑے بڑے جہازات بھی
تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے جہازات اور کشتیاں بھی تھیں۔ ان سب پر
ملاح نوکر تھے۔ اور علاوہ ازیں اس دریا پر کم سے کم اُن کے آٹھ کوٹھی خانے
تھے۔

جب یورپ کے ساتھ تجارت کا راستہ کھل گیا۔ تو پھر اُس کا بازار مندا پڑ گیا۔
انگلستان کے باشندے آج کل جو اس ملک کی تجارت میں حصّہ لیتے ہیں۔ وہ صرف
دو تین جہاز ہیں۔ جو سال میں ایک دفعہ مال لے جاتے ہیں۔ اور میں نے سنا ہے۔
کہ انگریز کل تیس ہزار پونڈ کا مال یہاں لاتے ہیں۔ فرانسیسی اور ڈین اس سے
بھی کم کے شریک ہیں اور امریکہ والوں نے حال میں تجربہ کے لئے گیمبیا میں

چند ایک جہاز بھیجے ہیں۔
یورپ سے جو اشیا گیمبیا میں آتی ہیں۔ اُن میں خاص کر سامان حرب گولی بارود وغیرہ بہت ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے آہنی اشیاء شراب۔ تمباکو روئی کی ٹوپیاں۔ چند ایک تھان اور کچھ مانچسٹر کی بنی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں ہندوستان کا بھی قدرے مال ہوتا ہے جس میں شیشے کے ٹکڑے۔ کہربا اور دیگر کم قیمت اشیاء ہوتی ہیں۔ اور اُن کے عوض میں غلام۔ سونا۔ ہاتھی دانت۔ موم اور چمڑے بدل لیتے ہیں۔ غلام بہت ہوتے ہیں۔ لیکن کل تعداد سالانہ پر جو آج کل اس ملک سے باہر جاتی ہے۔ ایک ہزار سے کم ہوتی ہے۔ اس میں بہت قومیں شامل ہیں۔
اکثر اہل قافلہ جب آتے ہیں۔ تو بہت غلام لاتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر ملک کے اندرونی حصوں سے لائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جو زبان وہ بولتے ہیں۔ اسکو سمندری اضلاع کے باشندے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ آگے چل کر میں یہ بیان کرونگا کہ کس طور سے اُنہیں یہاں لایا جاتا ہے۔ ساحل پر آتے ہی جب انہیں بیچنے کا اہل قافلہ کو پتا نہیں لگتا۔ تو اُنہیں آس پاس کے گاؤں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی ایسا جہاز آتا ہے۔ جو غلاموں کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ یا وہ لوگ حبشی سوداگروں کے پاس بیچ ڈالتے ہیں۔ جو اُنہیں اہل یورپ کے پاس بیچ کر آپ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس اثناء میں یہ بیچارے کمبخت زنجیروں میں جکڑ بند کر کے رکھے جاتے ہیں۔ دو دو کو اکٹھے پابزنجیر کیا جاتا ہے۔ اور کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا ہے۔ مجھے اس بات کے کہنے سے بڑا افسوس آتا ہے کہ اُن کو کھانا بہت کم دیا جاتا ہے۔ اور کام بہت سختی سے لیا جاتا ہے۔ غلام کا مول یورپین سوداگروں کے کثرت خریداری پر منحصر ہوتا ہے۔ اور نیز قافلے کی آمد پر۔ لیکن عام طور پر میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ اٹھارہ سے پچیس ۲۵ سال کی عمر کا نوجوان اٹھارہ ۱۸ اٹھارہ بیس ۲۰ پونڈ پر آتا ہے۔ جیسا کہ میں نے باب با سبق میں ذکر کیا ہے حبشیوں کے سوداگروں کو سلاطی کہتے ہیں۔ یہ لوگ علاوہ غلاموں کے اور اُن اشیاء کے جو وہ اہل یورپ کے پاس فروخت کے لئے لاتے ہیں۔ سمندر کے ساحلوں کے باشندوں کے لئے دیسی لوہا خوشبودار گوندیں

اور رنجو بھی لاتے ہیں۔ان اشیاء میں ایک اور چیز بھی ہوتی ہے جس کا نام اگر مکھن کے درخت کا پھل کہا جائے۔تو بہت مناسب ہے۔
ان اشیاء کی قیمت میں سمندر کے ساحل کے لوگ انہیں نمک دیتے ہیں۔جو وہاں بہت بیش قیمت اور نایاب چیز ہے۔مجھے اثنائے سفر میں اس کا بہت تجربہ ہوا ہے۔مگر مور لوگ بھی اندرونی ممالک کے لوگوں کو بہت نمک بہم پہنچاتے ہیں۔یہ لوگ صحرائے اعظم کے نمک کی کانوں سے اسے لاتے ہیں۔اور اسکے عوض میں اناج کپاس۔سوتی کپڑا اور غلام لے جاتے ہیں۔
جب ان لوگوں کا اول اول اہل یورپ سے سابقہ پڑا۔تو جس چیز نے اُن کے دل کو زیادہ اپنی طرف مائل کیا۔وہ لوہا تھا۔چونکہ اس سے لڑائی اور کاشتکاری کے اوزار بنائے جاتے ہیں۔اس لئے اسے اور اشیاء پر ترجیح دی گئی۔چنانچہ اور اشیاء کی فروخت کا معیار بھی مقرر ہوا۔پس ایک معین مقدار کسی جنس کے لوہے کی ایک خاص سری کے قیمت کی قرار پاتی۔مثلاً تمباکو کی بیس۲۰ پتیاں تمباکو کی سری قرار پاتی۔اور ایک گیلن شراب کی یا نصف شراب اور نصف پانی کی اس کی سری قرار ہوتی۔غرضیکہ ایک جنس کی مقدار اس جنس کی سری کہلاتی۔چونکہ یہ بات لازمی ہے۔کہ مال کی قلت اور کثرت بموجب اُس کی مانگ کی قیمت کم و بیش ہوتی ہے۔اس لئے اس کے واسطے بہت ہوشیاری درکار ہے۔مگر حال میں ایک جنس کی ایک سری کی مجوزہ قیمت یورپین لوگوں نے دو شلنگ مقرر کی ہے۔اس لئے وہ غلام جس کی قیمت پندرہ۱۵ پونڈ ہو۔اسے ایک سو پچاس۱۵۰ سریوں کی قیمت کا غلام کہا جاتا ہے۔
اس قسم کے معاملات میں یہ بات ظاہر ہے۔کہ یورپ کے سوداگر کو افریقہ کے سوداگر سے نفع ہے اس لئے اُسے مطمئن کرنا نہایت مشکل ہے۔کیونکہ وہ بسبب اپنی جہالت کی آگاہی کے وہ نہایت شکی اور اپنی بات پر قائم نہ رہنے والا ہو جاتا ہے۔واقعی حبشی اپنے معاملات میں اس قدر شک کیا بلکہ حسد کرنے والے اور غیر مستقل رائے والے ہوتے ہیں۔کہ جب تک وہ قیمت جو فریقین کے درمیان قرار پائی ہے۔ادا نہ ہولے۔اور حبشی چلا نہ جاوے۔

تب تک اہل یورپ اس بیج کو بیج کامل خیال نہیں کرتے

ان تمام باتوں کے کہنے کے بعد جو میرے ایام سکونت میں جبکہ میں گیمبیا میں تھا مجھے معلوم ہوئیں۔ ابتدائی باتوں کی طرف ناظرین کی طبیعت کو اب میں نہیں متوجہ کرونگا۔ اگلے باب میں اُن واقعات کو جو مجھے واقع ہوئے۔ باقاعدہ طور پر شروع کرتا ہوں۔ اور اُن خیالات کو جو اس تکلیف دہ اور خوفناک سفر میں میرے دل میں پیدا ہوئے۔ گیمبیا سے روانہ ہونے اور پھر گیمبیا میں آنے تک ساتھ ساتھ بیان کرتا جاتا ہوں۔

تیسرا باب

ملک بانڈو ولی۔ بانڈو کی طرف سفر

دو دسمبر ۱۷۹۵ء کو میں اپنے مہربان میزبان ڈاکٹر لیڈلی کے ہاں سے روانہ ہوا خوش قسمتی سے مجھے ایک حبشی ملازم ایسا مل گیا۔ جو انگریزی اور منڈنگو دونوں زبان جانتا تھا۔ اُس کا نام جانسن تھا۔ وہ افریقہ کے اُسی حصے کا باشندہ تھا۔ اور چونکہ ایام جوانی میں غلام بنکر جمیکا میں رہا تھا۔ اُس جگہ اس کا آقا اُسے آزاد کرکے اپنے ساتھ انگلستان لے گیا تھا جہاں وہ بہت عرصے تک رہا تھا۔ اور آخر اپنے وطن کو چلا آیا تھا۔ چونکہ ڈاکٹر لیڈلی سے اُن کی جان پہچان تھی۔ اس لئے اُس نے اُس کی میرے پاس سفارش کی۔ اُسے میں نے بطور ترجمان کے مہینے میں دس سلایاں اُسے اور پانچ اُس کی بیوی کو دینی کرکے نوکر رکھ لیا۔ اُس کے علاوہ ڈاکٹر لیڈلی نے ایک اور نوجوان لڑکا جس کا نام ڈمبا تھا۔ میرے ساتھ کر دیا۔ وہ منڈنگو تھا۔ اور سرادلی زبان بھی بول سکتا تھا۔ یہ سرادلی لوگ اندرونی حصوں میں دریائے سینیگال کے کناروں پر آباد ہیں۔ اُس کے ساتھ یہ شرط قرار پائی کہ اگر اُس نے اثنائے سفر میں خوب کام کیا۔ تو میری

واپسی پر اُسے آزاد کر دیا جائیگا۔ ڈاکٹر لیڈلی نے مجھے ایک گھوڑا بھی ۷ پونڈ دس شلنگ قیمت پر خرید دیا۔ گھوڑا بہت چھوٹا مگر تیز اور چالاک تہا۔ میرا سامان سفر بھی ہلکا تھا۔ صرف دو دن کا میں نے کھانا لے لیا تھا۔ اثناے سفر میں چیزیں خریدنے کے واسطے میں نے کچھہ منکلے کچھہ کہربا۔ اور تمباکو کچھہ پاس نہاں اور اور ضروری لباس رکھہ لیا تہا ۔ایک جدول تہا۔ ایک کمپاس اور ایک آلہ مقیاس الحرارت بھی اسی سامان میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ دو بندوقیں۔ دو پستول اور کسی قدر اور اور چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔

ایک مسلمان آزاد نے جس کا نام مدیبو تھا۔ اور بمبارا کی سلطنت کی طرف جانے والا تہا۔ اور دو مسلمانوں یعنے غلاموں کے سوداگروں نے جو سراولی قوم اور سراولی فرقے کے تھے۔ اور بانڈو کو جانے والے تھے۔ اثناے سفر میں اپنے اپنے علاقوں تک میرے ساتھ چلنے کا اقرار کیا۔ ایسے ہی ایک حبشی نے جس کا نام تامی تہا۔ (جو مسلمان تہا اور کاسون کا باشندہ تہا۔ اور چند سال سے ڈاکٹر لیڈلی کے پاس لوہار کا کام کر رہا تھا۔ اور اب کما کرا پنے بال بچوں کی طرف وطن کو واپس جانے والا تھا) میرے ساتھ رہنے کا اقرار کیا۔ یہ سارے اشخاص پیدل تھے اور اپنے گدھوں کو اپنے آگے آگے ہانک کر لئے جا رہے تھے۔

پس میرے ساتھ کے لئے یہ چند اشخاص کچھہ کم نہیں تھے جنہیں ڈاکٹر لیڈلی نے میری نہایت عزت کرنیکی تاکید کر دی تھی۔ اور اُن سے ساتھہ ہی اس کے یہ بھی کہ دیا تھا کہ تمہارا پھر بمبیا میں سلامت آنا اس کی (منگوپارک) سلامتی پر منحصر ہے۔ خود ڈاکٹر لیڈلی اور مسٹر اینسلی اور اُن کے نوکروں نے دو دن تک میرے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اُن کے دل میں پوشیدہ طور پر یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ میں پھر کبھی اُن سے زندہ واپس آکر نہ مل سکونگا۔

اُسی روز ہم جندی میں پہنچے۔ راستے میں خلیج والی جو گیمبیا کی شاخ ہے

دیکھی۔ اور ایک حبشن کے گھر میں جو سابق میں ایک انگریزی تاجر مسمی ہوٹیٹ کے گھر میں جورو بن کر رہ چکی تھی۔ ٹھہرے۔ اس سبب سے امتیاز کے لئے ہم اُسے لیڈی کے نام سے مخاطب کرتے تھے شام کے وقت ہم پاس کا ایک گاؤں دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جو ایک سلاتی یعنے غلاموں کے سوداگر جمافو مو ما دو کا تھا۔ جو گیمبیا کے تمام سوداگروں سے زیادہ مالدار تھا۔ ہم نے اُسے گھر میں موجود پایا۔ اُس نے ہمارے آنے کو اپنے لئے اس قدر باعث عزت سمجھا۔ کہ ایک خوبصورت بیل ہمیں بطور ہدیہ کے دعوت میں دیا۔ جسے فوراً ذبح کیا گیا۔ اور اُس میں سے کسی قدر ہمارے شام کے کھانے کے لئے تیار کیا گیا۔

حبشی رات کا کھانا بہت رات گئی کھاتے ہیں اس واسطے ہمارا دل بہلانے کے لئے اُس نے ایک منڈنگو کو طلب کیا۔ چنانچہ اُن کی دلچسپ داستانیں سنتے اور تمباکو پیتے ہم کو تین گھنٹے گذر گئے۔ یہ داستانیں الف لیلہ کی داستانوں کی سی تھیں۔ بلکہ عام طور پر اُن سے زیادہ دلچسپ اور دلنشین تھیں۔

تین دسمبر کو ایک بجے کے وقت سے ڈاکٹر لیڈلی اور مسٹر اینسلی سے رخصت لی اور جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ اب میرے پیش نظر ایک وسیع جنگل اور ناپید اکنار ملک آ گیا۔ جس کے باشندے شائستہ دنیا کے باشندوں سے بالکل نرالے تھے۔ اور اُن میں سے اکثروں کے پاس سفید رنگ کا ایک عجوبہ عجیب سوٹ تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوتا تھا۔ کہ بس اب میں آخر دفعہ اپنے ہم وطن سے مل لیا۔ اور شاید ہمیشہ کے لئے اُن کی صحبت سے جدا ہو گیا۔ اس قسم کے خیالات بعض وقت میرے دل کو بہت غمگین کر دیتے تھے۔ تین میل تک اسی طور سے خیالات کرتا چلا گیا۔ کہ ایک جماعت نے آکر مجھے اس خواب پریشان سے بیدار کیا۔ اور گرد ہو کر روک دئے۔ کہ ہمارے ساتھ پیکو باچلکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو۔ یا ہمیں محصول دو۔ میں نے انہیں اس بات کے سمجھانے کی کوشش کی

کہ میرے سفر کا مدعا تجارت نہیں ہے۔ مجھسے سلاطیوں کی طرح محصول نہیں لینا
چاہئے۔ کیونکہ وہ فائدے کی خاطر سفر کرتے ہیں۔ لیکن میرا ان باتوں سے
کوئی فائدہ مند نتیجہ مترتب نہ ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ تمام مسافروں کا دستور
ہے کہ والی کے بادشاہ کو محصول دیتے ہیں جب تک محصول نہیں دے
چکتے۔ تب تک اُنہیں آگے سفر کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ
میرے ساتھ والوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ اور ساتھ ہی
اس کے بہت شور بھی مچاتے تھے میں نے اُن کی بات ماننا مناسب
سمجھا۔ اُنہیں تھوڑا سا تمباکو بادشاہ کے لئے دے کر آگے چلنے کی اجازت
حاصل کی۔ اور غروب آفتاب کے وقت ایک گاؤں کوتاکندہ میں پہنچے
اس جگہ ہم نے رات کو آرام کیا۔

چار دسمبر کو میں کوتاکندے سے جو والی کا آخری گاؤں ہے
گزر گیا۔ اور پھر ایک چھوٹے سے گاؤں میں وہاں کے بادشاہ کے
ایک افسر کو محصول دینے کے لئے ایک گھنٹہ ٹھیرا۔ رات ایک گاؤں کے
قریب بیابان جنگل میں بسر کی اور پانچ دسمبر کو مدینہ میں جو وولی کا دارالخلافہ
ہے۔ دوپہر کے وقت پہنچا۔

وولی کے مغرب کی طرف والی ہے۔ جنوب کی طرف گیمبیا ہے۔
شمال مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا دریا ہے۔ اور شمال مشرق کی
طرف بانڈا ہے۔ اور مشرق کی طرف سمبانی کا جنگل ہے۔

یہاں کے باشندے منڈنگو ہیں۔ اور منڈنگو کی تمام قوموں
کی طرح دو فریق میں منقسم ہیں۔ بعضے مسلمان ہیں۔ جو بشرین کہلاتے
ہیں اور بعض بت پرست ہیں جو کافر کہلاتے ہیں۔ اور بعض سنا کی
یعنی بڑے شراب پینے والے ہیں۔ بت پرست بہت کثرت سے ہیں
اور ملک کی حکومت اُن کے ہاتھ میں ہے۔ گو بڑے بڑے لبشرین
امور اہم میں مشورہ دینے کے لئے طلب کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی اکثر کچھ
طاقت میں اُنہیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اختیار صرف بادشاہ کا ہے

یا ملک کے بڑے بڑے سرداروں کا۔ ان میں سے بادشاہ بلحاظ رتبے کے تخت و تاج کا موروثی وارث ہوتا ہے۔ اور اُسے فوربا کہتے ہیں اُس سے دوسرے درجے پر قاضی ہوتے ہیں۔ اور اکثر انہیں کیمیوس کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے بعد باقی ماندہ اشخاص صرف غلام ہیں یا آزاد۔ آزادوں میں سلاتی ہوتے ہیں۔ جن کا پیشتر الذکر دفعہ ذکر آچکا ہے۔ لیکن تمام طبقے کے لوگوں میں جو بڑھے ہوں کی بہت تعظیم و تکریم کی جاتی ہے۔

حکمران بادشاہ کی وفات پر اُس کا بڑا بیٹا بشرطیکہ وہ بالغ ہو۔ اُس کا قائم مقام قرار پاتا اور تخت نشین ہوتا ہے۔ اگر اُس کا بیٹا نہیں ہوتا۔ یا ہوتا تو ہے۔ مگر نابالغ ہوتا ہے تو بڑے بڑے آدمیوں کی کمیٹی منعقد ہوتی ہے۔ اور مرحوم بادشاہ کا سب سے نزدیکی رشتے دار بلکہ اکثر اُس کا بھائی تخت پر بیٹھایا جاتا ہے۔ وہ اُس نابالغ بچے کا محافظ یا نائب نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کو پورے اختیار ہوتے ہیں گورنمنٹ کے لئے جو خرچ اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگوں سے محصول لے کر پوری کی جاتی ہے یا اُس ملک میں جو مال گذرتا ہے۔ اُس پر محصول عائد کرنے سے اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ جو مسافر گیمبیا سے اندرونی ممالک کو جاتے ہیں۔ ولایتی مال بطور محصول کے ادا کرتے ہیں جب وہ سودا خریدنے کے واسطے واپس آتے ہیں تو اُس وقت وہی سریاں وغیرہ محصول میں دیتے ہیں۔

مدینہ جو اس ملک کا دارالخلافہ ہے۔ اور جس میں اس وقت پہنچ گیا تھا بہت بڑا شہر ہے۔ اس میں آٹھ سو یا ایک ہزار گھر ہونگے۔ اسے افریقہ کے عام دستور کے موافق محفوظ کیا ہوا ہے۔ یعنی مٹی کی ایک بلند دیوار اس کے چاروں طرف بنی ہوئی ہے۔ اس کے باہر نوکدار کانٹے اور کانٹے دار جھاڑیاں لگائی ہوئی ہیں۔ لیکن اُن دیواروں کی طرف چنداں توجہ نہیں کی جاتی۔ بیرونی کانٹے دار جھاڑیوں کو تو ڑ دیں

نہیں چھوڑتیں کیونکہ وہ اُنہیں اپنے دمن کے لئے کاٹ لاتے ہیں بادشاہ کے ایک قریبی رشتے دار کے ہاں میں مہمان ہوا۔ اُس نے مجھے صلاح دی۔ کہ جب میں بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوں۔ تو اُس سے مصافحہ نہ کروں۔ کہ یہاں کے بادشاہ کا یہ دستور نہیں ہے۔ کہ وہ اجنبیوں سے ہاتھ ملائے۔ یہ بات معلوم کر کے شام کے وقت میں بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے گیا۔ اور اس بات کی اجازت مانگی۔ کہ میں اُن کی علاقہ میں سے ہو کر باؤڈو کو جانا چاہتا ہوں۔ اس بادشاہ کا نام جاٹا تھا۔ وہ وہی معزز پیر مرد تھا جس کا بیان میجر ہوگٹن نے نہایت خوشی سے اپنے سفر نامے میں کیا ہے میں نے اسے اپنے گھر کے آگے چٹائی پر بیٹھے پایا۔ چند ایک مرد اور عورتیں اُس کے دونوں طرف آراستہ وصف بستہ کھڑے ہوئے گا نے اور تالیاں بجاتے تھے میں نے اُسے نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا اور اپنے مطلب کی اُسے اطلاع دی۔ بادشاہ نے نہایت مہربانی سے جواب دیا۔ کہ میں صرف تمہیں اپنے علاقے میں سے گزرنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ بلکہ تمہاری سلامتی کی دعا مانگتا ہوں۔ اس پر میرے ساتھیوں میں سے ایک شخص بادشاہ کی اس عنایت پر گانے لگ گیا یا یوں کہو۔ کہ عربی زبان میں دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔ اُس کے ہر شعر کے آخیر میں کیا بادشاہ اور کیا اُن اشخاص نے جو اُن کی مجلس میں حاضر تھے۔ اپنے اپنے ہاتھ پیشانی پر مار کر نہایت سنجیدگی اور رقت سے آمین کہی۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے وعدہ کیا۔ کہ وہ مجھے دوسرے دن ایک ایسا بدرقہ دیگا۔ جو مجھے صحیح وسلامت اپنی سرحد پر پہنچا آویگا۔ اس کے بعد میں نے اُس سے رخصت لی۔ اور شام کے وقت ڈاکٹر لیڈلی کو بادشاہ کے لئے تین لیگن شراب کا ایک رقعہ لکھدیا۔ اور اُس کے عوض میں بہت سی رسد حاصل کی۔

۲ دسمبر۔ علے الصباح بادشاہ کے پاس میں دوسری دفعہ اس لئے گیا۔ کہ معلوم کروں۔ آیا بدرقہ تیار ہے یا نہیں۔ آج میں نے اُسے بیل کے ایک بڑے چمڑے پر جلوس فرمائے دیکھا۔ سامنے آگ جل رہی تھی اور خود اُس کے آگے ہاتھ کر کے سینک رہا تہا۔ کیونکہ اگر ہوا میں ذرا سا تغیر راہ پاوے۔ تو ان لوگوں پر اُس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور جیسے کہ یورپین گرمی سے ہانپتے ہیں ... لست جاتے

ہیں۔ ویسے یہ لوگ سردی سے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اس نے بڑی خندہ پیشانی سے میرے ساتھ سلوک کیا۔ اور بڑی محبت سے مجھے صلاح دی۔ کہ افریقہ کے اندرونی حصوں میں سفر نہ کروں۔ اور کہا کہ اسی سبب سے میجر ہوٹن کی بھی جان گئی۔ اور اگر میں بھی اس کے نقش پا پہ قدم رکھونگا۔ تو میرا بھی اسی کا سا حال ہوگا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مجھے مشرق کے لوگوں کو دلی کے لوگوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ دلی کے آدمی یورپینوں سے واقف ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں مگر مشرقی لوگوں نے کبھی کوئی سفید آدمی نہیں دیکھا۔ اس لیئے وہ یقیناً مجھے مار ڈالینگے۔ میں نے بادشاہ کے ان عنایت آمیز کلمات پر اُس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا۔ کہ میں نے اس بات پر غور و خوض کیا ہے۔ پس مجھے کسی خطرے کی پرواہ نہیں۔ بادشاہ نے افسوس سے اپنا سر ہلایا۔ مگر پھر مجھ سے کہنا چھوڑ دیا۔ اور کہا۔ کہ بدرقہ شام کو تیار ہو جائیگا۔ دو بجے کے وقت بدرقہ تیار ہو کر آگیا۔ میں نے جاکر اس نیک مہربان بوڑھے بادشاہ سے دوسری دفعہ ملاقات کی۔ اور تین گھنٹے کے عرصے میں کجورمیں جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ پہنچا۔ اس جگہ ہم نے رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس جگہ میں نے ایک خوبصورت بھیڑی چند پتھر کے منکوں پر مول لی۔ میرے سرادلی ساتھیوں نے اپنے مذہب کے موافق اسے ذبح کیا۔ اس میں سے کچھ گوشت تو شام کے لئے تیار کیا گیا۔ اس کے بعد ایک سرادلی اور جالنس کے درمیان بھیڑی کے سینگوں کے بارے میں جھگڑا شروع ہوا۔ سرادلی کہتا تھا۔ کہ سینگ میں لونگا۔ کیونکہ میں نے اس بھیڑی کو ذبح کرکے تیار کیا ہے۔ اور جالنس کہتا تھا۔ کہ نہیں یہ سینگ میں لونگا۔ میں نے یہ نزاع ہر ایک کو ایک ایک سینگ دے کر طے کیا۔ یہ چھوٹا سا واقعہ ایک بڑی بات کی تمہید ہے۔ کیونکہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سینگ بہت بیش قیمت ہوتے ہیں۔ کیونکہ آسانی سے ان میں تعویذ جنہیں حبشی لوگ اکثر گرسے پہنتے ہیں۔ رکھا کرتے ہیں۔

یہ تعویذ قرآن شریف کی چند آیتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں علماء کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ دیتے ہیں۔ اور سادہ لوح دلیسیوں کے پاس بیچ ڈالتے ہیں۔ جو ان میں

بڑی بڑی تاثیروں کے قایل ہیں بعض حبشی سانپوں یا ہنگوں سے محفوظ رہنے کے لئے انہیں پہنا کرتے ہیں۔ اس موقع پر اس تعویذ کو سانپ یا ہنگ کے چمڑے میں مڑھ لیتے ہیں۔ اور ٹخنے کے گرد اسے باندھ دیتے ہیں۔ بعض لوگ اثناے جنگ میں تعویذ بناتے ہیں۔ تاکہ دشمنوں کے اوزاروں سے محفوظ رہیں۔ لیکن عام کام جوان تعویذوں سے لیا جاتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ صرف جسمانی بیماریوں کے رفع دفع اور بھوک پیاس سے بچنے کے لئے انہیں استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ زندگی کے ہر واقعہ اور حالت کے لئے ان پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں انکے توہمات کی تعریف کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ اکثر حبشی بُت پرست ہیں۔ اور اسلام کی تعلیم کو نہیں مانتے میں کسی شخص سے خواہ وہ مسلمان ہو۔ یا کافر نہیں ملا۔ جسے ان تعویذوں کی عجیب تاثیر کا اقرار نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ افریقہ کے نواح کے لوگ لکھنا قریب قریب جادو خیال کرتے ہیں۔ اس سبب سے یہ بات کہنا بیجا نہیں۔ کہ جادو کا ان پر بہت کچھ بھروسہ ہے۔ ناظرین کو آئندہ معلوم ہوگا۔ کہ ایام مصیبت میں جبکہ لوگ مجھسے کہیں لیتے تھے۔ لکھنے سے میں بھی فایدہ اٹھا لیتا تہا۔

۷۔ دسمبر کو میں کنجور سے روانہ ہوا۔ اور ایک گاؤں مالا میں سویا۔ اور آٹھ دسمبر کو دوپہر کے وقت کلور میں پہنچا۔ یہ ایک بڑا قصبہ ہے۔ اور اس کے دروازے کے قریب ایک درخت ہے۔ اس پر درختوں کے چھلکے کی ایک عجیب بنی ہوئی پوشاک لٹکی ہوئی ہے۔ دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ پوشاک ممبو جمبو کی تہی۔ یہ عجیب قسم کی پوشاک ہوتی ہے۔ منڈنگو کے علاقے میں اس کا بڑا رواج ہے۔ بُت پرست اپنی بیویوں کو قابو میں رکھنے کے لئے اسے اکثر کام میں لایا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بُت پرست لوگ جتنی چاہیں۔ اتنی بیبیاں کر لیتے ہیں۔ اور چونکہ اکثر یہ اتفاق ہوتا ہے۔ کہ ان عورتوں میں جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خاندانی تنازع کی بعض وقت یہاں تک نوبت پہنچتی ہے۔ کہ خاوند اپنے گھر میں صلح رکھنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے اس صورت میں ممبو جمبو سے امداد لی جاتی ہے جس کا فیصلہ قطعی ہو جاتا ہے

یہ عجیب منصف (جس کی بنسبت خیال کیا جاتا ہے۔ کہ یا تو وہ خود خاوند ہوتا ہے۔ یا کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جسے خاوند لکھا پڑھا دیتا ہے) اس پوشاک کو جس کا اوپر ذکر ہوا۔ پہن لیتا ہے۔ اور پبلک کے اختیار کے عصا کو ہاتھ میں لے کر گاؤں میں اپنا آنا مشہور کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب اس کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جنگل میں زور سے شور کرتا اور چیخیں مارتا ہے جب رات پڑتی ہے۔ تو وہ آنا شروع کرتا ہے اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو گاؤں میں داخل ہوتا ہے اور بنتانگ (عدالت گاہ) میں جاتا ہے۔ جہاں تمام باشندے فوراً جمع ہو جاتے ہیں۔

۹ دسمبر۔ چونکہ راستے میں پانی نہیں ملسکتا تھا۔ اس لیئے ہم نے بڑے زور کے ساتھ سفر کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہم ٹمباکنڈا میں پہنچے اور اس سے اگلے دن علی الصباح روانہ ہو کر دسویں تاریخ کو نیاکاری میں جو کلور جیتا ہے جا داخل ہوئے۔ گیارہ تاریخ کو دوپہر کے قریب ہم کوجبر میں پہنچے۔ یہ گاؤں وولی کی سرحد پر ہے۔ اور اس سے باندو کو راستہ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ شہر اس جگہ سے دو دن کی راہ ہے۔ جو جنگل میں سے ہو کر جاتی ہے۔

وولی کے بادشاہ نے جو بدرقہ میرے ساتھ کر دیا تھا۔ اب اس کے واپس جانے کا وقت آگیا میں نے اس تکلیف کے لیئے جو اس نے اٹھائی تھی۔ کچھ کپڑا اس کے نذر کیا۔ اور چونکہ مجھے معلوم ہوا۔ کہ راستے میں ہمیشہ پانی کا مل جانا ممکن نہیں۔ اس لیئے میں نے ایسے شخصوں کی جستجو کی۔ جو پانی بھی ساتھ ساتھ اٹھائے لیئے چلیں۔ اور بدرقہ کا بھی کام دیں۔ تین ۳ حبشیوں نے جو ہاتھی کا شکار کیا کرتے تھے۔ یہ نوکری منظور کرلی۔ ہر ایک کو تین تین سریاں پیشگی میں نے دئیے۔ چونکہ آج کا دن بہت زیادہ گذر چکا تھا۔ اس لیئے میں نے اسی جگہ رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ کوجبر کے باشندے چونکہ یورپینوں کے دیکھنے کے عادی نہیں تھے۔ کیونکہ ان میں سے اکثر جب کبھیا

کو جاتے ہیں۔ تو انہیں دیکھ آتے ہیں۔ مجھے عزت کے ساتھ دیکھنے لگے۔
شام کے وقت انہوں نے مجھے کشتی دیکھنے کے لئے اکھاڑے میں مدعو
کیا۔ یہ تماشا منڈنگو کے علاقے میں عام ہوتا ہے۔ تماشائی حلقہ باندھ کر
جمع ہو گئے۔ درمیانی جگہ کشتی گیروں کے لئے جو بڑے مضبوط اور توانا
تھے اور میرے خیال میں بچپن سے اس کرتب کے مشاق تھے چھوڑ دی
جاتی ہے کو چھوڑ تمام بدن کے کپڑے اُتار کر اور بدن پر تیل مل کر کشتی گیر
دنگل میں اُترے۔ بازیاں ہارتے تھے۔ اور رگا ہے گا ہے آگے ہاتھ پھیلاتے
تھے۔ یہاں تک کہ ایک نے ان میں سے باہر آکر اپنے رقیب کو گھٹنے سے
پکڑ لیا۔ اب انہوں نے بڑے داؤں پیچ کھیلے۔ لیکن کشتی کو ایک بڑے
آدمی نے فیصل کر دیا۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ یورپین کشتی گیر شاذ
و نادر ہی انکے فتحیاب کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہوگا۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے
کہ جب کشتی ہوتی تھی۔ تو اُسوقت ڈھول بھی بجتا تھا۔ اور کسیقدر ان کے کرتب
اُس کے ذریعے آراستہ کئے جاتے تھے۔

کشتی کے بعد ناچ شروع ہوا۔ اس میں بہت اشخاص شامل تھے۔
اور سب کے پاس چھوٹے چھوٹے گھنگرو موجود تھے۔ جو اُن کی ٹانگوں اور
بازوؤں سے بندھے ہوئے تھے۔ اُس وقت بھی ڈھول بجتا جاتا تھا
اور وہ ناچتے جاتے تھے۔ ڈھول کو بجانے کے لئے بجانے والا ایک
ٹیڑھی لکڑی سے جو اس کے داہنے ہاتھ میں تھی۔ بجاتا تھا کبھی کبھی شور کو
بند کرنے کے لئے بائیں ہاتھ سے بھی اسے کوٹتا تھا۔ اور اس طور سے
ناچ بھی بدلتا جاتا تھا۔ ایسی ہی ترتیب قائم رکھنے کے لئے اس موقع
پر ڈھول سے کام لیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے منڈنگو کے بعض
جملات کی نقل کی جاتی تھی۔ مثلاً جب کشتی شروع ہوتی ہے۔ تو ڈھول
بجانے والا ایسی آواز سے ڈھول بجاتا ہے۔ کہ جس سے یہ مفہوم ہوتا
ہے۔ کالی بوسے سی دبیٹھ جاؤ۔ اس پر تماشائی فوراً بیٹھ جاتے
ہیں۔ اور جب کشتی گیر کشتی شروع کرتے ہیں۔ تو وہ بجاتا ہے۔ امتا

امنا۔ خبردار ہو جاؤ۔ خبردار ہو جاؤ۔

شام کے وقت عزت کے طور پر انہوں نے ایک تیز شراب خاطرداری کے طور پر میرے آگے لا رکھی۔ اس کا مزہ بعینہ انگلستان کی سی شراب کا سا تھا۔ واقعی بہت عجیب مزہ تھا۔ کیونکہ اسے پی کر میں نے اس کے اجزا ان سے دریافت کئے اور بڑے تعجب سے سنا۔ کہ وہ شراب حقیقت میں بوزہ کشی کر کے ایک اناج سے تیار کی جاتی ہے۔ اس کے بنانے کا طریق قریب قریب وہی سنا جو انگلستان میں رائج ہے۔ انگور کی بجائے وہ ایک قسم کی بوٹیاں استعمال کرتے ہیں۔ جس کا نام میں بھول گیا ہوں۔

بارہ ۱۲ دسمبر کو علی الصباح مجھے معلوم ہوا کہ ہاتھی کے شکاریوں میں سے ایک جسے اجرت کے طور پر میں نے کچھ پیشگی دیا تھا۔ بھاگ گیا ہے۔ اس لئے باقی دو کو اس کام سے روکنے کے لئے فوراً کلاباش یعنے تونبے پانی سے بھرنے کا حکم دیا۔ اور جب آفتاب طلوع ہوا۔ تو میں اس جنگل میں جو دولی کو باندو سے جدا کرتا ہے داخل ہوا۔

دوپہر تک بلا توقف کرنے کے ہم چلتے رہے۔ بعد دوپہر ہم ایک بڑے درخت کے نیچے جسے وہاں کے لوگ نیما تابا کہتے ہیں۔ فروکش ہوئے۔ اس درخت کی بہت عجیب صورت تھی۔ بے شمار چیتھڑوں سے اسے آراستہ کیا ہوا تھا۔ یہ چیتھڑے مسافر جنگل میں سفر کرتے وقت اس کی شاخوں سے باندھ گئے تھے۔ غالباً ان چیتھڑوں کے باندھنے سے یہ مطلب ہوگا۔ کہ پانی اس جگہ کے قریب تھا۔ لیکن اس دستور کو لوگوں نے ایسا تسلیم کر لیا ہے کہ جو کوئی اس راستے سے گزرتا ہے۔ ایک نہ ایک چیتھڑا اس پر ضرور باندھ جاتا ہے۔ میں نے بھی ان کے دستور کی پیروی کی اور ایک خوبصورت کپڑا درخت کی شاخ سے باندھ دیا۔ اور چونکہ میں نے سنا تھا۔ کہ اس جگہ سے تالاب یا کنواں نزدیک ہے میں نے حبشیوں کو گدھوں سے اسباب اتارنے کا حکم دیا۔ تاکہ انہیں دانہ دیں۔ اور آپ ان چیزوں کو جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے کھانے کے لئے تیار کریں۔ اس اثنا میں میں نے ایک ہاتھی کے شکاری کو کنواں دیکھنے کے لئے روانہ کیا۔ اور ارادہ کر لیا۔ کہ اگر اس جگہ پانی مل

جائیگا۔ تو رات یہیں بسر کرونگا۔ پانی تو ملا لیکن بہت میلا اور کیچڑ والا تھا۔ حبشی نے اُس کے پاس قدرے آگ بھی دیکھی جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ عنقریب یہاں سے کچھ اشخاص خواہ وہ مسافر ہوں یا راہزن روانہ ہوئے ہیں میرے ساتھیوں کا بہت یہی خیال تھا۔ کہ وہاں راہزن اترے ہونگے۔ چنانچہ اس بات کو سچ مان کر کہ چور کہیں گھات میں لگے ہونگے مجھے یہاں رات بسر کرنے سے انہوں نے منع کر دیا۔ اور کہا کہ آگے چل کر تھوڑے ہی فاصلے پر پانی ہمیں مل جائیگا۔

اس لئے ہم وہاں سے روانہ ہوگئے لیکن پیشتر اس کے کہ ہم پانی کے قیام پر پہنچیں۔ آٹھ بج چکے تھے۔ چونکہ اب ہم دن بھر سفر کرنے کے سبب سے بالکل تھک گئے تھے ہم آگ جلا کر برہنہ زمین پر جانوروں کو اپنی چاروں طرف باندھ کر لیٹ گئے۔ اور حبشیوں نے رات بھر باری باری پہرہ دینے کی تجویز کی۔

واقعی مجھے معلوم نہیں۔ کہ کس خطرے سے ہمیں اندیشہ کرنا چاہئے تھا۔ مگر حبشی جو میرے ساتھ تھے۔ وہ بے طرح دہشت زدہ تھے۔ چنانچہ اثنائے سفر میں وہ ہمیشہ ڈرتے ہی رہتے تھے۔ اس لئے جونہی دن چڑھا۔ ہم نے اپنے سوفرو دشکیزے اور کلاباش یعنی (تونبے) بھرے۔ اور تلکا کی طرف جو بانڈو کا پہلا شہر ہے روانہ ہوئے۔ جہاں ۱۳ دسمبر کو دوپہر کے وقت ہم جا پہنچے۔

تلکا میں جو بانڈو کا سرحدی قصبہ ہے۔ فولاہ مسلمان آباد ہیں۔ یہ لوگ بڑے مالدار ہیں کچھ تو اس وجہ سے کہ جو قافلے اس راستے سے گزرتے ہیں۔ انہیں رسد بہم پہنچاتے ہیں۔ اور کچھ ہاتھی دانت بیچتے ہیں۔ جو ہاتھیوں کا شکار کرکے انہیں میسر آتا ہے۔ کیونکہ اس کام میں اُن کے نوجوان بڑے مشتاق ہیں۔ اس جگہ بانڈو کے بادشاہ کی طرف سے ایک حاکم ہمیشہ رہتا ہے۔ اُس کا کام یہ ہے۔ کہ وہ

بادشاہ کو قافلے کی آمد کی بر وقت خبر دیتا ہے۔ اور اُن پر اُن بار دار گدھوں کی تعداد کے لحاظ سے جو تلکا میں آتے ہیں محصول لگایا جاتا ہے۔

میں اس افسر کے ہاں اُتر پڑا۔ اور اس کے ساتھ اس بات پر کہ وہ فتح کنڈہ تک میرے ساتھ چلے اتفاق کیا۔ اس جگہ بادشاہ رہا کرتا ہے۔ اس کے لئے میں نے پانچ سریاں دینی کیں۔ پیشتر روانہ ہونے کے میں نے ایک خط لکھا ایک سوداگر کو جو گیمبیا کی طرف جانے والا تھا ڈاکٹر لیڈلی کے لئے دیا۔ اس قافلہ میں نو یا دس آدمی تھے۔ اُن کے ساتھ پانچ ۵ گدھے تھے جن پر ہاتھی دانت لدا ہوا تھا۔ یہ دانت ثابت کے ثابت گدھوں پر لادے جاتے ہیں۔ ہر ایک طرف دو دو کر کے لادتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دانتوں کو چمڑے میں لپیٹ رسیوں سے مضبوط باندھ دیتے ہیں۔

۱۴ دسمبر۔ ہم تلکا سے روانہ ہوئے۔ اور قریب دو میل کے امن سے سفر کیا تھا۔ کہ میرے ہمراہیوں کے درمیان جن میں سے ایک لوہار تھا۔ جھگڑا شروع ہوا۔ اور آپس میں خوب گالی گلوچ ہوئے یہ بات قابل ذکر کرنے کے ہے کہ حبشی اپنے تصور کو تو خواہ اُنہیں کوئی مار کیوں نہ دے۔ معاف کر دیتے ہیں۔ مگر اپنی ماں کو گالیاں نہیں دینے دیتے۔ غلاموں تک یہ بات عام ہے کہ مجھے مارلو۔ لیکن میری ماں کو گالی مت دو۔ اس لئے اس قسم کی گالی سے ایک شخص ایسا برافروختہ ہوا۔ کہ اُس نے لوہار کو اپنے چھرے سے زخمی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور یقیناً وہ اس جھگڑے کو بہت سنجیدگی کے ساتھ ختم کر دیتا۔ اگر دوسرے شخص اُسے پکڑ کر اس کے ہاتھ سے چھرا نہ چھین لیتے۔ میں بھی دخل دینے کے لئے مجبور رہا۔ اور لوہار سے میں نے کہا۔ کہ چپ ہو جائے۔ اور دوسرے کو جو میرے خیال میں غلطی پر تھا۔ کہا۔ کہ اگر تو پھر چھرا کھینچیگا۔ یا میرے ساتھیوں میں سے کسی کو تکلیف دے گا۔ تو میں تجھے راہزن سمجھونگا۔ اور بندوق مار کر تیرا کام تمام کر دونگا۔ اس دہمکی سے کام نکل آیا۔ اور ہم سہ پہر تک برابر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم چند ایک ان گاؤں کے قریب جو میدان میں قریب قریب واقع ہیں۔ اور بڑے کشادہ اور زرخیز ہیں پہنچے اور اُن گاؤں میں سے ایک میں جس کا نام گنا دُو تھا۔ ہم رات بسر کرنے کے لئے اُتر پڑے۔ اس جگہ سبزی دیکھکر اور عمدہ کھانا تیار کیے جانے کو

کی آپس میں صلح ہوگئی۔ اور پیشتر اس کے کہ کسی کو سونے کا خیال آوے۔ رات بہت گزر گئی۔ ایک شخص اُن میں سے ہمیں بہت خوش کرتا رہا۔ اُس نے کئی تو دلچسپ داستانیں بیان کیں۔ اور کبھی سارنگی بجا کر اور عمدہ راگ گا کر ہمیں بہت خوش کیا۔

۵ دسمبر علی الصباح میرے ہمراہیوں یعنے سراولیوں نے مجھ سے رخصت لی۔ اور میری سلامتی کے لئے بہت دعائیں مانگ کر روانہ ہوئے گُگنا ڈو سے ایک میل کے فاصلے پر ہم ایک بڑے نالے سے جو دریائے گیمبیا کی شاخ ہے گزرے اس کے کنارے ڈھلوان تھے۔ اور اُن پر بہت جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ میں نے کیچڑ میں ایک قسم کے بہت سے جانور بھی دیکھے۔ لیکن وہاں کے باشندے انہیں کھاتے ہیں دوپہر کے وقت آفتاب کی تمازت حد درجے کو پہنچ گئی جس کے سبب سے دو گھنٹے تک ایک درخت کے سائے میں ہم نے آرام کیا۔ اور فولاہ کے گلہ چرانے والوں سے کچھ دودھ اور کوٹا ہوا اناج خریدا۔ اور شام کے قریب ایک گاؤں میں جس کا نام کور کرانی ہے پہنچے۔ اُس جگہ ہمارے ہمراہی لوہار کے رشتے دار تھے۔ اس لئے یہاں دو دن تک خوب آرام کیا۔

کور کرانی مسلمانوں کا گاؤں ہے اس کے چاروں طرف اونچی دیوار ہے۔ اور اس میں ایک مسجد بھی ہے اس جگہ میں نے عربی کی چند ایک ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھیں۔ خاص کر ایک کتاب جس کی نسبت میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ جسے الشرع کہتے ہیں۔ اس مولوی نے جس کی یہ کتاب تھی۔ اُس میں سے بہت سے مسئلے پڑھ کر منڈنگو کی بولی میں مجھے سمجھائے۔ اس پر میں نے اُسے رچرڈسن کی عربی گرامر دکھلائی جس کی اُس نے بہت تعریف کی

دوسرے دن کی شام یعنے ۷ دسمبر کو ہم کور کرانی سے روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ اس جگہ ایک نوجوان جو فتح کنڈے کو نمک لانے کے لئے چلا تھا۔ روانہ ہوا رات کے وقت ڈوگی میں جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اور کور کرانی سے تین میل کے فاصلے پر ہے پہنچے۔

اس جگہ غلہ اس قدر سستا تھا کہ میں نے تھوڑے سے کہربا دے کر ایک

بیل خریدا کیونکہ میں نے معلوم کیا کہ میرے ساتھی اچھے برے کھانے کے مطابق کمتی بڑھتی ہوتے تھے۔

۱۸ دسمبر۔ علے الصباح ہم ڈوگی سے روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ چند فولاہ اور اور اشخاص بھی ہوئے۔ چنانچہ ہمارا جتھا بہت بڑا ہو گیا۔ اور ہمیں راہزنوں سے لٹنے کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ گیارہ بجے کے قریب ایک گدھا بہت سرکشی کرنے لگا جسے درست کرنے کے لئے حبشیوں نے ایک عجیب طریق استعمال کیا۔ انہوں نے ایک دو شاخی لکڑی کاٹی۔ اور اس کے منہ میں ڈال کر سر کے ساتھ اسے باندھ دیا۔ اور باقی کی لکڑی زمین کیساتھ گھسٹتے جانیکے لئے۔ اس لئے کہ گدھے کا سر زمین کی طرف نہ جھکے۔ چھوڑ دی۔ اس کے بعد گدھا نہایت آرام کے ساتھ اپنے سر کو پھرنے سے بچنے کے لئے اونچا رکھکر روانہ ہوا۔ کیونکہ اس سے اسے معلوم ہوا۔ کہ اگر وہ اپنا سر نیچے کریگا۔ تو اس کے دانتوں کو بہت صدمہ پہنچیگا۔ اس ترکیب سے عجب ہنسی آتی تھی۔ میرے ساتھیوں نے کہا۔ کہ سلاتیوں کا یہ دائمی طریق ہے۔ اور ہمیشہ اس سے کام نکل آتا ہے۔

شام کے وقت ہم چند ایک پراگندہ گانوں کے پاس پہنچے۔ ان کے چاروں طرف زراعت کثرت سے ہو رہی تھی۔ ان گاؤں میں سے ایک میں جس کا نام بجل تہا۔ ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں ہم نے رات بسر کی۔ سوائے نال کے اور نیچے بچھانے کو کچھ نہ تھا۔ اور سوائے اُن کھانے کی چیزوں کے جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور کچھ نہیں ملا تھا۔ اس جگہ کوئیں بڑی عقلمندی سے کھودے جاتے ہیں اور بہت گہرے ہوتے ہیں۔ میں نے ایک ڈول کی رسّی کو ناپا۔ تو اٹھائیس ہاتھ سے زیادہ لمبی تھی۔

۱۹ دسمبر۔ ہم بجل سے روانہ ہوئے۔ اور ایک خشک پتھریلے بلند سطح پر جس پر بہت جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ دوپہر تک سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد ڈھلوان زمین آئی۔ اور ہم مشرق کی جانب ایک وادی میں اُترے جس میں میں نے بہت سے عجیب وغریب سفید پتھر پڑے ہوئے دیکھے مشرق کی طرف روانہ ہو کر ہم ایک بڑے گاؤں میں جہاں ہم نے رات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا تہا۔ آئے

ہم نے بہت سے وبیبیوں کو فرانسیسی باریک کپڑوں میں ملبس دیکھا اسے وہ لوگ بکی کہتے تھے۔ یہ کپڑا بہت باریک تھا۔ اس میں سے اُن کا تمام بدن ظاہر ہوتا تھا۔ عورتیں اسے بہت پسند کرتی تھیں۔ مگر ان عورتوں کے اطوار اُن کے لباس کے مناسب حال نہ تھے۔ کیونکہ وہ حد درجے کی وحشی اور تکلیف دہ تھیں۔ کئی ایک میرے گرد آکر جمع ہوگئیں تھیں منکے وغیرہ مجھسے مانگتی تھیں۔ اور ایسی زبردستی سے کہ میں اُن کے ساتھ مقابلہ ناممکن خیال کرتا تھا۔ اُنہوں نے میرا لبادہ پھاڑ ڈالا۔ میرے کوٹ کے کئی بٹن اتار لیے۔ اور اور زبردست کارروائی کرنے لگی تھیں۔ کہ میں گھوڑے پر سوار ہوکر دور نکل گیا لیکن کئی ایک میرے ساتھ ساتھ بہت دور دور تک گئیں۔ جلد یا شام کے وقت ہم سویر وڈو کا میں پہنچے۔ اور چونکہ میرے ساتھی بہت تھے میں نے ایک بہیڑے اور رات کے کھانے کا اور سامان خرید لیا۔ اس کے بعد ہم اپنے بوجھوں کے پاس لیٹ گئے۔ اور رات بھر بڑی بے آرامی سے شبنم میں بسر کی۔

۱۹ دسمبر۔ سوبر وڈو کا سے ہم روانہ ہوئے۔ اور دو بجے کے وقت ایک بڑے دریا پر جس کا نام فلامی ہے۔ اور پہاڑ سے اُترتا اور بڑا تیز چلتا ہے پہنچے۔ یہاں کے باشندے اس جگہ مختلف طرزوں سے مچھلیاں پکڑنے میں مشغول تھے۔ بڑی بڑی مچھلیاں بیت کے بنے ہوئے بڑے لمبے ٹوکروں میں پکڑتے تھے۔ اس طرز سے کہ پتھروں کا دریا میں بند باندھ کر اور بعض جگہ ایسے کشادہ چھوڑتے تھے۔ کہ جس میں سے پانی بہت تیز جاتا تھا۔ ان میں سے بعض ٹوکرے بیس فٹ سے بھی زیادہ لمبے تھے۔ جب کوئی مچھلی اُن میں آجاتی تھی۔ تو دریا کا زور اُسے پیچھے جانے سے روک دیتا تھا۔ چھوٹی مچھلیاں ہاتھ کے جالوں سے بکثرت پکڑتے تھے۔ ان جالوں کو یہاں کے لوگ سوت سے بن لیتے ہیں۔ اور بڑی عمدگی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ چھوٹی مچھلیاں مختلف طور سے

تیار کی جاتی ہیں۔ اکثر اُنہیں دریا سے پکڑتے ہی بالکل کوٹ لیتے ہیں۔ اور
پھر دھوپ میں رکھ کر اُنہیں سکھا لیتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئیے۔ کہ
اُن کی بو بہت ناگوار نہیں ہوتی لیکن سینیگال کے شمال کی طرف مور
لوگوں کے ملک ہیں جہاں مچھلی کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ یہ سوکھی مچھلی
بڑے عیش و عشرت کے چیز خیال کی جاتی ہے۔ اور مہنگے داموں میں
بکتی ہے۔ اس کے پکانے کا یہ طریق ہے۔ کہ اُس میں سے قدرے لے کر کھولتے
ہوئے پانی میں ملا دیتے ہیں۔ اور پھر اُس میں اپنا کوکوس ڈال لیتے ہیں
یہ تماشا دیکھ کر میں گاؤں کی طرف لوٹ آیا۔ ایک پیر مرد مور مجھے سلام
دینے کے لئے تشریف لایا۔ اور چند ایک تعویذ لکھنے کے لئے مجھ سے کاغذ
مانگا۔ اُس شخص نے میجر ہاگٹن کو کرتا کے نواح میں دیکھا تھا۔ چنانچہ
اُس نے مجھے کہا۔ کہ وہ موروں کے ملک میں مر گیا۔ سہ پہر کو تین بجے کے
وقت ہم شمال کی طرف دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے
یہاں تک کہ آٹھ بجے کو ایک گاؤں بنام نیمو میں پہنچے۔ اس جگہ کے گاؤں
کے مالک نے ہماری بہت خاطر داری کی۔ اور ہمیں ایک بیل نذر دیا
اس کے عوض میں میں نے اُسے چند ایک منکے دئے

۲۱ دسمبر۔ صبح کے وقت میں اپنا اسباب پار لے جانے کے لئے
کشتی کا بندوبست کر کے دریا سے گھوڑے پر سوار ہو کر دریا نیمالیکہ
پانی میرے گھٹنے تک آتا تھا۔ گزرا۔ اس کا پانی اس قدر صاف تھا۔ کہ کنارے
سے اُس کی تہہ جوں کی توں معلوم ہوتی تھی۔ دوپہر کے وقت ہم فتح کندہ
میں جو بانڈو کا دار الخلافہ ہے پہنچے۔ اُترتے ہی ایک معزز سلاتی نے مدعو
کیا۔ کیونکہ افریقہ میں سرائے نہ ہونے کے سبب سے اجنبیوں کا دستور ہے
کہ وہ بِنتانگ میں ٹھہرا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس عرصے میں کوئی نہ کوئی آدمی
قصبے کا انہیں اپنے ہاں رہنے کے لئے بلا لیتا ہے۔ ہم نے اُن کی دعوت
کو منظور کر لیا۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک شخص آ کر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ بادشاہ
نے قصداً مجھے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ میں تمہیں اُن کے پاس لے چلوں۔ اگر تم

جہکے نہیں ہوا۔ اور تمہیں اس وقت راستہ چلنا ناگوار نہ ہو۔ تو وہ تم سے ملاقات
کرنے کا آرزومند ہے۔

میں اپنے ترجمان کو اپنے ساتھ لے کر قاصد کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں
تک کہ ہم سب گاؤں سے باہر نکل آئے۔ اور بعض کھیت بھی گزر گئے۔ اب
میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ اس نے ہمارے ساتھ داؤں
کھیلا ہو۔ یہ سوچ کر میں ناگہاں ٹھہر گیا۔ اور اُس سے پوچھا کہ تم ہم کو
کہاں لے جا رہے ہو۔ اُس پر اُس نے ایک شخص کی طرف جو درخت کے
نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اشارہ کیا۔ اور مجھ سے کہا۔ کہ یہاں کا بادشاہ تنہائی
میں اجنبیوں سے ملاقات کیا کرتا ہے۔ تاکہ اور لوگوں کی بھیڑ نہ لگ جائے
اور سوائے میرے اور میرے ترجمان کے کسی کو اُس کے پاس جانے
کی اجازت نہیں ہے۔ جب میں آگے بڑھا۔ تو بادشاہ نے اپنے پاس
چٹائی پر بیٹھنے کے لئے مجھے اشارہ کیا۔ اور میری داستان کو سنا۔
مگر اس پر کوئی ایمارک نہ کر کے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ آیا تم غلام یا سونے
کے خریدار ہو۔ جب میں نے اُسے نفی میں جواب دیا۔ تو وہ متحیر سا رہ گیا
لیکن مجھے شام کے وقت اپنے پاس آنے اور کچھ رسد دینے کے لئے
وعدہ کیا۔

اس بادشاہ کا نام ٹامی ہے جو مشہور نام ہے۔ گو جیسا کہ میں نے کہا
تھا کہ یہ شخص مسلمان نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھکو یہ بھی معلوم
تھا۔ کہ اُس نے میجر ہالٹن کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی تھی۔ اور اُسے
لٹوا دیا تھا۔ اس لئے اس وقت گو وہ مجھ سے بہت اخلاق کے ساتھ
پیش آیا تھا۔ مگر اُس پر بھی اُس کی جانب سے میرے دل میں بہت
خدشہ تھا۔ ابھی تک میرے دل میں دھوکا کھانے کا خیال پیدا ہوتا تھا
اور چونکہ میں اب بالکل اُس کے بس میں تھا۔ اس لئے میں نے تحفے دے
کر اپنے راستے کو صاف کرنا چاہا۔ اس لئے شام کے وقت میں اپنے
ساتھ ایک صندوق بارود کا۔ کچھ کہربا۔ تمباکو اور اپنا چھاتا لے گیا۔

اور چونکہ میں نے خیال کیا کہ میرے مال کی خواہ مخواہ تلاشی لی جائیگی۔ اس لئے
میں نے چند ایک چیزیں اُس کوٹھڑی میں جہاں میں نے رات بسر کی تھی۔ چھپا دیں۔
اور میں نے اپنا نیا نیلگون کوٹ پہن لیا۔ جس قدر گھر بادشاہ اور اُس کے
خاندان سے متعلق تھے۔ سب مٹی کی دیواروں سے گھرے ہوئے تھے۔ اس سے وہ تمام
قصبہ ایک قلعہ کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ اندرونی حصہ کئی ایک گھروں میں منقسم
ہو رہا تھا۔ دروازے میں سے داخل ہوتے ہی میں نے ایک شخص کو کندھے
پر بندوق رکھے ہوئے کھڑا دیکھا۔ اُس کے حضور میں حاضر ہونے کا راستہ
بہت پیچ در پیچ تھا۔ بہت دروازوں میں سے ہو کر گذرنا پڑتا تھا۔ اور ہر
ایک دروازے پر پہرہ متعین تھا۔ جب ہم اُس جگہ کے قریب پہنچے۔ جہاں
بادشاہ رہتا تھا۔ تو میں نے اور میرے بدرقے نے وہاں کے دستور کے
موافق اپنی جوتیاں اُتار لیں۔ بدرقے نے بادشاہ کو زور سے آواز دے
کر پکارا۔ اور یہاں تک پکارتا رہا۔ کہ اندر سے بھی جواب میں آواز آئی۔ ہم نے
بادشاہ کو ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اُس کے پاس اُس وقت دو
خدمت گار تھے۔ میں نے اپنے سفر کا مدعا بار دگر اُس کے پاس بیان کیا۔ اور
اُس کے ملک میں سے گزرنے کی وجوہات بھی بیان کیں۔ مگر وہ میرے بیان
سے نہ تو کچھ مطمئن اور نہ کچھ غیر مطمئن معلوم ہوا۔ جب میں نے اُسے اپنے
ہنگلین کی چیزیں اور دیگر ہر ایک وہ چیز جو میرے پاس تھی دکھلانے کے
لئے کہا۔ تو اُسے قدر تسلی ہوئی۔ اس بات سے ظاہر ہے۔ کہ اُسے ضرور
یہ خیال تھا۔ کہ جو سفید پوش آدمی یہاں آتا ہے۔ وہ سوداگر ہوتا ہے۔
جب میں نے وہ تحفے اُس کے سامنے پیش کئے۔ تو وہ بہت خوش ہوا۔ خاص
کر چھاتی کو اُس نے بہت پسند کیا۔ جسے اُس نے بار بار کھولا اور بند کیا
اور پھر مع اپنے ساتھیوں کے اُس نے میری بہت تعریف کی۔ کچھ عرصے تک
اُس کے خدمت گار اس عجیب چیز کے فائدے کو نہ سمجھ سکے۔ اس کے بعد
میں اُس سے اجازت مانگنے کو ہی تھا۔ کہ اُس نے مجھے دیر تک ٹھہرنے کے
لئے کہا۔ اور یورپین لوگوں کی دولتمندی اور نیک مزاجی کی ازبس

تعریف کرنے لگا۔ اس کے بعد اُس نے میرے نیلگون کوٹ کو جسے میں اُس وقت پہنے ہوئے تھا۔ تعریف شروع کی۔ خاص کر زرد رنگ کے بٹنوں کی طرف اُس کی طبیعت بہت متوجہ ہوئی۔ چنانچہ اُس نے مجھ سے تحفے کے طور پر وہ مانگ لیا۔ اور اُس کو لے کر مجھے تسلی دی۔ اور کہا کہ میں ہمیشہ بڑے بڑے موقعوں پر اسے پہن کر تمہاری فیاضی کا ذکر کیا کروں گا۔ افریقہ کے بادشاہ کی درخواست اُن کے ملک میں خاص کر جب اجنبی سے کی جاوے حکم کے برابر شمار کی جاتی ہے۔ یہ صرف آرام سے اُس چیز کو جسے وہ جبر اً لے سکتا ہے لینے کا طریق ہے۔ چونکہ اُسے دینے سے انکار کرنا مجھے اپنے مطلب میں ناکامیاب رہنا تھا۔ اسی لئے میں نے چپ چاپ وہ کوٹ اُتار کر اُس کے پاؤں پر رکھ دیا۔

اس کے عوض میں اُس نے بہت سی رسد مجھے عنایت کی۔ اور پھر صبح کے وقت ملنے کے لئے مجھ سے وعدہ کیا۔ بموجب اُس کی درخواست کے میں صبح کے وقت اُس کے پاس گیا۔ اور اُسے بستر پر بیٹھے پایا۔ مگر کسی قدر بیمار تھا۔ اس لئے اُس نے مجھ سے فصد کرنے کے لئے کہا۔ لیکن جونہی میں نے اُس کا بازو باندھ کر نشتر نکالا۔ اُس کے اوسان خطا ہوگئے۔ اور مجھ سے کہا کہ شام کے وقت خون نکلواؤں گا۔ اس وقت مجھ کو کسی قدر افاقہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اس لئے کہ میں نے اس کام کے لئے فوراً مستعدی ظاہر کی تھی۔ میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد اُس نے کہا کہ میری بیویاں تمہیں دیکھنے کی از بس مشتاق ہیں۔ اور مجھ سے اُن کے پاس چلنے کی درخواست کی۔ ایک خدمت گار کو مجھے وہاں لے چلنے کا حکم دیا۔ جب میں اُس جگہ میں جہاں کہ وہ عورتیں رہا کرتی تھیں۔ داخل ہوا۔ تو فوراً وہ سب کی سب آکر میرے گرد جمع ہوگئیں۔ کوئی دوا مانگتی تھی۔ کوئی کہربا چاہتی تھی۔ اور کئی ایک فصد جو افریقہ میں بڑا بھاری علاج خیال کیا جاتا ہے کرانا چاہتی تھیں۔ تعداد میں وہ دس یا بارہ تھیں۔ اُن میں اکثر نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ اور اپنے سروں پر سونے کے

زیورات اور منکے بہت سے پہنے ہوئے تھیں۔
مختلف باتوں پر انہوں نے میری خوب کھلی مچائی۔ خاص کر میرے چمڑے کی سفیدی اور ناک کے ابھرا ہوا ہونے پر تو وہ لوٹ لوٹ گئیں اور اس بات پر آپس میں بحث کرتی تھیں کہ یہ دونو مصنوعی چیزیں ہیں۔ چمڑے کی رنگت تو بچپن میں دودھ میں نہلانے سے پیدا کی گئی ہے اور ناک دبا دبا کر ایسی ابھری ہوئی بنائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موجودہ صورت ناگوار اور مصنوعی معلوم ہونے لگی ہے میں نے بلا کسی حجت کر لینے افریقہ کی خوبصورتی کی بہت تعریف کی میں نے انکے بدن کی گھونگریالے بالوں اور ناک کی تعریف کی لیکن انہوں نے مجھے اس تعریف پہ خوشامدی بتلایا شیریں زبانی ظاہر میں قابل تعریف نہیں خیال کیجاتی اس ملاقات کے صلہ میں انہوں نے مجھے شہد کا ایک مرتبان اور کچھ مچھلی دی۔ اور ان چیزوں کو انہوں نے غلاموں کے ہاتھ میرے ہاں بھجوا دیا۔ پھر بادشاہ نے شام سے ذرا پہلے ملنے کی آرزو کی۔
میں اپنے ساتھ کچھ منکے اور لکھنے کا کاغذ لے گیا۔ کیونکہ اس جگہ یہ معمول ہے کہ رخصت ہونے سے پیشتر بادشاہ کو کچھ نہ کچھ نذرانہ دیا جاتا ہے۔ اس کے عوض بادشاہ نے مجھے پانچ سونے کی دیناریں دیں۔ اور ساتھ ہی اس کے معذرت کی۔ کہ یہ ناچیز تحفہ ہے۔ اور خالص دوستی کی وجہ سے دیا گیا ہے لیکن دوران سفر میں رسد خریدنے کے کام آئیگا۔
اس نے اس سے بھی بڑھکر ایک اور بہت بڑی عنایت کی۔ اور وہ یہ کہ اس نے مجھسے کہا جب کوئی مسافر ہمارے ملک میں آتا ہے۔ تو ہم اس کے اسباب کی تلاشی لیا کرتے ہیں لیکن تجھکو اس بات سے مستثنےٰ کر دیا گیا تمہیں اختیار ہے۔ کہ جہاں چاہو اور جب چاہو روانہ ہو جاؤ بموجب اس کے ۲۳ دسمبر کی صبح کو ہم فتح کندہ سے روانہ ہوئے اور گیارہ بجے کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں ہم نے باقی کا دن مقام کرنے کا ارادہ کیا تھا پہنچے۔
سہ پہر کے وقت میرے ہمسفروں نے مجھسے کہا کہ چونکہ یہ جگہ باندو اور کسی گاؤں کی سرحد ہے۔ اور مسافروں کے لئے بہت خطرناک ہے۔ اس لئے رات کو سفر کرنا مناسب ہوگا۔ تاکہ ہم کسی اور زیادہ امن جگہ پہنچ جائیں۔ میں نے

اُن کی اس بات سے اتفاق کیا اور اُن جنگلوں میں چلنے کے لئے جدید دو شخص ملازم رکھے اور جونہی گاؤں کے لوگ سونے کے لئے چلے گئے۔ ہم چاند کی چاندنی میں روانہ ہو پڑے۔ ہوا کی خاموشی جنگلی جانوروں کا چیخیں مارنا۔ اور جنگل کے سنسانی سے ایک عجیب مہیب اور خوفناک نظارہ بنا ہوا تھا۔ ہم میں سے جس کسی کو بات کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو کان میں بات کرتا تھا۔ سب کے سب ہمہ تن گوش ہو رہے تھے۔ اور جب بھیڑئے یا چیتے نظر آتے۔ تو مجھے میرے ہمراہی اشارے سے دکھلا دیتے تھے صبح کے قریب ہم ایک گاؤں میں جس کا نام کیمو تھا پہنچے جہاں ہمارے بدرقوں نے اپنے رشتے دار کو بیدار کیا۔ اور ہم گدہوں کو کچھہ دانہ دینے اور چند ایک گٹھلیاں اپنے لئے کوٹنے کے لئے ٹھہر گئے۔ دن چڑھے ہم نے پھر سفر شروع کیا۔ اور شام کے وقت جو اگ میں جو کہ آگا کا گاؤں ہے پہنچے۔

چونکہ اب ہم ایسے ملک میں سفر کر رہے تھے۔ جو کئی باتوں میں اُس ملک کے باشندوں سے جس میں ہم نے پہلے سفر کیا تہا۔ مختلف تھے پیشتر اس کے کہ میں کچھہ اور بیان کروں۔ بانڈو کا اور اس کے باشندوں۔ فولاہ کا حال تحریر کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے عمداً اُن کے حال کو اس موقع کے لئے نہیں بیان کیا تہا۔

بانڈو کے مشرق کی طرف بمباک ہے۔ جنوب مشرق اور جنوب کو ٹینٹا اور سنسانی کا جنگل ہے۔ جنوب مغرب کی طرف وولی ہے مغرب کی طرف فوتہ تورا ہے اور شمال کی طرف کجی آگا ہے۔

یہ ملک بھی وولی کی طرح جنگل سے ڈہکا ہوا ہے۔ لیکن اس کی زمین بہت بلند ہے اور جدہر دریا فلامے بہتا ہے۔ اُدہر بہت اونچی پہاڑیاں ہیں میرے خیال میں زرخیزی کے لحاظ سے بھی یہ ملک افریقہ کے اور ملکوں سے بڑھکر نہیں ہے۔

بانڈو کے مرکزی قیام سے دریائے گیمبیا و سینیگال کے درمیان یہ بڑی آمد و رفت کی جگہہ ہو گئی ہے کیونکہ بسلاتی اکثر ساحل سمندر کی طرف جاتے ہوئے اُدہر سے گزرتے ہیں۔ اور بعض اشخاص نمک خریدنے کے لئے اندرونی حصوں سے یہاں آتے ہیں۔

یہ مختلف شاخیں تجارت کی خاص کر منڈنگو اور سراولی انجام دیتے ہیں جو اس ملک میں کچھ عرصے سے آبسے ہیں۔ ایسے ہی یہ سوداگر گدومہ اور دیگر ممالک سے بڑی تجارت کرتے ہیں۔ اناج اور نیلگون کپاس کو نمک کے بدلے ادل بدل کر لیتے ہیں۔ اسے (نمک کو) وہ پھر دنیلا اور دیگر علاقوں سے لوہے ۔ مکھن اور سونے کے ذرات سے بدل لیتے ہیں۔ ایسے ہی وہ کئی ایک قسم کے خوشبودار گوند بیچتے ہیں۔ جو چھوٹے چھوٹے تھیلوں میں ایک پونڈ درنی ڈال کر باندھ چھوڑتے ہیں۔ جب اس گوند کو جلتے کوئیلوں پر ڈالا جاتا ہے۔ تو اس سے عجب خوشگوار خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ منڈنگو اس خوشبو سے اپنی دکانوں اور کپڑوں کو معطر کرتے ہیں۔

مسافروں سے بہت بھاری محصول وصول کیا جاتا ہے۔ تقریباً ہر ایک شہر میں فی گدہا ایک سری ولایتی ادا کی جاتی ہے فیتح کنڈہ میں جہاں بادشاہ رہتا ہے۔ ایک بندوق اور چھ بارود کی کپیاں دینی پڑتی ہیں۔ ان محصولات کے سبب سے بانڈو کے بادشاہ کے پاس بہت سے ہتھیار جمع ہو گئے ہیں جس سے وہ آس پاس کے بادشاہوں سے بہت زبردست ہو گیا ہے۔

یہاں کے باشندے منڈنگو اور سراولیوں سے رنگت اور اطوار میں بہت اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی ہمیشہ لڑائی بھی چھڑی رہتی ہے۔ چند سال کا عرصہ گزرا ہے۔ کہ بانڈو کے بادشاہ نے بہت سی فوج لے کر دریائے فلامی سے عبور کر کے مختصر او خونریز لڑائی کے بعد ساہبو کے بادشاہ کو شکست دی تھی۔ جو آخر مجبور ہو کر صلح کرنے کو امادہ ہوا۔ اور فلامی کے مشرقی کنارے پر جس قدر قصبات تھے۔ اسے دے دئے۔

فولاہ عام طور پر جیسا کہ باب ماسبق میں لکھا گیا ہے۔ گندم گوں رنگت کے ہیں۔ ان کے خط وخال چھوٹے چھوٹے اور بال ریشم کی طرح ہیں۔ منڈنگو سے دوسرے درجے پر وہ حقیقتاً افریقہ کے اس نواح کی تمام قوموں سے بہت زبردست ہیں۔ کہتے ہیں کہ اُن کا اصلی ملک فولادو ہے۔ کہ جس کے معنے فولاہ کا ملک ہے لیکن حال میں اُن کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی ہے۔ مگر اُن کی رنگت ہر ایک جگہ یکساں نہیں ہے۔ بانڈو اور دوسرے علاقوں میں بہ نسبت جنوبی علاقوں کے رہنے والے

زیادہ زرد رنگت کے ہیں۔

بانڈو کے فولاہ قدرتاً حلیم المزاج اور بردبار ہیں۔ وہ ظاہراً تمام حبشیوں کو اپنے سے ادنے سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ اور قوموں کی نسبت ذکر کرتے ہیں۔ تو اپنے تئیں سفید لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ اُن کی سلطنت منڈنگو کی سلطنت سے خصوصاً اس بات میں مختلف ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ سوائے بادشاہ کے تمام بڑے بڑے آدمی اور اکثر حصہ عوام الناس کا مسلمان ہے۔ اس لئے ہر کہیں جو کچھ شریعت (عزاے) میں وارد ہے۔ اُسے مقدس اور قطعی فیصلہ کن سمجھا جاتا ہے۔ مگر اپنے مذہب کے لحاظ سے وہ اپنے اُن ہم وطنوں کے ساتھ بری طرح پیش نہیں آتے۔ جو ابھی تک اپنے پرانے خیالات پر قائم ہیں۔ مذہبی ایذارسانی اُن میں نام کو بھی نہیں۔ کیونکہ مذہب اسلام کے مسائل خود بہت موثر ہیں۔ مختلف قصبات میں بہت چھوٹے چھوٹے مکتب خانے قائم ہیں۔ جہاں بہت مسلمان اور بت پرست لڑکے قرآن (شریف) کی تعلیم پاتے ہیں۔ اور شرع کے مسائل سیکھتے ہیں۔ مولوی مسائل میں اُنہیں یہاں تک پختہ کر دیتے ہیں۔ کہ پھر کوئی بات اُنہیں اپنی عقیدہ سے ڈگمگا نہیں سکتی تھی۔ ان مکتبوں میں اکثر میں سفر کے دوران میں گیا۔ لڑکوں کی فرمانبرداری اور ہر دلعزیزی کو دیکھکر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ مجھے بڑی آرزو ہوئی۔ کہ ان کے معلم اچھے ہوتے۔ تو کیا عمدہ بات ہوتی۔

مذہب اسلام کے ساتھ عربی زبان بھی سکھلائی جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر فولاہ کے باشندے اس زبان کی کم و بیش واقفیت رکھتے ہیں۔ اُن کی دیسی زبان بہت سلیس ہے۔ لیکن اُن کا تلفظ بہت سخت اور دلخراش ہے۔ اجنبی کو دو فولاہ کی گفتگو سنتے ہوئے خیال ہوتا ہے۔ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کر رہے ہیں اُن کے اسماے اعداد کا تلفظ یہ ہے۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک	گو
دو	دیدی
تین	تیتی
چار	نی

پانچ	پوس
چھ	جیگو
سات	جاریدی
آٹھ	جے تیتی
نو	جے نی
دس	سیپو

فولاہ زراعت میں بہت محنت کرتے ہیں۔ اور گیمبیا کے کنارے پر یہی لوگ بہت غلہ بوتے ہیں۔ اُن کے گلّے اور ریوڑ منڈنگو کے گلّوں اور ریوڑوں سے بہت عمدہ اور اچھی حالت میں ہیں لیکن بانڈوں کے فولاہ بہت دولتمند ہیں۔ اور زندگی کی تمام ضروریات اُن کے پاس بکثرت ہیں۔ وہ اپنی مویشیوں کا بڑا عمدہ بندوبست کرتے ہیں۔ اُن پر مہربانی اور عمدہ سلوک سے بالکل حلیم اور مطیع بنا لیتے ہیں۔ جب رات پڑتی ہے۔ تو انہیں جنگلوں میں اکٹھا کر لیتے ہیں۔ اور احاطوں میں جنہیں اُن کی بولی میں کوری کہتے ہیں۔ جو مختلف گاؤں کے نواح میں بنے ہوتے ہیں۔ بند کر دیتے ہیں۔ ہر ایک کوری کے وسط میں ایک کوٹھڑی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ جہاں ایک یا دو گلّے بان رہتے ہیں۔ کہ مویشی کوئی چرا نہ لے جائے۔ اور کوری کے ارد گرد جنگلی جانوروں کے ڈرانے کے لئے آگ بھی روشن کر لیتے ہیں۔

مواشی کو صبح اور شام کے وقت دوہتے ہیں۔ دودھ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ ایک گائے کے دودھ کی مقدار یورپ کی گائے کے دودھ کے برابر ہوتی ہے۔ فولاہ دودھ کو طعام کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور جب تک وہ بالکل ترش نہیں ہو جاتا تب تک نہیں پیتے۔ ملائی بہت سخت اور دلدار ہوتی ہے۔ اور بڑے برتن میں ہلا ہلا کر اُس کا مکھن بناتے ہیں۔ یہ مکھن جب نرم آگ پر پگھلا لیا جاتا ہے۔ اور اُس میں سے میل دور کر دی جاتی ہے۔ تو مٹی کے برتنوں میں اُسے رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور اکثر کھانوں میں اُسے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے اپنے سر بھی چکنے کرتے ہیں۔ اور اپنے چہروں اور بازوؤں پر بھی خوب ملتے ہیں۔

لیکن باوجودیکہ دودھ یہاں بہت کثرت سے ہوتا ہے لیکن فولاہ اور قریباً

افریقہ کے اس نواح کے تمام باشندے پنیر بنانا نہیں جانتے۔ ہر ایک نئی بات کو وہ توہم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ملک کی حرارت اور نمک کی کمیابی پر لاجواب اعتراض پیش کئے جاتے ہیں۔ اور تمام کام انہیں بہت طویل اور تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے علاوہ مواشی کے جو فولاہ کی خاص دولت ہے وہ انکے پاس عمدہ عمدہ گھوڑے بھی ہیں۔ اُن کی نسل عربی اور افریقہ کی مخلوط نسلوں سے ہے۔

پانچواں باب

کجا آگا سے کاسون تک

کجا آگا کی سلطنت کو جس میں میں اب وارد ہوا تھا۔ فرانسیسی گالم کہتے ہیں لیکن وہ نام جو میں نے اختیار کیا ہے۔ اُسے اکثر دیسی اسی نام سے بولتے ہیں۔ اس ملک کے جنوب مشرق اور جنوب کی طرف بمبوک ہے مغرب کی طرف باندو اور فوتا تیرہ ہے اور شمال کی طرف دریائے سینیگال بہتا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہ نسبت ساحل کی آب و ہوا کے میرے خیال میں زیادہ مصفا ہے۔ اس جگہ ہر کہیں پہاڑوں اور جنگلوں میں خوشنما سبزہ زار نظر آتا ہے۔ دریا سے سینیگال بھی خوب پیچ کھاتا ہوا بہتا ہے۔ اس کے سبب سے تمام نظارہ نہایت دلفریب اور فرحت بخش بن رہا ہے۔ یہاں کے باشندے سراولی کہلاتے ہیں۔ ان کی رنگت بالکل کالی ہے۔ بلحاظ رنگت کے اُن میں اور جالوفوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس جگہ بادشاہ حکمران ہے۔ بادشاہی اختیار کا کوئی مزاحم نہیں۔ اور باشندے بھی ظلم و ستم کی کوئی شکایت نہیں کرتے۔ کاسون کے بادشاہ کے ساتھ لڑائی کے وقت یہ لوگ اپنے بادشاہ کی اعانت میں ہمہ تن مصروف معلوم ہوتے تھے سراولی عادتاً سوداگر قوم ہے۔ سابق میں اُن کی فرانسیسیوں کے ساتھ سونے اور غلاموں کی بڑی تجارت تھی۔ ابھی تک گیمبیا میں انگریزوں کے ساتھ اُن کے غلاموں کی تجارت جاری ہے۔ وہ لین دین کے بہت کھرے ہیں۔ لیکن

دولت کے حصول کے لیئے جان لڑا دیتے ہیں اور دور دور ملکوں میں نمک اور کپاس کو بیچ کر بہت فایدہ اٹھاتے ہیں جب سرا ولی سوداگر کما کر گھر آتا ہے تو اس کے ہمسائے اسے مبارکباد دینے کے لیئے فوراً جمع ہو جاتے ہیں۔ ان موقعوں پر وہ اپنے دوستوں کو چند ایک تحفے تحایف دے کر اپنی فیاضی کو ظاہر کرتا ہے لیکن اگر وہ کامیاب ہو کر نہیں آتا۔ تو اس کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ اور ہر ایک شخص اسے بیوقوف خیال کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اتنے لمبے سفر پر گیا۔ اور سوائے اپنے بالوں کے سر پر لے کر اور کچھ نہ لایا۔

اُن کی زبان میں خلقی الفاظ بہت ہیں۔ اور وہ اس قدر اچھی لگتی ہے جیسے کہ فولاہ کی زبان ہے۔ مگر اُن لوگوں کے لیئے جو اس ملک میں ہو کر سفر کرتے ہیں۔ اس کا جاننا ازبس ضروری ہے۔ کاسون۔ کرتا۔ اور للدلا کی سلطنت میں یہ زبان بہت بولی جاتی ہے۔ بمبارا کے شمالی حصص میں بھی یہی زبان بولتے ہیں۔ ان تمام ملکوں میں سرا ولی عام طور پر سوداگری کرتے ہیں ان کے اسمائے اعداد یہ ہیں۔ ایک بنی۔ دو فلو۔ تین سکو۔ چار نا تو۔ پانچ کراگو۔ چھہ تومو۔ سات نیرو۔ آٹھ سیگو۔ نو کیو۔ دس تمو۔

۲۴ دسمبر کو ہم جوگ میں جو اس سلطنت کا سرحدی قصبہ ہے۔ پہنچے۔ اور وہاں کے سردار کے ہاں جا کر رہائش کی۔ وہ سردار اس جگہ القاضی کے نام سے مشہور ہے۔ اور دومی کہلاتا ہے۔ وہ بڑا پکا مسلمان اور مہمان نواز تھا۔ اس گاؤں کو بہت بڑا قصبہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہاں دو ہزار کی آبادی تھی۔ اس کے چاروں طرف ایک دیوار ہے۔ جس میں کئی ایک سوراخ اس لیئے بنے ہوئے ہیں کہ اگر باہر سے کوئی حملہ آور ہو۔ تو ان سوراخوں میں سے بندوقیں سر کر سکیں۔ ہر ایک شخص کا گھر ایسی ہی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ غرضیکہ اس گاؤں کی ہیئت مجموعی ایک قلعہ کی سی معلوم ہوتی ہے۔ گو یہ لوگ توپوں کے استعمال سے ناواقف ہیں۔ مگر اُن کا گاؤں بہت محفوظ ہے۔ اس گاؤں کے مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا دریا

ہیں۔ جس کے کناروں پر یہاں کے لوگ تمباکو اور پیاز کثرت سے بوتے ہیں۔

اسی رات کو ہدہو جو لیبسانیا سے ہمارے ساتھ روانہ ہوا تھا اپنے والدین سے ملاقات کرنے کے لئے گیا۔ وہ پاس کے ایک گاؤں میں جس کا نام دامنت تھا رہتے تھے۔ میرا دوسرا ہمراہی یعنے لوہار بھی اُس کے ساتھ گیا۔ جونہی اندھیرا ہوا۔ تو وہاں کے لوگوں کے کھیل دیکھنے کے لئے مجھے مدعو کیا گیا۔ اُن کا دستور ہے۔ کہ جب اُن کے ملک میں کوئی مسافر آتا ہے۔ تو طرح طرح کے کھیلوں سے اُس کا دل بہلاتے ہیں۔ میں نے ایک بڑی جماعت کو چند لوگوں کے گرد جو ناچ رہے تھے۔ مجتمع دیکھا۔ روشنی ہو رہی تھی۔ چار ڈھول بڑی عمدگی اور تال سے بج رہے تھے۔ مگر ناچنے والے بجائے خوشنما حرکات کے اپنی مرضی سے بہ ہنگم ناچتے تھے۔ عورتیں اس قدر دل پسند اور عجیب حرکات کرتی تھیں۔ کہ دیکھ کر تعجب آتا تھا۔

۲۵ دسمبر۔ صبح کو دو بجے کے وقت چند ایک سوار گاؤں میں آئے اور میرے میزبان کو جگا کر سراولی زبان میں دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ بعد اس کے وہ بنتانگ میں جہاں میرا بستر لگا تھا۔ آئے۔ ان میں سے ایک نے یہ خیال کر کے کہ میں سو رہا ہوں۔ میری بندوق کو جو پاس پڑی ہوئی تھی۔ چرانا چاہا۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا باز رہا۔ اور سب کے سب صبح تک میرے پاس بیٹھے رہے۔ اس وقت میں اپنے ترجمان جانسن کے چہرے سے معلوم کرتا تھا۔ کہ کوئی بہت ناگوار بات ہونے والی ہے ایسے ہی ہدہو اور لوہار کو دیکھکر میں متعجب ہوا۔ جب میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو مدیبو نے مجھسے کہا۔ کہ جب میں ناچ ہو رہا تھا۔ تو بچیری کے دس سوار بادشاہ کے دوسرے بیٹے کے ساتھ یہاں آئے۔ اور پوچھنے لگے۔ کہ آیا سفید آدمی چلا گیا ہے۔ اور جب انہوں نے سنا۔ کہ میں جوگ میں ہوں۔ تو وہ سوار ہو کر سیدھے اس

طرف چلے آئے ہیں۔ مدیبو نے کہا۔ کہ یہ بات سن کر اُس نے اور لوہار نے مجھے خبر کرنے کی جلدی کی۔ جب میں یہ بات سن رہا تھا۔ وہ دسوں کے دس سوار جن کا مدیبو نے ذکر کیا تھا۔ آ گئے۔ اور نیتانگ میں پہنچ کر گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ اور اُن کے پاس جو پہلے وہاں آئے ہوئے تھے۔ بیٹھ گئے۔ اُن کی تعداد بیس تک پہنچ گئی۔ اور اُن سب نے میرے گرد حلقہ باندھ لیا۔ اور ہر ایک نے اپنے ہاتھ میں بندوق لے لی میں نے اپنے میزبان سے کہا۔ چونکہ میں سرادلی زبان نہیں جانتا ہوں۔ اس لئے اُمید کرتا ہوں۔ کہ جو کچھ یہ سوار کہنا چاہتے ہیں۔ منڈنگو کی زبان میں کہیں۔ اُنہوں نے میری یہ بات مان لی۔ اور ایک پستہ قد آدمی نے جو بہت سے تعویز پہنے ہوئے تھا بڑے رعب و داب سے گفتگو شروع کی اور مجھ سے کہا کہ کیوں تم بلا محصول ادا کئے بادشاہ کے ملک میں داخل ہوئے اور کیوں تم نے اُسے کوئی تحفہ نہیں دیا۔ اس لئے اس دستور کے موافق تمہارا سب مال و اسباب ضبط ہو گیا ہے اور ساتھ اس کے ہمیں بادشاہ نے حکم دیا ہے۔ کہ تمہیں ماناامیں جہاں بادشاہ خود رہتا ہے لے چلیں۔ اور اگر تم انکار کرو۔ تو ہمیں جبراً ہی لانے کا حکم ہے جب وہ یہ بات کہہ چکا تو سب کے سب اُٹھ بیٹھے۔ اور مجھ سے روانگی کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ ایسی جماعت کو ناراض کرنا گویا سخت درجے کی بیوقوفی تھا میں نے اُن کے احکام کی تعمیل کو منظور کیا۔ اور اُن سے التماس کی کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دیویں تاکہ میں اپنے گھوڑے کو دانہ چرا لوں۔ اور میزبان سے کچھ باتیں طے کر لوں بیچارہ لوہار جو کاسون کا باشندہ تھا۔ اس بہانہ تعمیل کو اصلی اور واقعی سمجھ بیٹھا۔ اور مجھے الگ لے جا کر کہنے لگا۔ کہ میں ہمیشہ تمہیں اپنے والدین کی بجائے سمجھتا رہا ہوں۔ اور اُمید رکھتا ہوں کہ ماناامیں جا کر بھی اُسے ہی تباہ نہ کرو گے۔ اور ساتھ اس کے یہ بھی کہا کہ چونکہ کاسون اور کیجاآگا میں لڑائی غالباً شروع ہونے والی ہے میں اپنا مال و متاع بھی جو چار سال کی کمائی ہے۔ ضائع کر دوں گا۔ بلکہ

فی الواقع گرفتار ہو کر بطور غلام کے بک جاؤنگا۔ اور جب تک میرے رشتے دار میرے بدلے دو غلام نہ دینگے۔ رہا نہ ہوسکونگا۔ میں نے اُس کی اس وجہ کو سمجھ لیا۔ اور اپنے دل میں ٹھان لیا۔ کہ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا۔ اس لوہار کو بچاؤنگا اس لئے میں نے بادشاہ کے بیٹے سے کہا۔ کہ میں چلنے کو تیار ہوں۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ یہ لوہار جو بہت دور کا رہنے والا ہے۔ اور میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں میرے واپس آنے تک جوگ میں رہنے دیا جائے۔ اس پر ان سب نے اعتراض کیا۔ اور کہا چونکہ یہ امر قانون کے برخلاف ہے اس لئے ہم سب اس کے جواب دہ نہیں۔

اب میں اپنے میزبان کو الگ لے گیا۔ اور قدرے بارود اُس کے آگے رکھکر اس نازک معاملے میں اُس کی صلاح طلب کی۔ اُس نے قطعی طور پر یہی رائے دی کہ تجھے بادشاہ کے پاس نہ جانا چاہئے مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ جب اُسے معلوم ہوگا کہ تمہارے پاس بیش قیمت چیزیں ہیں۔ تو وہ اُن کے لینے کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھیگا۔

شام کے وقت جب میں بنتا نگ میں بیٹھا ہوا تنکے چبا رہا تھا تو ایک بڑھیا عورت سر پر ٹوکرا رکھے ہوئے میرے پاس سے گذری۔ اور مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔ میں نے خیال کیا کہ وہ صرف ہنسی کرتی ہے اس لئے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن میرے لڑکے نے جو پاس ہی بیٹھا ہوا تھا میری خاطر جواب دیا۔ اور اُس سے کہا۔ کہ بادشاہ کے نوکروں نے میرا سب مال ضبط کر لیا ہے۔ یہ بات سن کر اُس نیک بڑھیا نے اپنے سر سے ٹوکرا اُتارا۔ اور میرے آگے پسی ہوئی گٹھلیاں رکھ کر کے کہا۔ کہ اگر تم نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ تو کھالو۔ اُس کے کہنے پر میں نے کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ تو اُس نے مجھے چند ایک مٹھیاں گٹھلیوں کی دیں۔ اور پیشتر اس کے کہ میں اُس کا شکریہ ادا کرتا چلی گئی۔ وہ بڑھیا ابھی میرے پاس سے اُٹھ کر گئی ہی تھی۔ کہ میں نے سنا۔ کہ ڈیما سیگو جالا کا سون کے منڈنگو بادشاہ کا بھتیجا میری ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ وہ پیہری شاہ کجا آگاہ کی طرف بطور سفیر کے اس لئے گیا تھا۔ کہ اُس کے

چچا میں اور شاہ کجی آگاہ میں جو تنازعات پیدا ہوئے تھے۔ اُنہیں سلجھائے۔ لیکن چار روز تک اس معاملے میں بے فائدہ گفتگو کر کے وہ اب واپس جارہا تھا۔ چونکہ اُس نے راستے میں سنا کہ جوگ میں سفید آدمی آیا ہوا ہے اس لئے بسبب راز جوئی کے وہ مجھے دیکھنے کے لئے چلا آیا میں نے اُس کے پاس اپنی حالت زار اور مصائب کا تذکرہ کیا جس پر اُس نے مجھے اپنی حفاظت میں لینے کا اقرار کیا۔ اور کہا۔ کہ میں کاسون میں تمہیں لے چلتا ہوں۔ اور تمہاری سلامتی کا ذمہ وار ہوں بشرطیکہ تم کل ہی روانہ ہو جاؤ۔ میں نے اُس کی بات کو فوراً خوشی سے منظور کر لیا۔ اور ستائیس ۲۷ نومبر کی صبح کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔

میرا محافظ جس کا نام ڈیمبا سیگو تھا۔ غالباً اپنے چچا کے بعد بہت لوگ رکھتا تھا۔ ہماری جماعت جوگ سے روانہ ہونے کے وقت تیس ۳۰ اشخاص اور چھ ۶ باربردار گدھوں کی تھی چند ساعت تک ہم بڑی خوشی سے سفر کرتے رہے اس عرصے میں کوئی قابل ذکر واقعہ وقوع پذیر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہم ایک قسم کے درخت کے پاس آئے جس کی نسبت میرے ترجمان جانسن نے بار بار تفحص کیا یہ بات معلوم کر کے اُس نے ہمیں ٹھہرنے کے لئے کہا۔ اور پھر ایک سفید چوزہ نکال کے جسے اُس نے قصداً جوگ میں خریدا تھا۔ اُس درخت کی ایک شاخ سے باندھ دیا۔ اور کہا۔ کہ اب چلے چلو۔ ہمارا سفر خیریت سے انجام ہوگا

دوپہر کے وقت ہم گنگادی میں پہنچے۔ اس گاؤں میں جو بہت بڑا ہے۔ ہم ایک گھنٹہ تک ٹھہرے۔ یہاں تک کہ ایک دو گدھے جو پیچھے رہ گئے تھے ہمیں آملے اس جگہ میں نے چند ایک کھجور کے درخت دیکھے ایک مسجد بھی اس جگہ بنی ہوئی تھی۔ اور اُس کے چھ میناروں پر چھ شتر مرغ کے انڈے رکھے ہوئے تھے۔ غروب آفتاب سے ذرا پیشتر ہم ایک گاؤں بنام سامی میں پہنچے۔ یہ گاؤں سینیگال کے کنارے پر ہے۔ جو یہاں بہتا ہوا بڑا خوبصورت اور خوشنما لگتا ہے۔ اس کے کنارے اُونچے ہیں۔ اور اُس پر سبزی اُگی ہوئی ہے

ملک کشادہ اور مزروعہ ہے اور فیلو اور بمبوک کے پہاڑیوں کے سبب نظارہ اور بھی دوبالا ہوگیا ہے۔

۲۰ دسمبر۔ ہم سامی سے روانہ ہوئے اور سہ پہر کو کیئی میں پہنچے یہ بڑا گاؤں ہے۔ آدھا دریا کے ایک طرف اور آدھا دوسری طرف آباد ہے۔ اس کے بعد ملاح ایک مضبوط گھوڑے کو پکڑ کر پانی میں لے گیا اور کشتی کو کنارے سے ذرا آگے گیا۔ اس پر عام حملہ اور گھوڑوں کے اوپر ہی ہوا۔ جو اپنے کو جکڑ بند پایا۔ ایک ساتھ دریا میں کود ے۔ اور اپنے اپنے ساتھی کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ ان کے پیچھے چند ایک لڑکے تیرنے لگے۔ اور جب گھوڑے پیچھے ہٹتے۔ تو ان پر پانی کی چھینٹیں مار کر انہیں آگے کرتے چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں ہم انہیں پار صحیح وسالم کھڑے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مگر گدھوں کو پار لے جانا بڑے وقت کا سامنا کرنا تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ پانی میں داخل ہوں اُن کی فطرتی ضدیت کو قابو کرنا پڑی بانہ تھی چنانچہ جب وہ پانی میں داخل ہو کر منجدھار میں پہنچے۔ تو اُن میں سے چار گدھے پیچھے کو مڑے۔ نہر چند انہیں پار لے جانے کی کوشش کی گئی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ان سب کو پار لے جانے کی کوشش میں دو گھنٹے بسر ہو گئے۔ ایک گھنٹہ اور اسباب کو پار لے جانے میں لگ گیا غروب آفتاب کا وقت ہو گیا تھا۔ کہ کشتی واپس آئی۔ اُسوقت ڈیمبا سیگو اور میں اس خطرناک کشتی میں سوار ہوئے۔ اس کا بڑا بھاری خطرہ یہ تھا۔ کہ یہ کشتیاں اکثر الٹ جایا کرتی تھیں بادشاہ کے بھتیجے نے میرے ایک ٹین کے صندوق کو اُس وقت دیکھنا مناسب سمجھا۔ اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اُسے لینے کی کوشش میں کشتی کو الٹا دیا۔ خوش قسمتی سے ابھی ہم دریا میں بہت آگے نہیں گئے تھے۔ کہ بلا زیادہ تکلیف اُٹھانے کے کشتی کنارے پر واپس آ گئی۔ یہاں سے کپڑوں کو نچوڑ کر از سر نو روانہ ہوئے اور پھر صحیح وسلامت دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

چھٹا باب

نگتی سیگو کا گھر

جونہی ہم کاسون میں پہنچے ڈیمبا سیگو نے کہا کہ اب ہم اپنے ملک میں آ گئے ہیں اور امید ظاہر کی۔ کہ چونکہ میں اُس کے ذریعہ سے اتنی دور تک صحیح و سلامت پہنچ گیا ہوں۔ اور اُسے کوئی عمدہ تحفہ دوں۔ مگر وہ اس بات کو جانتا تھا کہ جو کچھ میرے پاس تھا ضبط ہو چکا ہے اس لئے اُس کی درخواست محض بے معنی تھی میرے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ دریا سے عبور کر کے کہیں میری حالت میں فرق نہ آ گیا ہو لیکن چونکہ شکایت کرنا بیفائدہ تھا۔ میں نے اُس کی درخواست پر کچھ نہ کہا۔ اور اُسے سات سٹریاں اور کچھ تمبا کو دیا۔ جسے لے کر وہ بہت خوش و خرم ہو گیا۔

اس سفر کے دوران میں میں نے چقماق کے بڑے بڑے پتھر پڑے دیکھے۔

۱۴ دسمبر کی شام کو ہم تیسے میں پہنچے۔ دوسرے دن صبح کو اُس نے اپنے باپ سے میری ملاقات کرائی۔ اُس کا نام سیگو تھا۔ اور شاہ کاسون کا بھائی اور تیسی کا حاکم تھا وہ بوڑھا سردار مجھے بڑے شوق سے ملا۔ اُس نے سوائے ایک دفعہ کے کبھی کوئی سفید آدمی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب اُس نے پہلے انگریز کا جو اُس نے دیکھا تھا علیہ بیان کیا۔ تو میں نے جھٹ پہچان لیا۔ کہ وہ میجر ہاگٹن تھا۔ شام کے وقت اس کا ایک غلام بھاگ گیا جس کا عام طور پر چرچا ہوا۔ ہر ایک آدمی جس کے پاس گھوڑا تھا۔ وہ سوار ہو کر اُس کی تلاش میں جنگل کو ہو لیا۔ اور ڈیمبا سیگو نے اس مطلب کے لئے میرے گھوڑے پر سوار ہونے کی درخواست کی۔ میں نے فوراً اجازت دے دی۔ غرض ایک گھنٹے کے عرصے میں وہ غلام کو پکڑ کر واپس چلے آئے۔ اور پھر اُسے سخت دُرّے مار کر زنجیروں میں جکڑ بند کر دیا۔ اگلے دن لگ بھگ ۱۶ دسمبر کو ڈیمبا سیگو کو بیس سواروں کے ہمراہ گڈو ما میں جانے کا حکم ہوا۔ کیونکہ مور لوگوں کی ایک جماعت نے تیسی سے تین گھوڑے چرائے تھے۔ جن کا فیصلہ کرنا منظور تھا۔ ڈیمبا نے دوسری مرتبہ سوار ہونے کے لئے میرا گھوڑا مانگا۔ اور کہا۔ کہ مور لوگ

اس کی زین اور لگام کو دیکھینگے تو وہ مجھے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھینگے۔ اس درخواست کو بھی میں نے فوراً منظور کر لیا۔ اور اُس نے تین دن کے بعد واپس آنے کا اقرار کیا۔ اُس کی غیر حاضری کے وقت میں نے گاؤں میں پھر کر اور لوگوں سے باتیں کر کے اپنا دل بہلایا۔ جہاں کہیں میں جاتا تھا۔ وہ لوگ مجھے ایک عجوبہ سمجھکر میرے ساتھ ساتھ جاتے تھے اور بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اور بہت تھوڑے داموں پر وہ انڈے اور ہر ایک چیز جس کی مجھے ضرورت ہوتی۔ بہم پہنچایا کرتے تھے۔

تیسی بہت بڑا گاؤں ہے اس کے گرد کوئی دیوار نہیں ہے غنیم کے حملے کے وقت سوائے ایک قلعے کے اور کوئی محفوظ جگہ نہیں اور اس میں تگتی اور اُس کا خاندان ہمیشہ سکونت رکھتے ہیں یہ گاؤں وہاں کے باشندوں کے قول کے موافق ابتدا میں چند ایک فولاہ گڈریوں کا تہا۔ جو اس گاؤں کے پاس عمدہ چراگاہوں کے سبب قیام رکھتے تھے۔ اور اس میں انہوں نے بہت سے مواشی رکھے ہوئے تھے اُن کی اقبالمندی کو دیکھکر بعض منڈنگو کو رشک ہوا۔ انہوں نے آکر ان گڈریوں کو یہاں سے نکالدیا۔ اور ان کی زمینوں پر قابض ہو گئے موجودہ باشندوں کے پاس گو مواشی اور غلہ بکثرت ہے لیکن اُن کے کھانے کی چیزیں ستھری نہیں ہیں۔ اعلے سے لے کر ادنےٰ تک چوہے چوہیا چھچھوندریں۔ جھینگر ، سانپ ، ٹڈیاں وغیرہ بلا امتیاز کھاتے ہیں۔ ایک دن شام کے وقت گاؤں کے لوگوں نے میری ضیافت کی جس میں انہوں نے میرے آدمیوں کو بھی مدعو کیا۔ انہوں نے جاکر خوب پیٹ بھر کر کہانا کھایا۔ اور خیال کیا۔ کہ مچھلی اور کوس کھا رہے ہیں کہاتے وقت اُن میں سے ایک کو برتن میں پڑا ہوا ایک سخت چمڑا ملا۔ جسے وہ اُٹھا کر میرے پاس اس لئے لے آیا۔ کہ دیکھوں وہ کس قسم کی مچھلی ہے۔ جب میں نے اُس چمڑے کو دیکھا بھالا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑا سانپ کھا رہے تھے۔ ان لوگوں میں ایک اور عجیب دستور یہ ہے۔ کہ اُن کی عورتوں کو انڈے کھانے کی اجازت نہیں۔ خواہ یہ ممانعت قدیم توہم کا باعث ہے یا کسی شریر کا دھوکا ہے۔ یہ رسم بڑی پابندی کے ساتھ مانی جاتی ہے۔ چنانچہ اگر تیسی کی

عورت کے آگے اندلیش کیا جائے۔ تو اُس پر وہ اس قدر خفا ہو گی۔ کہ ایسی خفا اور کسی بات پر نہ ہوگی اس پر تعجب یہ ہے کہ مرد اپنی بیویوں کے سامنے انڈے کہاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا میں نے منڈنگو کے کسی اور اور علاقے میں ایسا دستور نہیں دیکھا۔

اپنے بیٹے کی روانگی کے تیسرے دن بعد تگتی سیگو نے ایک بہت عجیب موقع پر کمیٹی کی جس میں میں حاضر ہوا مسئلہ متنازعہ فیہ کے دونو پہلوؤں پر بڑی عقلمندی سے گفتگو ہوتی رہی۔ ایک نوجوان کافر نے جو بڑا دولتمند تھا ایک نوجوان خوبصورت عورت سے شادی کی تہی۔ اور ایک بڑے پرہیزگار بشرین سے درخواست کی تہی کہ اُسے تعویذ لکہدے تاکہ آنے والی جنگ میں مارا نہ جائے اُس بشرین نے یہ درخواست منظور کر لی اور اُسے تعویذ لکہدیا۔ مگر اُس تعویذ کو زیادہ موثر کرنے کے لیئے اُس نے اُس نوجوان کو تاکید کی۔ کہ چھ ہفتوں تک اپنی بیوی کے پاس نہ جائے باوجودیکہ یہ بات بہت سخت تھی۔ مگر اُس نے اُس کی پابندی کی اور اپنی جورو کو اس کا اصلی راز نہ بتایا اور اُس کی صحبت سے الگ رہا۔ اسی اثنا میں بستی میں کانا پھوسی ہونے لگی۔ کہ بشرین جو ہمیشہ اس نوجوان کافر کے گہر کے پاس عبادت کیا کرتا تہا۔ اس نوجوان عورت کے ساتہہ معمول سے بڑہکر خلا ملا رکھنے لگا۔ پہلے تو خاوند نے اُسے نیک سمجھکر اُس پر شک نہ کیا لیکن اس بات کو بار بار سنکر آخر اُس نے اس بارے میں اپنی بیوی سے پوچھا۔ اور اُس نے اقبال کیا۔ کہ بیشک بشرین میرے ساتہہ راہ و رسم رکھتا ہے۔ اُس پر اُس نے اپنی جورو کو اس بات سے روک دیا۔ اور بشرین کی اس چال چلن پر کمیٹی منعقد کرانی چاہی۔ مقدمہ بشرین کے برخلاف صاف صاف ثابت ہوگیا۔ اور اُسے غلامی میں بکنے کا فتوے دیا گیا۔ یا اپنی رہائی کے لیئے دو غلام اپنی جگہ پیدا کرے کا مستغیث کی مرضی کے موافق۔ مگر وہ اپنی دولت کے عوض میں اس قدر سختی نہیں چاہتا تہا۔ اور درخواست کی۔ کہ تگتی سیگو کے گہر کے دروازے کے آگے اُسے حسب قانون شریعت دُرّے مارے جائیں اس بات پر اتفاق کیا گیا۔ اور فتوے پر فوراً عملدرآمد شروع ہوا مجرم کے

ہاتھ ایک لکڑی سے زور کے ساتھ باندہے گئے۔ اور ایک لمبا سیاہ درّہ نکال کر جلاد نے کچھ دیر تک اُسکے سر کے گرد ہلایا۔ اور پھر ایسے زور سے اُس بشرین کی پیٹھ پر اُسے مارا کہ اُس نے چیخیں مار مار کے جنگل کو سر پر اُٹھا لیا۔ جو لوگ ارد گرد کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ہنستے اور کھلی مچاتے تھے۔ اور اپنے اطوار سے ظاہر کرتے تھے۔ کہ اس بوڑھے کی سزا پانے پر وہ کس قدر خوش ہیں یہ بات قابل ذکر کرنے کی ہے۔ کہ موسوے شریعت کے موافق اُسے ایک کم چالیس درّے مارے گئے۔

چونکہ اس بات کی غالباً اُمید تھی۔ کہ تیسبی کے سرحدی گاؤں ہونے کے سبب سے آئندہ لڑائی میں اُسے گدوما کے موروں کے خطرات کا نشانہ بننا تھا منگتی سیگو نے میری آمد کے پیشتر اس پاس کے گاؤں میں اس لئے قاصد روانہ کئے تھے۔ کہ وہ اُسے ایک سال کی رسد بہم پہنچائیں۔ تاکہ اگر مور لوگ ان کھیتوں کو جن پر زراعت ہوتی ہے۔ ویران کر دیں۔ تو کوئی ہرج نہ ہو۔ ان لوگوں نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا تھا۔ اور انہوں نے ایک دن اس لئے کہ جو کچھ ان سے بچ رہے تیسبی میں لائیں گے۔ مقرر کر دیا تھا۔ چونکہ ابھی تک میرا گھوڑا واپس نہیں آیا تھا۔ میں انہیں رسد لاتے دیکھنے کے لئے باہر گیا۔ اشخاص جو رسد لا رہے تھے۔ قریباً چار سو اشخاص تھے۔ غلہ کے بوجھوں کو بڑی ترتیب کے ساتھ سر پر اُٹھا کر کوچ کئے چلے آتے تھے۔ اُن کے ساتھ تیر اندازوں کی ایک زبردست گارد تھی۔ اور اُن کے پیچھے آٹھ مطرب یعنے گانے والے تھے۔ جونہی وہ تیسبی میں پہنچے۔ مطربوں نے گانا شروع کیا۔ اُن کے ہر ایک مصرع کو وہ جماعت اپنی آواز میں دہراتی جاتی تھی۔ اور ساتھ ہی اس کے ڈھول بجتے جاتے تھے۔ اس طور سے لوگوں کے نعروں کے درمیان وہ بڑہے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ منگتی سیگو کے گھر پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے بوجھوں کو اپنے سر سے اُتار کر اُن کے حوالے کر دیا۔ شام کے وقت وہ سب بنتانگ کے درخت کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور رات بھر ناچتے اور گاتے رہے ۔۔

۵ جنوری کو دس آدمیوں کے ایک غارت الیامی عبدالقادر کی طرف سے جو فوتا تورا کا بادشاہ تھا تیسی میں آئی۔ اور تنکتی سے کہا۔ کہ وہ گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کرے تا کہ وہ اپنے بادشاہ کی طرف سے مندرجہ ذیل مضمون سنا دیں۔ اور وہ مضمون یہ تھا۔ کہ جب تک کاسوں کے باشندے ظاہر طور پر مذہب اسلام نہ قبول کرینگے اور اپنے تبدیل مذہب کے بعد گیارہ عام طور پر نمازیں پڑھ کر تصدیق نہ کرینگے۔ تو وہ یعنے فوتا تورہ کا بادشاہ موجودہ جنگ میں الگ نہیں رہیگا۔ بلکہ بجا آئیگا کے بادشاہ کے ساتھ شامل ہو کر ہتھیار اٹھائیگا۔ اس قسم کا پیغام ایسے زبردست بادشاہ کی طرف سے شور پیدا کئے بغیر کہاں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ تیسی کے باشندوں نے بہت غور و خوض کے بعد بادشاہ کے پیغام کو منظور کر لیا۔ اور بموجب اس کے حکم کے ہر ایک نے گیارہ گیارہ نمازیں عام طور پر ادا کیں۔ جو ان کے بت پرستی کو ترک کرنے اور مذہب اسلام کے اختیار کرنے کا کافی ثبوت سمجھا گیا۔

۸ جنوری کو ڈیمبا سیگو بڑے انتظار کے بعد میرے گھوڑے کو واپس لایا۔ چونکہ میں انتظار کرتے کرتے بہت تھک گیا تھا۔ میں فوراً اس کے باپ کو اطلاع دینے کے لئے گیا۔ کہ دوسرے روز علی الصباح میں کونیا کری کو روانہ ہونگا۔ اس پیر مرد نے اس پر بہت بے فائدہ اعتراض کئے۔ اور آخر اس نے مجھے باتوں باتوں میں یہ سمجھایا۔ کہ جب تک میں اسے وہ محصول جو وہ مسافروں سے لیا کرتا تھا نہ ادا کر لوں۔ تب تک مجھے روانہ ہونے کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ علاوہ اس کے اس نے یہ بھی کہا۔ کہ اس مہربانی کے سبب سے جو میں نے تم پر کی ہے۔ تم سے امیدوار رہوں۔ بموجب اس کے ۹ جنوری کو میرا دوست ڈیمبا چند ایک اشخاص کو لے کر میرے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ ان کو تنکتی سیگو نے تحفہ کے لئے بھیجا ہے۔ اور دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہ تم نے ان کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ میں نے معلوم کر لیا۔ کہ مقابلہ کرنا غیر ممکن ہے۔ اور شکایت کرنا

لاحاصل اور چونکہ پیشتر ازیں اس بارے میں سن چکا تھا میں نے آرام سے آہستے
قدرے گھبرایا اور تمباکو دیا۔ کچھ دیر تک اُن چیزوں کو سرد مہری کے ساتھ دیکھ
بھال کر ڈمیبا نے انہیں زمین پر رکھ دیا اور مجھ سے کہا کہ تمہاری سیگو کی شان کے
شایاں یہ تحفہ نہیں ہے۔ اور یہ بات اس کے اختیار میں ہے کہ جو وہ چاہے سو لے
سکتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ اگر میں اس سے بڑھ کر تحفہ اُس کے
لئے نہ تیار کروں گا۔ تو وہ میرا تمام اسباب اپنے باپ کے پاس لے جائیگا اور
جو کچھ اُسے پسند ہوگا لے لیگا۔ اُسے بھلا جواب دینے کا کہاں موقع تھا۔
کیونکہ ڈمیبا اور اُس کے ساتھی فوراً گٹھڑیوں کو کھولنے لگ گئے اور تمام
چیزوں کو فرش پر پھیلا دیا۔ اور پھر جوگ سے بھی انہوں نے سخت تلاشی
لی ہر ایک چیز جو اُن کو اچھی لگی۔ انہوں نے بلا توقف لے لی۔ اور علاوہ اور
چیزوں کے ڈمیبا نے وہ صندوق جس کی طرف دریا سے عبور کرتے ہوئے
اُس کی طبیعت اس قدر متوجہ ہوئی تھی۔ پکڑ لیا۔ میں نے اپنی اس تھوڑی سی
پونجی کو بعد اس کے کہ لوگ چلے گئے جمع کر کے معلوم کیا کہ جیسے جوگ میں
آدھی اشیاء میرے نئے قصور دھر کے چھین لی گئی تھیں۔ ویسی ہی یہاں
آدھی بلا قصور لے لی گئی ہیں۔ یہ بات بھی حالانکہ وہ کلاسون کا رہنے والا تھا۔
اپنا گٹھڑ کھولنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور اُسے قسم دلائی گئی کہ جو مختلف
چیزیں اس کے پاس ہیں۔ وہ اس کی اپنی چیزیں بلا شرکت غیرے تھیں۔ مگر ان باتوں
کا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور چونکہ میں ڈمیبا سیگو کا جوگ سے اس جگہ کی طرف
سفر کرنے پر احسان مند تھا میں نے اس سختی پر اُسے ملامت نہ کی لیکن بہرحال
دوسرے دن تیسی سے روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اسی اثنا میں میں اپنے
ساتھیوں کے شکستہ دل کو خوش کرنے کے لئے میں نے ایک موٹی تازی
بھیڑ خریدی اور اُسے کھانے کے لئے ذبح کرا کر تیار کرایا۔

۱۰ جنوری کو علی الصباح ہم تیسی سے روانہ ہوئے۔ اور دوپہر کے وقت ایک
پہاڑی پر چڑھ کر جہاں دور دور تک نظر جاتی تھی ہم نے [illegible] کے
پہاڑیوں کے سلسلے کو دیکھا۔ شام کے وقت ہم ایک چھوٹے سے گاؤں میں

پہنچے جہاں ہم نے رات بسر کی اور اگلے دن وہاں سے روانہ ہو کر تھوڑے عرصے میں ایک تنگ گزر پر سے نالے سے جس کا نام کر کو ہے۔ اور سینیگال کی شاخ ہے۔ گزرے۔ دو میل مشرق کی طرف اور سفر کر کے ہم ایک بڑے قصبے کے پاس سے جس کا نام مدینہ ہے گزرے۔ اور دو گھنٹے کے بعد جمبو میں جو لوہار کا شہر تھا۔ آئے۔ یہاں سے اُسے غائب ہوئے چار سال کا عرصہ ہوا تھا۔ اس کے بعد جلدی سے اُس کا بھائی جسے اُس کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ ایک مطرب کو ساتھ لے کر اُس سے ملنے کو آیا۔ اور اپنے بھائی کے لئے گھوڑا لایا۔ تاکہ وہ اپنے شہر میں عزت کے ساتھ داخل ہو۔ اور اُس نے ہم سب سے کہا کہ ہم بندوقوں میں خوب بارود بھریں مطرب اب آگے آگے ہو لیا۔ اُس کے پیچھے دونوں بھائی چلنے لگے۔ اور تھوڑی دیر بعد گاؤں کے اور اشخاص بھی جن کو اپنے پرانے آشنا لوہار سے مل کر بڑی خوشی حاصل ہوئی تھی ہم سے آملے۔ اور کودنے اور گانے لگ گئے۔ قصبے میں داخل ہو کر مطرب لوہار کی تعریف میں گانے لگا اس قدر مشکلات سفر پر غالب آنے کے سبب سے اُس کی تعریف کی۔ اور آخر میں اُس کے دوستوں کو اُس کی خوب خاطر و تواضع کرنے کی تاکید کی۔

جب ہم لوہار کے گھر پہنچے۔ تو ہم گھوڑوں سے اُترے اور اپنی بندوقیں چلائیں۔ اُس کے رشتے دار بڑی محبت کے ساتھ ملے۔ کیونکہ یہ وحشی جو ہر ایک قید سے آزاد ہیں عجیب طور سے اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہیں اس خوشی وخرمی میں لوہار کی بوڑھی ماں عصا پر تکیہ لگائے آگے آگے آئی۔ ہر ایک نے اُس کا راستہ کھلا چھوڑ دیا۔ اور اُس نے اپنے بیٹے کو مبارکباد دینے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ چونکہ وہ بالکل اندھی تھی۔ اُس نے اپنے بیٹے کے ہاتھوں بازوؤں اور چہرے پر بڑی محبت کے ساتھ ہاتھ پھیرا۔ اور اس بات پر کہ اُس کے آخری دن بیٹے کی آمد سے برکت دئے گئے ہیں۔ اور اس کے کانوں میں پھر اُس کی پر تحمد آواز آنے لگی جسے بڑی خوشی ہوئی۔ ان مبارکبادیوں کے شور و غوغا کے وقت میں الگ ایک کوٹھری کے آگے بیٹھ گیا تھا۔۔۔

اور نہ چاہتا تھا۔ کہ فرزندانہ اور برادرانہ محبت کے پر ولولے کو روکوں۔ لوگوں کی توجہ بھی لوہا کی طرف اس قدر مبذول ہو رہی تھی۔ کہ میں خیال کرتا ہوں اُن میں سے کسی نے مجھے دیکھا تک نہیں تھا جب تمام حاضرین بیٹھ گئے تو لوہا کے باپ نے اپنے بیٹے کو اپنے سفر کے حالات کے تذکرہ کرنے کے لئے کہا۔ اور لوگ چپ چاپ ہو گئے۔ تو اس نے بار بار خدا کا شکر کر کے ہر ایک واقعہ جو کاسون سے روانہ ہونے اور گیمبیا میں پہنچنے نوکری کرنے اور اُن حصوں میں کامیابی حاصل کرنے اور اپنے وطن کی طرف لوٹنے کے وقت خطروں سے بچنے کا تھا بیان کیا اپنے بیان کے آخری حصے میں اس نے میرا ذکر بہت کیا۔ اور میرے احسان کا بہت شکریہ ادا کرنے کے لحاظ سے اُس جگہ کی طرف جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اشارہ کیا اور کہا۔ افلے ابی سرنگ۔ دیکھو وہ وہاں بیٹھا ہے۔ فوراً سب کی آنکھیں میری طرف متوجہ ہو گئیں۔ میں انہیں اُس شخص کے موافق معلوم ہوتا تھا جو آسمان سے اترا ہو۔ ہر ایک شخص اس بات پر کہ انہوں نے مجھے پیشتر نہیں دیکھا تھا۔ حیران ہوا اور چند ایک عورتیں اور بچے مجھ جیسے عجیب شخص کو جسے انہوں نے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا [illegible] ڈر گئے مگر رفتہ رفتہ اُن کا ڈر زائل ہوا۔ اور جب لوہا نے انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ میں بالکل بے ضرر ہوں۔ اور انہیں [illegible] تو بعض دلیری کر کے میرے قریب آئے۔ اور میرے کپڑوں کو ٹٹول کر دیکھنے لگے۔ اس پر بھی ابھی تک اُن میں سے بہتوں کو شبہ تھا اور جب اتفاقاً میں نے حرکت کرنے کی کوشش کی تو مائیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر دور بھاگ گئیں۔ مگر تھوڑے عرصے میں وہ سب کے سب میرے ساتھ ہل مل گئے اور کسی نے مجھ سے وحشیانہ نفرت نہ کی۔ ان لائق لوگوں کے ساتھ میں نے باقی کا دن اور اگلا سارا دن بسر کیا خوب ضیافتیں اڑائیں۔ اور خوش رہا۔ اور لوہا نے کہا کہ جب تک میں کتیاکری میں رہونگا۔ وہ میرا ساتھ نہ چھوڑیگا۔ چنانچہ کتیاکری

کی طرف ۱۴ جنوری کو ہم روانہ ہوئے۔ اور دوپہر کے وقت سولہ یا
سترہ میل کے فاصلے پر جنوب کی طرف ہے پہنچے۔ چونکہ یہ سڑک سیدھے راستے سے
کسی قدر دور تھی۔ یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ میں وہاں ایک سلاتی
یعنے گیمبیا کے سوداگر کو جو بڑا مشہور تھا۔ اور جس کا نام سلیم دوکاری
تھا۔ ملنے گیا۔ وہ ڈاکٹر لیڈلی کا خوب واقف تھا کیونکہ ڈاکٹر موصوف
نے اسے پانچ غلاموں کی قیمت پیشگی دی ہوئی تھی۔ اور تمام قرضہ کے
لئے مجھے ایک رقعہ دیا تھا۔ خوش قسمتی سے ہم نے اسے گھر میں موجود
پایا۔ اور اس نے بڑی مہربانی اور توجہ سے میری خاطر داری کی۔
مگر یہ بات عجیب ہے کہ کاسون کے بادشاہ کو کسی طور سے میری آمد کی
خبر ہوگئی۔ کیونکہ ہم وہاں پہنچے چند گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ سمباسیگو اس
کا دوسرا بیٹا چند ایک سواروں کے ساتھ وہاں آیا۔ اور مجھ سے دریافت
کیا کہ کنیاکری میں آنے سے کس سبب سے میں رکا تھا۔ اور کہا کہ بادشاہ
مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے انتظار کر رہا ہے۔ سلیم دوکاری نے میری
طرف سے عذر کیا۔ اور کہا کہ میں شام کو خود اسے ساتھ لے کر کنیاکری
میں آؤنگا۔ اس لئے ہم شام کے وقت روانہ ہوئے۔ اور ایک گھنٹے کے عرصے
میں کنیاکری میں پہنچ گئے۔ لیکن چونکہ بادشاہ سونے کے لئے چلا گیا
تھا۔ ہم نے ملاقات کو دوسرے دن کے لئے اٹھا رکھا۔ اور سمباسیگو
کے گھر میں سو رہے۔

ساتواں باب

ڈمباسیگو جالا بادشاہ سے ملاقات

۱۵ جنوری کو صبح کے وقت آٹھ بجے کے قریب ہم ڈمباسیگو جالا بادشاہ
کے حضور میں حاضر ہوئے۔ لیکن بادشاہ کو دیکھنے کے لئے لوگ اس قدر جمع
ہوئے تھے کہ ہم کو بہت مشکل سے راستہ ملتا تھا۔ آخر جوں توں کر کے ہم نے راستہ طے

کیا۔ اور دربار میں پہنچ کر بادشاہ کو جھک کر سلام کیا۔ وہ ایک بڑی چٹائی پر
ایک گھر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر کوئی ساٹھ سال کی معلوم ہوتی
تھی۔ لڑائی میں کامیابی۔ اور صلح کے وقت اس کی چال چلن کی خوبی نے اسے
اپنی رعایا کا بڑا ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔ وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتا رہا۔
اور جب سلیم وکاری نے میرے سفر کا مدعا اس کے آگے بیان کیا۔ اور
اس کے ملک سے میرے گزرنے کی وجہ بیان کئے۔ تو اس نیک بوڑھے
بادشاہ کو اس پر کامل تشفی ہی نہ ہوئی۔ بلکہ اس نے حتے المقدور مجھے اعانت
دینے کا وعدہ کیا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا۔ کہ میں نے میجر ہاگٹن کو دیکھا
انہوں نے ایک نقرہ گھوڑا مجھکو ہدیۃً دیا تھا لیکن افسوس ہے۔ کہ ملک
کرتا میں سے گزر کر موروں کے درمیان اس نے اپنی جان دی۔ لیکن
یہ بات کہ وہ کس طور سے مارا گیا۔ اسے معلوم نہیں تھی۔ جب دربار برخاست
ہوا۔ تو ہم اپنے قیام گاہ کی طرف لوٹ آئے۔ اور میں نے اپنی چیزوں میں
سے جو کسی قدر میرے پاس بچ رہی تھیں۔ بادشاہ کے لئے مختصر سا تحفہ
تیار کیا۔ کیونکہ ابھی تک سلیم وکاری سے میں نے کچھ وصول نہیں کیا تھا
یہ تحفہ گو حقیر سا تھا۔ مگر بادشاہ نے اس پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ اور اس
کی عوض میں اس نے میرے لئے ایک بڑا سفید بیل بھیجا۔ اس جانور کو
دیکھتے ہی میرے ہمراہی ازبس خوش ہو گئے۔ ان کی خوشی کی یہ وجہ
نہیں تھی۔ کہ وہ بہت بڑا تھا۔ بلکہ یہ وجہ تھی۔ کہ وہ سفید تھا۔ کیونکہ یہ
رنگ امتیاز کا ایک خاص نشان ہے۔ لیکن اگرچہ بادشاہ مجھ پر بہت مہربان
تھا۔ اور اس نے اپنے ملک میں گزرنے کی فوراً اجازت بھی دے دی۔ لیکن
اس پر بھی میں نے معلوم کر لیا۔ کہ میرے رستے میں بہت مشکلات ہیں۔
علاوہ اس جنگ کے جو کاسون اور کیا اگا کے درمیان شروع
ہونے والی تھی۔ میں نے یہ بھی سنا تھا۔ کہ اس ملک کے ساتھ ہی سلطنت
یعنے کرتا میں جس میں سے میں نے گزر کر جانا تھا۔ لڑائی شروع تھی
اور علاوہ اس کے بمبارا کے بادشاہ نے بھی اسے لڑائی کی دھمکی دی

ہوئی تھی۔ خود بادشاہ نے ان باتوں کا میرے پاس تذکرہ کیا۔ اور مجھے کیناکری کے نواح میں اُس وقت تک کہ بمبارا کی نسبت اُسے خاص اطلاع مل جائے ٹھیرنے کی صلاح دی۔ اُسے اُمید تھی۔ کہ چار پانچ روز کے عرصے میں اُسے یہ اطلاع مل جائیگی کیونکہ اُس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی سے کرتا کو اسی مطلب کے لیئے آدمی روانہ کیئے ہوئے ہیں۔ میں نے فوراً اس کی بات کو مان لیا اور سولو میں قاصدوں کے واپس آنے تک قیام کرنے کے لیئے چلا گیا۔ اس سے مجھے وہ روپیہ وصول کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ جو ڈاکٹر لیڈلی نے سلیم وکاری سے وصول کرنے کے لیئے مجھے لکھا تھا۔ مجھے تین غلاموں کی قیمت کا روپیہ سونے کے ذرات میں مل گیا۔ اور چونکہ میں روانہ ہونے کے لیئے از بس فکر مند تھا۔ میں نے دکاری سے التجا کی کہ وہ بادشاہ کے پاس سفارش کرکے فولادو تک ایک بدرقہ مجھے لے دے۔ کیونکہ میں نے سُن لیا تھا۔ کہ بمبارا اور کرتا کے بادشاہوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی تھی۔ اس مطلب کے لیئے دکاری بیسویں جنوری کو کیناکری کی طرف روانہ ہوا۔ اور اسی دن شام کے وقت یہ جواب لے کر واپس آیا کہ بہت عرصے سے بادشاہ نے ڈیزی کرتا کے بادشاہ سے عہد کیا ہوا ہے۔ کہ تمام سوداگروں اور مسافروں کو اس کی سلطنت میں سے روانہ کیا کروں۔ لیکن اگر اس گو ریارک کو فولادو میں سے ہو کر جانا ہے تو اُسے میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر بسبب عہد کی پابندی کے میں بدرقہ نہیں دے سکتا۔ اپنے سفر کے اگلے حصے کی طرح اصلی حفاظت کی کمی معلوم کرکے میں بار دگر ان مصائب میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ جن کا مجھے تجربہ ہو چکا تھا۔ خاص کر وہ روپیہ جو مجھے وصول ہوا تھا۔ بس اتنی ہی آخری پونجی میرے پاس باقی تھی۔ اسلیئے میں نے کرتا سے قاصدوں کے واپس آنے کا انتظار کیا۔

اسی اثنا میں لوگوں کے درمیان کاناپھوسی ہونے لگی۔ کہ میں نے سلیم دکاری سے بہت روپیہ وصول کرلیا ہے۔ اور ۲۳ جنوری کی شام کو سمیا سیگو نے چند ایک سواروں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی۔

اور اس بات کے لئے مصر ہوا۔ کہ جس قدر روپیہ میں نے لیا ہے۔ اُسکی ٹھیک ٹھیک مقدار بتلا دوں۔ اور ساتھ ہی اُس کے یہ بھی کہا کہ جس قدر مجھے وصول ہوا ہے۔ اُس کا نصف بادشاہ کو ملنا چاہئے۔ علاوہ اس کے اُس نے مجھے یہ بھی جتلایا کہ مجھے اعلےٰ درجے کے تحفے کے ملنے کی اُمید ہے۔ کیونکہ میں بادشاہ کا بیٹا ہوں اور یہ سوا اُس کے سوار تھیں میں اس کی بات کے ماننے کے لئے مستعد ہوا اور اگر سلیم دکاری بیچ میں نہ آتا۔ تو گو میں اس ظالمانہ درخواست کو نہ ماننے کی کتنی ہی کوشش کرتا کچھ فائدہ نہ ہوتا سلیم نے آخر ۱۶ اسریاں ولائیتی مال کی اُسے دیکر راضی کر لیا۔ اور کچھ بارود اور گولیاں دلائیں۔ اور یہ اقرار لے لیا۔ کہ کاسون کے ملک میں اور محصول مجھسے نہ لیا جائیگا۔

۲۶ جنوری دوپہر کے وقت میں ایک پہاڑی پر صولو کے جنوب کی طرف جاکر چڑھا۔ اور وہاں جاکر میں نے عجیب دلکش نظارہ دیکھا۔ قصبوں و گاؤں کی تعداد اور اُن کے آس پاس وسعت۔ زراعت ہر ایک چیز سے جواب تک میں نے افریقہ میں دیکھی بڑھکر تھی۔ اس خوشنما اور سبزہ زار ملک کی آبادی کو اس سے قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ کاسون کا بادشاہ ایک بگل بجاکر چار ہزار جنگجو سوار فوراً جمع کر سکتا ہے اس پہاڑ کی چٹان دار بلندیوں کو طے کرنے میں جہاں سبزی بالکل نہیں ہے میں نے کئی ایک سوراخ ان میں دیکھے۔ جہاں چیتے اور لکڑ بگے دن کے وقت سوئے رہتے تھے۔

یکم فروری۔ قاصد کرتا سے واپس آئے۔ اور یہ خبر لائے۔ کہ ابھی تک بمبارا اور کرتا کے درمیان لڑائی نہیں چھڑی اور غالباً پیشتر اس کے کہ بمبارا کا بادشاہ حملہ آور ہو۔ میں کرتا میں سے گذر سکتا ہوں۔

تین فروری علے الصباح دو بدتمیز گھوڑے پر سوار ہو کر تیاکری سے کرتے کی سرحد تک مجھے چھوڑ آنے کے لئے روانہ ہوئے اس لئے میں نے سلیم دکاری سے رخصت لی۔ اور اپنے آخری ساتھی یعنے لوہار سے جس کی صحبت میں مجھے بہت آرام ملا تھا۔ جدا ہوا۔ اور دس بجے کے وقت سولو سے روانہ ہوا اس دن ہم پہاڑی اور چٹان دار ملک سے دریا کرو کے کنارے کنارے سفر کرتے رہے۔ اور غروب آفتاب کے وقت موضع سوموں میں آکر وہاں سو رہے۔

۴ فروری ہم سو ہو سے روانہ ہوئے اور کریکو کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔ ان کناروں پر زراعت کثرت سے ہو رہی ہے۔ اور آبادی بھی خوب تھی۔ اس وقت اس جگہ اور بہت سے لوگ کرتا اور بمبارا کی لڑائی کے سبب آئے ہوئے تھے سہ پہر کو ہم کیمو میں پہنچے۔ یہ بڑا گاؤں ہے۔ اور اس میں مادی کا جو کاسون کے پہاڑی علاقے کا حاکم ہے۔ رہتا ہے۔ اس علاقے کو سورومو کہتے ہیں۔ اس جگہ سے وہ بدرقے جو بادشاہ نے میرے ساتھ چلنے کے لئے روانہ کئے تھے لوٹ چلے کیونکہ انہیں واپس جا کر کیا آگا کی مہم میں شامل ہونا تھا۔ اور مجھے ۶ تاریخ تک اس لئے کہ مادی کو مجھے بدرقہ مقرر کر دے۔ توقف کرنا پڑا۔

سات فروری کیمو سے روانہ ہو کر جہاں سے مادی کا بیٹا میرا بدرقہ بنا تھا ہم سہ پہر تک کریکو کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم کانگی میں جو بڑا قصبہ ہے پہنچے۔ اس جگہ دریائے کریکو بہت چھوٹا ہو جاتا ہے یہ خوبصورت دریا اس قصبے کے ذرا مشرق کی طرف سے نکلتا ہے۔ اور پھر زور و شور کے ساتھ بہ کر تیا پہاڑ کی بلند سطح مرتفع پر پہنچتا ہے۔ جہاں اس کی رفتار بڑی دھیمی ہو جاتی ہے۔ اور کنیا کری کے میدانوں میں آہستہ آہستہ پیچ کھاتا ہوا بہتا ہے۔ اس کے بعد شمال کی طرف سے ایک اور ندی آ ملتی ہے اور پھر تھوڑی دور بہہ کر فیلو کے آبشار کے پاس دریائے سینیگال میں جا گرتا ہے۔

۸ فروری۔ آج دن بھر ہم سخت پہاڑی ملک میں چلتے رہے۔ اور سیمو اور چیمبا ایک اور گاؤں سے گزر کر سہ پہر کے وقت سگر گو میں پہنچے۔ یہ چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اور کاسون کو کرتا کے ملک سے جدا کرتا ہے۔ دن کے وقت ہم نے سینکڑوں لوگوں کو کرتا سے اپنے بال بچے اور مال و اسباب لے کر بھاگتے جاتے دیکھا

۹ فروری علی الصباح ہم سگر گو سے روانہ ہوئے۔ اور تھوڑی دیر تک مشرق کی طرف سفر کر کے ہم ایک پہاڑی پر جہاں سے نظر دور دور تک جاتی تھی آئے۔ جنوب مشرق کی طرف بہت فاصلہ پر پہاڑیوں کا لمبا سلسلہ چلا جاتا

دکھائی دیتا تھا جن کی نسبت ہمارے بدرقے نے کہا کہ وہ فولادو کے پہاڑ تھے ہم بڑی مشکل سے پتھریلے اور ناہموار کراڑے سے پر سفر کر رہے تھے اور پھر ایک خشک دریا کی تہ میں چلنے لگے تھے۔ اور اس کے کناروں پر درخت ایسے گنجان تھے کہ گویا ان کی چھت پڑی ہوئی دور تک چلی جاتی تھی۔ اور ان کے نیچے جو جگہ تھی بڑی ٹھنڈی اور سرد تھی۔ تھوڑے عرصے میں ہم اس عجیب وادی میں پہنچے۔ اور دو بجے کے وقت دو چٹانی پہاڑیوں کے درمیان سے نکلے۔ اور کرتا کے ہموار اور ریتیلے میدانوں پر جا پہنچے۔ دوپہر کے وقت ہم کوری میں یعنی اس جگہ پہنچے جہاں پانی بہت تہا۔ اس جگہ میں نے چند ایک منکے دے کر بہت سا دودھ مول لیا۔ اور اس قدر غلہ خریدا کہ جس قدر ہمارے کھانے کے لئے کافی تہا۔ حقیقت میں غلہ یہاں اس قدر سستا ہے۔ اور گو چرکس عمدگی سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ اگر مسافر ان سے کھانے پینے کے لئے کچھ لے لے۔ تو وہ اس سے اس کا عوض نہیں مانگتے اس جگہ سے فیسرہ میں غروب آفتاب کے وقت پہنچے۔ اور اس جگہ ہم نے رات بسر کی۔

دسویں فروری۔ آج کا دن ہم نے فیسرہ میں بسر کیا اپنے کپڑے دہوئے اور دارالخلافے کی طرف روانہ ہونے سے پیشتر اس کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں۔

۱۱ فروری۔ ہمارے گہر کے مالک نے ملک کی غیر مطمئن حالت سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ اس قدر کثیر روپیہ ہمارے رہنے کیلئے مانگا کہ مجھے اس بات کا شک ہوا کہ شاید وہ ہمارے ساتھ لڑائی کرنا چاہتا ہے۔ مگر میں نے اسے یہ کثیر مقدار دینے سے انکار کیا۔ لیکن میرے ساتھی آنے والی جنگ کی خبریں سن کر اس قدر ڈر گئے تھے کہ انہوں نے جب تک اس شخص سے میں فیصلہ نہ کر لوں۔ اور اسے بدرقے کے طور پر اپنے ساتھ کیمو کو نہ لے چلوں۔ آگے جانے سے کانوں پر ہاتھ رکھے۔ اور انکار کیا۔ اس بات پر کسی قدر مشکل سے میں غالب آیا۔ اور ایک کمل اسے ہدیتہ دے کر جو میں سونے کے لئے اپنے ساتھ لایا تہا۔ معاملہ خوشی خوشی طے کر لیا۔ اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے آگے ہو لیا۔ وہ ان حبشیوں میں سے

تہا۔ جو مذہب اسلام کی چند باتوں کے سوا اپنے قدیمی توہمات پر چلتے ہوئے ہیں۔ اور نیز شراب پیتے ہیں۔ انہیں جوہار یا جواہر کہتے ہیں۔ اور اس ملک میں یہ لوگ بڑی کثرت سے اور بڑے زبردست ہیں۔ جونہی ہم جنگل کے تاریک اور سنسان حصے میں پہنچے اُس نے ہمیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ اور بانس کے ایک کھوکھلے حصے کو جو اُس کی گردن میں تعویذ کی طرح لٹکے ہوئے تھے تین دفعہ زور سے بجایا۔ اس کی اس بے موقع حرکت سے میرے دل میں کسی قدر خدشہ پیدا ہوا۔ کیونکہ میں نے خیال کیا۔ کہ اُس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بگل بجا کر ہم پر حملہ کرنے کے لئے اشارہ کیا ہے۔ لیکن اُس نے مجھے یہ کہکر یقین دلایا۔ کہ میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ معلوم ہو جائے۔ کہ میں نے اس سفر میں کیا کامیابی حاصل کی ہے۔ پھر گھوڑے پر سے اُتر کر اپنی برچھی کو اُس نے سڑک پر رکھدیا۔ اور نماز قصر ادا کرکے تین دفعہ اُس بانس کو زور سے بجایا۔ اور پھر کان لگا کر سنتا رہا۔ گویا کہ وہ جواب کا منتظر تہا۔ اور جب کوئی جواب نہ آیا تو اُس نے کہا ہم کو بلا کسی قسم کے خطرے کے سفر کرنا چاہئے۔ کیونکہ کوئی وجہ اندیشہ کرنے کی نہیں ہے۔ دوپہر کے وقت ہم چند ایک بڑے گانوؤں کے پاس سے جو بالکل خالی پڑے ہوئے تھے گذرے۔ وہاں کے لوگ ڈاکؤں کے خطرات سے بچنے کے لئے کاسون کی طرف بھاگ گئے تھے۔ غروب آفتاب کے وقت ہم کرنکالا میں پہنچے پہلے یہ بہت بڑا شہر تہا۔ چار سال کا عرصہ ہوا۔ کہ اہل بمبارا نے اسے لوٹا تہا۔ اب نصف ویران پڑا ہے۔

۲ فروری۔ جب دن چڑھا۔ تو ہم کرنکالی سے روانہ ہوئے۔ اور چونکہ کیمو اس جگہ سے بہت تھوڑے فاصلے پر تہا۔ ہم نے اپنے روزانہ معمول سے آہستہ سفر کرنا شروع کیا۔ اور سڑک کے کنارے پر جو پھل درختوں میں لگے ہوئے تھے اُن کو کھا کر دل بہلاتے چلے جاتے تھے۔ دوپہر کے وقت دور سے ہمیں کرتا کا دارالخلافہ دکھلائی دیا۔ جو ایک کشادہ میدان میں واقع تہا۔ اس کے گرد دو دو میل تک جنگل صاف کیا ہوا تہا۔ عمارت اور ایندھن کے کام میں اس کی لکڑیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ ہم دو بجے کے وقت اس میں داخل

ہوئے۔

اور بلا توقف اُس جگہ کی طرف جو بادشاہ کے گھر کے سامنے تھی۔ چلتے گئے لیکن لوگوں کی بھیڑ میرے چاروں طرف اس کثرت سے جمع ہوگئی تھی۔ کہ میں نے گھوڑے سے نہ اترنا چاہا۔ بلکہ اپنے بدرقے اور رہادی کو نکو کے بیٹے کو بادشاہ کے پاس خبر کرنے کے لئے بھیجا۔ تھوڑی دیر میں وہ بادشاہ کے قاصد کو اپنے ساتھ لے کر واپس آئے۔ اور کہا کہ بادشاہ تم سے شام کے وقت ملاقات کریگا۔ اور قاصد کو اُس نے اس لئے روانہ کیا ہے۔ کہ میرے لئے مکان تیار کرے۔ اور اس بات کی خبرداری رکھے۔ کہ مجھے کوئی چھیڑے نہیں وہ مجھے ایک احاطے میں لے گیا جس کے دروازے پر اُس نے ایک آدمی کو لکڑی ہاتھ میں دے کر اس لئے کھڑا کر دیا۔ کہ بھیڑ کو روکے۔ اور پھر مجھے ایک بڑی کوٹھڑی دکھلائی۔ کہ جس میں مجھے رہنا تھا۔ میں ابھی اس کوٹھڑی میں بیٹھا بھی نہیں تھا۔ کہ لوگ آ داخل ہوئے۔ اُن کو باہر رکھنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ جس قدر آدمی اس کوٹھڑی میں سما سکتے تھے۔ اُس قدر آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ لیکن جب انھوں نے مجھے دیکھ لیا۔ اور چند ایک سوال بھی کئے۔ تو پھر وہ اور لوگوں کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے چلے گئے اس طور سے اُس کوٹھڑی میں تیرہ ۱۳ دفعہ آدمی آئے اور گئے۔

غروب آفتاب کے ذرا پیشتر بادشاہ نے مجھے کہلا بھیجا۔ کہ اب اُسے فرصت ہے۔ اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں اُس قاصد کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کئی ایک بلند دیواروں والے احاطوں سے ہم گزرے۔ وہاں میں نے سوکھی گھاس کے بہت سے گٹھے بھی دیکھے۔ جو اس لئے جمع کئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ کہ اگر وہ جگہ دشمن گھیرے۔ تو یہ ذخیرہ گھوڑوں کے کھانے کے کام آئے۔ اس احاطے میں کہ جس میں بادشاہ بیٹھا ہوا تھا داخل ہوکر میں اُس کے اس قدر کثیر مصاحبوں کو دیکھکر اور ان کے ادب قاعدے کو ملاحظہ کرکے متحیر رہ گیا۔ وہ سب لڑنے والے بادشاہ کے دائیں ہاتھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور عورتیں اور بچے بائیں ہاتھ پر تھے۔ انھوں نے میرے

گزرنے کے لئے راستہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تھا۔ بادشاہ جس کا نام ڈیزی کورا باری تھا۔ اپنی رعایا سے بلحاظ پوشاک کچھ خصوصیت نہیں رکھتا تھا صرف دو فٹ اونچا ایک چبوترا بنا ہوا تھا جس پر شیر کا ایک چمڑا پڑا ہوا تھا یہ جگہ اُس کے شاہی درجے کو عیاں کر رہی تھی۔ جب میں اُس کے مقابل زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اُن وجوہات کو جنہوں نے مجھے اُسکے ملک میں سفر کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ بیان کیا اور اُس سے مجھکو پناہ میں لینے کی درخواست کی۔ تو وہ نہایت خوش ہوا لیکن کہنے لگا۔ کہ موجودہ صورت میں نیدہ تمہاری اعانت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کچھ عرصے سے کرتا اور بمبارا کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ اور چونکہ من سنگ بمبارا کا بادشاہ اپنی فوج لے کر فولادو میں جو کرتا کے راستے میں ہے۔ داخل ہو گیا ہے اس لئے تمہاری بمبارا میں معمولی راستوں کے ذریعے پہنچنے کی اُمید نہیں ہے کیونکہ وہ تمہیں دشمن کے ملک سے آتے دیکھکر جاسوس خیال کرینگے۔ اور لوٹ لینگے۔ اور پھر کہنے لگا۔ کہ اگر میرے ملک میں امن ہوتا۔ تو تم جب تک مناسب موقع ہاتھ آ لیتا۔ میرے پاس رہتے لیکن فی الحال یہ صورت درپیش ہے۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ تم کرتا میں رہو۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ تم پر کوئی مصیبت آجائے۔ اور پھر میرے لوگ کہیں۔ کہ میں نے ایک سفید آدمی کو مروا ڈالا۔ اس لئے اُس نے مجھے صلاح دی۔ کہ کاسون کو لوٹ جاؤں اور جب تک لڑائی ختم نہ ہولے۔ سفر نہ کروں۔ اور اُمید ظاہر کی۔ کہ تین چار ماہ کے عرصے میں اس کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور اگر وہ زندہ رہا۔ تو مجھے مل کر خوش ہوگا۔ اور اگر مر گیا۔ تو اُس کے بیٹے میری خبرداری کرنے کو موجود ہونگے۔

واقعی یہ صلاح بادشاہ نے نیک نیتی سے دی تھی۔ اور شاید اسی صلاح پر نہ عمل کرنے کے سبب میں ہی ملامت کا سزاوار تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا۔ کہ موسم گرما آرہا ہے۔ اور موسم برسات میں افریقہ کے اندرونی حصص میں بسر کرنے سے مجھے خدشہ ہوگا۔ ان خیالات سے اور اس بات

نے کہ اس طور سے اور دریافت کرنے سے باز رہجاؤنگا۔ مجھے آگے بڑھنے کے لئے
امداد کیا۔ اور گو بادشاہ ہمبارا تک پہنچا دینے کے لئے مجھے بدرقہ نہیں دے
سکتا تھا۔ میں نے اُس سے التجا کی کہ وہ مجھے اپنی حدود تک ایک آدمی عنایت
کرے۔ جب بادشاہ نے یہ معلوم کیا کہ میرا روانہ ہونے کے لئے پختہ ارادہ
ہے تو اس نے کہا صرف ایک راستہ باقی ہے جو بہر طور سے خطرے سے خالی
ہے اور جو کرتا سے لڈاما کے ملک کو جاتا ہے۔ جہاں سے چکر کھا کر میں ہمبارا
میں جا سکتا تھا۔ اگر میں اس راستے جانا چاہوں۔ تو وہ میرے ساتھ آدمی جارا
تک جو لڈاما کا سرحدی مقام ہے۔ کر سکتا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ جب سے
تم نے گیمبیا چھوڑا ہے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا ہے۔ اور ہنسی سے
یہ بھی دریافت کیا کہ جب میں اپنے ملک کو جاؤنگا تو کتنے غلام اپنے ساتھ لے
جاؤنگا۔ ابھی وہ آگے بولنے ہی لگا تھا کہ ایک سوار گھوڑے پر سوار جو پسینے
اور جھاگ سے ملبس ہو رہا تھا۔ احاطے میں داخل ہوا۔ اور اس بات کا اشارہ
کرکے کہ اُس کو ایک بڑی ضروری بات کہنی ہے۔ بادشاہ کو بلایا۔ بادشاہ نے
فوراً اپنی جوتیوں کو پہنا۔ جو مسافروں کے لئے چلا جانے کا نشان
ہے۔

اس لئے میں بھی چلا آیا۔ لیکن میں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ وہیں ٹھہر
رہے۔ اور وہ خبر جو قاصد لایا ہے۔ معلوم کرے۔ قریباً ایک گھنٹے کے عرصے
میں لڑکا لوٹ کر آیا۔ اور مجھے اطلاع دی۔ کہ ہمبارا کی فوج فولادو سے چلی گئی
ہے۔ اور کرتا کی طرف کوچ کر رہی ہے۔ وہ آدمی جو میں نے دیکھا تھا۔ پہرہ
داروں میں سے تھا۔ انہیں بادشاہ نے خاص خاص معاملات میں مقرر کیا
تھا۔ جہاں سے وہ ارد گرد کے ملک کا حال معلوم کرتے رہتے تھے۔ اور دشمن
کی حرکات و سکنات کو تاڑتے رہتے تھے۔

۱۳ فروری۔ صبح کے وقت میں نے بندوق اور لگام بادشاہ کو تحفے
کے طور پر بھیجی۔ اور اس جگہ جو عنقریب میدان کارزار بننے والی تھی۔ روانہ
ہونا چاہا مگر قاصد کو بادشاہ سے اس بات کی خبر کرنے کے لئے بھیجا کہ جسقدر

جلدی ممکن ہو میں کیمو سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ ساتھ ایک بدرقہ کر دینا چاہئے۔ ایک گھنٹے کے عرصے میں بادشاہ نے تحفے کے لئے قاصد کی زبانی مجھے شکریہ کہلا بھیجا۔ اور مجھے جارا کی طرف لیجانے کے لئے آٹھ سوار بھیجے انہوں نے مجھ سے کہا۔ کہ بادشاہ کی آرزو ہے۔ کہ جہاں تک جلدی ممکن ہو۔ میں جارا کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ تاکہ وہ پیشتر اس کے کہ بمبارا اور کرتا کے درمیان فیصلہ ہو لوٹ آئیں۔ اس لئے ہم فوراً کیمو سے روانہ ہوئے۔ ڈیزی کے تین بیٹے اور قریب دو سو سوار کے ہمارے ہمراہ مجھے سقوطری دُور پہنچانے کے لئے ساتھ ہوئے۔

آٹھواں باب
کیمو اور جارا کے درمیان مہمات

کیمو سے اپنی روانگی کے دن کی شام کو بادشاہ کا بڑا بیٹا اور کئی سوار لوٹ گئے۔ چلتے چلتے ہم ایک گاؤں مرینہ میں پہنچے۔ اور اس جگہ ہم نے رات بسر کی۔ رات کے وقت چند ایک چور اس کوٹھڑی میں جہاں میں نے رہائش کی تھی۔ گھس آئے۔ اور ایک بنڈل کو کھول کر کچھ مشکے۔ کپڑے۔ کہربا اور سونا لیا۔ میں نے اپنے محافظوں سے اس بات کی شکایت کی لیکن بے فائدہ۔ ۴ فروری کو جبکہ دن بہت چڑھ گیا۔ ہم مرینے سے روانہ ہوئے۔ دہوپ کی شدت کے سبب سے ہم آہستہ آہستہ سفر کرتے جاتے تھے۔ کہ دو حبشی کانٹے دار جھاڑیوں میں سڑک کے ایک طرف ہم نے پڑے دیکھے۔ بادشاہ کے لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ وہ غلام ہیں۔ جو اس طور سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ بندوقیں کس لیں۔ اور گھوڑوں کو ڈپٹا کر جھاڑی کے چاروں طرف اس غرض سے ہوئے۔ کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں۔ مگر وہ حبشی نہایت اطمینان کے ساتھ انتظار کرتے رہے۔ یہانتک کہ وہ بندوق کی زد میں آئے

اس وقت اُن دونو نے بہت سے تیر نکال کر کچھ تو اپنے ترکش میں ڈال لیئے اور ایک اپنے دانتوں میں پکڑ کر کمان میں رکھا اور اپنے ہاتھ سے ہمیں دور رہنے کا اشارہ کیا۔ اس پر بادشاہ کے ایک آدمی نے انہیں اپنا بیان کرنے کے لیئے پکارا انہوں نے کہا۔ کہ ہم توردا کے رہنے والے ہیں۔ جو پاس ایک گانو ہے۔ اور اس جگہ یہ پھل جمع کرنے کے لیئے آئے ہیں۔ یہ پھل زرد رنگت کا اور بڑا مزیدار تھا کنول کا درخت ان ملکوں میں جہاں تک میں نے دیکھا ہے بہت ہے لیکن زیادہ تر کرتا الدامار کی ریتلی زمین میں بہت پایا جاتا ہے۔ بمبارا میں ہی بہت ہوتا ہے۔ بلکہ جس قدر وہاں ہوتا ہے۔ اور کہیں نہیں ہوتا۔ گیمبیا میں بھی میں نے یہ قسم دیکھی تھی۔

چونکہ یہ درخت ٹیونس میں بھی پایا جاتا ہے اور ملک حبش میں بھی۔ یہ پھل حبشیوں کو روٹی کا کام بھی دیتا ہے۔ اور نیز وہ لوگ ایک شیریں عرق کے ساتھ اسے کھاتے ہیں۔ اس لیئے اس میں کچھ شک معلوم نہیں ہوتا۔ کہ یہ وہی کنول ہے۔ جو میں نے بیان کیا ہے۔ کہ یہیں لوٹو پھگی کا کھانا ہے۔ جو روٹی میں نے کھائی۔ ایسی روٹیوں سے فوج کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ میں نے بھی لکھا ہے۔ کہ لبیا میں لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور چونکہ اس روٹی کا ذائقہ شیریں اور خوشگوار ہے۔ میرا غالباً خیال ہے کہ سپاہی اس کی شکایت نہ کرینگے۔ شام کے وقت ہم ایک گاؤں توردا میں پہنچے۔ جہاں سے بادشاہ کے تمام آدمی سوائے دو کے لوٹ گئے۔ جو میرے ساتھ جارا تک بدرقے کا کام دینے کے لیئے رہ گئے تھے۔

۵ فروری میں توردا سے روانہ ہوا۔ اور دو بجے کے قریب ایک بڑے قصبے میں جس کا نام فنگ کیدی تھا آیا۔ جب ہم اس قصبے میں پہنچے۔ تو یہاں کے باشندے بہت ڈر گئے۔ کیونکہ میرے ایک بدرقے نے پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ انہوں نے ہمیں قزاق سمجھا۔ یہ شبہ جلدی رفع ہو گیا۔ اور گیمبیا کے ایک سلاتی نے ہمیں بڑی خاطر داری سے اتارا۔ وہ اس گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اور اس کے گھر میں ہم فروکش ہوئے۔

۶ فروری۔ ابھی ہم اسی گاؤں میں مقیم تھے۔ کہ ہم کو معلوم ہوا۔ کہ چند لوگ

اس گاؤں سے اگلے دن چار آکوجانے والے ہیں۔ چونکہ راستے میں موروں سے بہت خدشہ تھا اس لئے ہم نے ٹھیرنے اور اُن کے ساتھ روانہ ہونے کا قصد کیا دو بجے کے قریب جب کہ میں پل کے چھپرے پر بیٹھا ہوا تھا چند ایک عورتوں کی چیخوں سے بیدار ہوا اور باشندوں کے درمیان میں نے بہت ہلچل اور شور دیکھا۔ پہلے تو میں ڈر گیا۔ کہ بمبارا والے اس جگہ آداخل ہوئے ہیں۔ لیکن اپنے لڑکے کو ایک کوٹھری کی چھت پر دیکھا میں نے آہستہ بلایا۔ اور پوچھا کہ کیا بات ہے۔ اُس نے مجھے اطلاع دی۔ کہ مور دوسری دفعہ مویشی چرانے کے لئے آئے ہیں اور چونکہ وہ اس جگہ کے قریب تھے میں بھی کوٹھری کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بڑی جماعت کو گاؤں کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ پانچ مور گھوڑوں پر سوار اُن کے پیچھے تھے۔ اور مویشیوں کو اپنی بندوقوں سے ہانکے لا رہے تھے جب وہ ان کنوؤں کے پاس پہنچے۔ جو اُس گاؤں کے قریب ہیں تو انہوں نے اُن جانوروں میں سے سولہ[16] سب سے عمدہ منتخب کئے۔ اور انہیں دوڑاتے ہوئے لے گئے۔ اس اثنا میں گاؤں کے پانچسو[500] اشخاص تیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور جب مور ان مویشی کو ہانک کر لے گئے۔ تو باوجودیکہ وہ بندوق کی زد پر تھے۔ مگر انہوں نے اُن موروں کا بالکل مقابلہ نہ کیا میں نے صرف چار[4] بندوقیں چھٹتی دیکھیں۔ چونکہ ان میں حبشیوں کی بنی ہوئی بارود ڈالی ہوئی تھی اُن کے چلنے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک نوجوان لڑکے کو جسے چند ایک آدمیوں نے سہارا دیا ہوا تھا۔ اور گھوڑے سے پیچھے پا کر گھر کو آہستہ آہستہ لا رہے تھے۔ دیکھا۔ یہ لڑکا اُن مویشی کے چرانے والوں میں سے تھا اس نے ان موروں کو برچھی مارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اُن کی بندوق سے زخمی ہو گیا تھا۔ اُس کی ماں غم سے دیوانہ وار آگے آگے چلتی تھی۔ کف افسوس ملتی اور اپنے فرزند کے اوصاف بیان کرتی تھی۔ اور جب وہ اُس لڑکے کو گھر کے دروازے پر لائے۔ تو اُس نے کہا۔ اے منو فونیو۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اے منو فونیو اپنے اس نے ہرگز جھوٹ نہیں بولا جب وہ اسے

اپنے گھر میں لے گئے۔ اور چٹائی پر رکھا۔ تو تمام آدمی اُس کی حالت پر افسوس کرنے لگے۔ اور نہایت افسوسناک طور سے چیخیں مارنا شروع کیا۔

جب اُن کا غم ذرا کم ہوا۔ تو اُنہوں نے مجھے زخم دیکھنے کے لیئے بلایا۔ میں نے دیکھا۔ گولی اُس کی ٹانگ سے پار نکل گئی تھی گھٹنے سے نیچے کی ہڈی دو ٹکڑے ہو گئی تھی۔ بیچارہ لڑکا خون کے نکل جانے کے سبب سے بے ہوش ہو رہا تھا۔ اور اُس کی حالت اس قدر نازک معلوم ہوتی تھی۔ کہ میں اُس کے عزیزوں کو تسلّی نہ دے سکا۔ پھر بھی یہ خیال کر کے کہ شاید وہ بچ جائے میں نے باتوں باتوں میں اتنی بات کہہ دی۔ کہ گھٹنے سے اس کی ٹانگ کاٹ دیں۔ اس بات سے ہر ایک آدمی مارے ڈر کے کانپ گیا۔ اُنہوں نے اس قسم کا علاج کبھی سنا بھی نہیں تھا۔ اس لیئے وہ کسی طور سے اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کر سکے۔ بلکہ اس تجویز کے پیش کرنے سے جو انہیں بے رحمی سے پُر معلوم ہوتی تھی۔ اور جس کے بارے میں اُنہوں نے کبھی سنا بھی نہیں تھا۔ مجھے وہ لوگ مردم خور خیال کرنے لگ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اس سے تو اُسے اور بھی تکلیف ہو گی۔ اس لیئے اُنہوں نے ایک بوڑھے بشیرین کو بلایا۔ جس نے آکر اُسے کلمۂ شہادت پڑھا دیا۔ اور اُسی دن شام کے وقت اُس کی جان نکل گئی۔

۷ فروری۔ میرے بدرقوں نے مجھ سے کہا۔ کہ مور قزاقوں سے بچنے کے لیئے بہتر ہے۔ کہ رات کے وقت سفر کیا جائے۔ اس لیئے فنک کیدی سے شام کے وقت ہم روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ تیس ۳۰ آدمی اور تھے۔ جو لڑائی کے ڈر کے مارے اپنا مال و اسباب لدا مار کو لے چلے تھے۔ ہم چپ چاپ آدھی رات تک چلتے رہے۔ اس کے بعد ہم ایک چھوٹے سے گاؤں کے پاس ٹھہرے۔ لیکن چونکہ آلۂ مقیاس الحرارت ۶۸ درجے پر تھا اس لیئے کوئی حبشی مارے سردی کے سو نہ سکا۔

۸ تاریخ کو دن چڑھے ہم نے پھر سفر کرنا شروع کیا۔ اور آٹھ بجے کے قریب سمبنگ کے پاس سے۔ جو لدا مار کا سرحدی گانو ہے۔ گزرے

یہ گاؤں دو چٹان دار پہاڑوں کے درمیان تنگ راستے میں واقع تھا۔ اور اس کے گرد ایک اونچی دیوار تھی۔ اس گاؤں سے میجر ہاگٹن کے پاس سے اس کے حبشی نوکر اس لئے جدا ہو گئے تھے۔ کہ وہ مور لوگوں کے ملک میں نہیں جانا چاہتے تھے۔ اس جگہ سے اس نے پنسل سے ڈاکٹر لیڈلی کو آخری خط لکھا تھا۔ یہ بہادر مگر کمبخت آدمی بہت ہی مشکلات پر کامیاب ہو کر شمالی رخ سفر کرنے لگا۔ اور لدامار کے ملک سے گزرنے کی کوشش کی۔ یہاں میں نے اس کی افسوسناک حالت کے متعلق مندرجہ ذیل حال سنا۔ جب وہ موضع جارا میں پہنچا۔ تو بعض مور سوداگروں سے جو تشیت کو جا رہے تھے اس کی واقفیت ہو گئی۔ یہ گاؤں اس جگہ کے قریب ہے۔ جہاں صحرائے اعظم میں نمک کی کانیں ہیں۔ اور شمال کی طرف دس دن کی راہ پر واقع ہے۔ میجر نے انہیں ایک بندوق اور کچھ تمباکو دے کر ان کے ساتھ وہاں جانے کے لئے بندوبست کر لیا۔ میجر اس کے اوپر خیال کرنا ممکن ہے۔ کہ موروں نے اسے یا تو اس راستے کے بارے میں جس میں سفر کرنا چاہتا تھا۔ یا جارا اور ٹمبکٹو کے ملک کی حالت کے بارے میں دھوکا دیا۔ ان کا ارادہ غالباً اسے لوٹنے اور جنگل میں چھوڑ جانے کا تھا۔ دو دن کے بعد اسے ان کی دغابازی پر شبہ ہوا۔ اور اس نے جارا کی طرف واپس لوٹنے کے لئے اصرار کیا۔ اسے واپسی کے ارادے میں پختہ معلوم کر کے موروں نے اس کی ہر ایک چیز لوٹ لی۔ اور اپنے اونٹ لے کر چل دئے۔ بیچارا میجر اس طور سے ہر ایک چیز لٹوا کر ایک پانی کے مقام پر جو موروں کے قبضے میں تھا۔ لوٹ آیا۔ اس نے چند روز سے کچھ کھانا نہیں کھایا تھا۔ اور چونکہ بے رحم موروں نے اسے کھانے کو بھی کچھ نہ دیا۔ اس لئے آخر وہ اپنے مصائب میں مبتلا ہو کر غرق ہو گیا یہ بات کہ وہ بھوک سے مر گیا۔ یا کسی اور شخص نے اسے مار ڈالا۔ معلوم نہیں ہے۔ اس کا جسم کھینچ کر جنگل میں لے گئے۔ چنانچہ مجھے دور سے انہوں نے وہ جگہ دکھلائی۔ جہاں اس نے جان دی تھی۔

سمبنگ سے شمال کی طرف چار میل کے فاصلے پر ہم پانی کی ایک چھوٹی
سی ندی پر آئے۔ جہاں ہم نے کئی ایک جنگلی گھوڑے دیکھے۔ ان سب
کا ایک ہی رنگ تھا۔ وہ ہمیں دیکھکر آہستہ آہستہ دوڑ گئے۔ اکثر ٹھہر ٹھہر کر
پیچھے بھی دیکھتے جاتے تھے حبشی کھانے کے لئے ان کا شکار کرتے
ہیں۔ اور ان کے گوشت کو بہت لذیذ خیال کرتے ہیں۔ دوپہر کے وقت ہم جارا
میں پہنچے۔ یہ بڑا قصبہ ہے۔ اور بعض چٹانی پہاڑوں کے دامن میں واقع
ہے۔

نواں باب

شہر جارا۔ موروں سے رکا جانا

شہر جارا بہت بڑا ہے۔ اس میں مٹی اور پتھر کے گھر بنے ہوئے ہیں۔
اور مٹی مصالحے کا کام دیتی ہے۔ یہ شہر لدامار کی سلطنت میں ہے جو موروں کا
مسکن ہے لیکن یہاں کے اکثر باشندے حبشی ہیں۔ جو جنوبی علاقوں
سے یہاں آکر اس لئے آباد ہوئے ہیں کہ موروں کی حفاظت میں
زندگی بسر کریں۔ چنانچہ وہ موروں کو کچھ خراج بھی دیتے ہیں۔ اس لئے
ان کے حملوں سے بچے ہوئے ہیں۔ انہیں بہت خراج دینا پڑتا ہے اور
اپنے محافظوں کے زیر ہو کر فروتنی سے رہتے ہیں اور مور ان سے
نہایت نفرت اور حقارت سے پیش آتے ہیں۔ اس علاقے کے مور
اور اور علاقوں کے مور جو حبشیوں کے ملک کے قرب وجوار میں ہیں
اپنے وجود کے لحاظ سے مغربی انڈیز کے باشندوں سے مشابہت
رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں اور ان میں امتیاز کرنا مشکل ہے لیکن
چونکہ موجودہ نسل شمال کے موروں اور جنوب کے حبشیوں کے
اختلاط کا نتیجہ ہے اسلئے ان میں دونوں قوموں کی بدترین صفات
پیدا ہو گئی ہیں۔

ان مور لوگوں کی اصلیت کے بارے میں جو بربر کے باشندوں سے فرق رکھتے ہیں۔ اور جن سے وہ بسبب صحرائے اعظم کے جدا ہو رہے ہیں بجز اس بیان کے جو جان لیو افریقی نے لکھا ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اور کوئی بیان مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اور وہ یہ ہے عرب کی فتوحات کے پیشتر جو ساتویں صدی کے وسط میں شروع ہوئیں افریقہ کے تمام باشندے خواہ وہ غدلیوں۔ فلشیون۔ رومیون۔ کارتھج والوں واندون یا گاتھ لوگوں کی نسل سے ہیں۔ مورے یا مور کے علم نام سے مشہور تھے۔ یہ تمام قومیں خلفاء کے عہد میں مسلمان ہو گئیں اس وقت نمدیا کے بہت سے قبیلے جو خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اپنے مولیشی کی پیداوار پر زندگی بسر کرتے تھے عربوں کے حملوں سے بچنے کے لئے صحرائے اعظم کے جنوب کی طرف ہٹ آئے۔ ان قبیلوں میں سے ایک قبیلے کو اُن کی رہائش کی جگہ معلوم ہو گئی جس نے ان تمام قوموں کو جو دریا نائیجر پر تھیں فتح کر لیا۔ نائیجر سے اس جگہ راقم کی مراد غالباً دریائے سینگال ہے۔ جسے منڈنگو کی زبان میں نفنگ یعنے کالا دریا کہتے ہیں۔ یہ بات معلوم کرنا کہ اب یہ لوگ کس درجے تک پھیلے ہوئے ہیں مشکل ہے۔ اس بات کے مشکل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اُن کی سلطنت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور سینگال کے دہانے سے ابیسینیا کی حدود تک چلی گئی ہے۔ یہ لوگ بڑے چالاک اور حیلہ باز ہیں۔ اور سیدھے سادے حبشیوں کو اپنے دام میں لے آتے ہیں۔ لیکن اُن کے اطوار اور عام عادات اس بیان سے جو درج ہوگا اچھی طرح سے معلوم ہو جائیں گے

ان مشکلات سے جو پہلے ہم برداشت کر چکے تھے۔ ملک کی غیر مطمئن حالت نے اور سب سے زیادہ موروں کے وحشیانہ اور ناقابل برداشت رویہ نے میرے ہمراہیوں کو اس قدر ڈرا دیا تھا کہ انہوں نے کہا۔ کہ نہ ہم انعام لیتے ہیں۔ اور نہ مشرق کی طرف ایک قدم آگے بڑھتے ہیں۔

واقعی موروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے اور غلامی میں بکنے کا جو خطرہ تھا
روز بروز غالب ہوتا جاتا تھا۔ اور میں اُن کے خطرات کی تردید بھی نہیں کر سکتا
تھا۔ اس حالت میں اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہونا مناسب سمجھا۔ اور
اس بات پر خیال کرکے کہ نہ پیچھے بسبب لڑائی چھڑ جانے کے جا سکتا
ہوں اور نہ آگے موروں کے ملک میں جو دس ۱۰ دن کا راستہ ہے۔ قدم
دھر سکتا ہوں۔ میں نے دمن سے درخواست کی کہ وہ علی لدامار کے
بادشاہ سے اجازت لے آوے۔ تاکہ میں اُس کے ملک سے بلا کسی
قسم کی تکلیف کے بمبارا میں چلا جاؤں۔ اور میں نے دمن کے ایک غلام
کو اُس جگہ کا راستہ بتانے کے لئے ساتھ لے لیا۔ اور ارادہ کر لیا۔ کہ
جب اجازت آجائے۔ تو ادھر کو روانہ ہو جاؤں۔ اس لئے ایک قاصد
علی کی طرف جو اُس وقت بنیوم میں ڈیرہ ڈالے پڑا تھا۔ روانہ کیا گیا۔
اور چونکہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے تحفہ بھیجنا ضروری تھا۔ اس لئے
اُسے پانچ پوشاکیں سوتی کپڑے کی جو دمن کو بندوق دے کر میں نے
خریدی تھیں بھیجیں۔ اس کام کے فیصلہ کرنے میں چودہ ۱۴ روز بسر ہو گئے
لیکن چھبیس ۲۶ فروری کی شام کو علی کا ایک غلام یہ ہدایت لے کر آیا کہ وہ
مجھے صحیح و سلامت گوبا تک لے جائیگا۔ اور وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے
نیلے کپڑے کی ایک پوشاک اس ہمراہی کے صلے میں دینا۔ میرے
وفادار لڑکے نے معلوم کرکے کہ میں اُس کے بغیر جانا چاہتا ہوں۔ میرے
ساتھ چلنے کا ارادہ کیا۔ اور کہا کہ گو میں چاہتا تھا کہ تم واپس چلتے۔
میرے دل میں تمہیں چھوڑنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔ بلکہ جانسن نے مجھے
یہ صلاح دی۔ کہ تم گیمبیا کی طرف لوٹ چلو۔

ستائیس ۲۷ فروری۔ میں نے اپنے اکثر کاغذات جانسن کو گیمبیا کی طرف
لے جانے واسطے دے دئیے۔ اور اُن کی نقل اپنے پاس رکھ لی۔ تاکہ
اگر جانسن کسی مصیبت میں پڑ کر ہلاک ہو جائے۔ تو کام آئے۔ ایسے ہی
دمن کے پاس میں نے اپنے کپڑے چھوڑے۔ اور اور چیزیں بھی جو

چنداں ضروری نہیں تھیں۔ اُس کے حوالے کیں۔ اور اپنے اسباب کو جہاں تک ممکن ہو سکا۔ اس لئے کم کر دینے کی کوشش کی کہ موروں کو مجھے لوٹنے کا موقع نہ ملے۔ جب ہر طرح سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو لیا۔ تو میں دوپہر کے وقت جارا سے روانہ ہوا۔ اور توم کوبیا میں جو ایک چھوٹا دیوار دار گاؤں ہے۔ سو رہا۔ اس میں حبشی اور مور لوگ رہتے ہیں۔ اگلے دن یعنے ۲۸ فروری کو ہم تریٹین پہنچے۔ اور انتیس تاریخ کو ریتیلے ملک میں سفر کر کے اور نہایت تھک کر کوپ میں جو مور لوگوں کے قبضے میں ہے۔ اور جہاں پانی بکثرت ہے آئے۔ اس جگہ سے اگلے روز دینہ میں جو بڑا شہر ہے۔ اور جارا کی طرح پتھر اور مٹی کا بنا ہوا ہے پہنچے۔ اس جگہ مور لوگ حبشیوں کی نسبت زیادہ ہیں وہ اُس حبشی کے گھر کے گرد جس میں میں اُترا ہوا تھا۔ جمع ہو گئے۔ اور میرے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئے۔ اُنہوں نے مجھے ستایا۔ گالیاں دیں۔ میرے منہ پر تھوکا۔ اور جہاں تک اُن سے ہو سکا۔ مجھے چھیڑنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور میرا مال لوٹ لینے کے لئے ہر طور سے کوشش کی۔ لیکن پھر یہ معلوم کر کے کہ ان باتوں سے اُن کا مطلب حاصل نہ ہو گا۔ اُن کو میرے عیسائی ہونے کی کافی وجہ مل گئی۔ اور اس طور سے میرے مال کو لے لینا اُنہوں نے جائز تصور کیا۔ اس لئے اُنہوں نے میری گٹھڑیوں کو کھولا۔ اور جو چیز اُنہیں اچھی لگی اُنہوں نے لے لی۔ میرے ساتھیوں نے یہ معلوم کر کے کہ ہر آدمی آئیگا۔ لوٹنے کی کوشش کریگا۔ جارا کی طرف لوٹ جانے کی مجھے صلاح دی۔ اگلے روز یعنے ۲ مارچ کو میں نے اپنے ساتھیوں کو آگے لے جانے کے لئے جہاں تک مجھ میں قوت تھی۔ کوشش کی لیکن پھر بھی اُنہوں نے میری بات کو نہ مانا۔ اور موروں سے ڈرنے کی کافی وجہ پا کر واپس جانے پر آمادہ ہو گئے میں نے تنہا جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس لئے اگلے دن دو بجے کے وقت میں دینا سے روانہ ہوا۔ رات چاندنی تھی لیکن جنگلی جانوروں کے سبب سے احتیاط مدّ نظر رکھنی پڑتی تھی جب

ہیں اُس شہر سے نصف میل کے فاصلے پر ایک بلند جگہ پر پہنچا
میں نے ایک شخص کو آوازیں مارتے سنا - اور جب میں نے پیچھے مڑ
کر دیکھا - تو اپنے وفادار لڑکے کو دوڑتے ہوئے آتے پایا -
اُس نے آکر مجھ سے کہا - کہ علی کے آدمی بینوم کو چلے گئے ہیں اور
دمن کا حبشی جارا کو جانے والا ہے - لیکن اُس نے کہا کہ کچھ
شک نہیں کہ اور دوسرے ہمارے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ
ہو جائیں بشرطیکہ ہم ذرا ٹھہریں - اس لئے میں ٹھہر گیا - اور ایک
گھنٹے کے عرصے میں وہ اُس حبشی کو لے کر واپس آیا - اور ہم
نے ریتلے ملک پر سفر کرنا شروع کیا - یہاں تک کہ دوپہر کے وقت
ہم چند ایک گھروں کے پاس جو خالی پڑے ہوئے تھے پہنچے
اور تھوڑی دور پانی کا نشان معلوم کر کے میں نے اپنے لڑکے
کو مشکیزہ بھرنے کے لئے روانہ کیا - لیکن جب وہ پانی کی تلاش
کر رہا تھا - تو اُس نے ایک شیر کو جو غالباً پانی کی تلاش میں تھا -
غراتے سُنا - جس سے وہ ڈر کر جلدی واپس چلا آیا - اور ہم نے
صبر سے پیاس بالیوسی کی برداشت کی - سہ پہر کے وقت ہم
ایک گاؤں میں جہاں خاص کر وہ فولاہ آباد تھے - جنہیں سمانگ
کوئسن کہتے ہیں - پہنچے -

اگلے روز لیتے ہم مارچ کو ہم سمپاکا کی طرف روانہ ہوئے جہاں
ہم دو بجے کے قریب پہنچے - راستے میں ہم نے بے شمار ٹڈیاں
دیکھیں - درخت اُن سے کالے ہو رہے تھے - سمپاکا بڑا گاؤں
ہے - جب موروں اور اہل بمبارا میں لڑائی ہو رہی تھی - تو موروں
نے تین دفعہ اس پر حملہ کیا تھا - مگر بڑا نقصان اُٹھا کر پس پا
ہوئے تھے - لیکن آخر بمبارا کا بادشاہ مجبور ہو کر اطاعت اختیار
کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا - اور صلح کرنے کے لئے گومبا
تک جس قدر علاقہ تھا - اُسے دینا پڑا تھا - اُس جگہ میں ایک حبشی

کے گھر میں جو بارود بنایا کرتا تھا۔ اُترا اُس نے مجھے نائیٹر یعنی شورے کا
جو بہت سفید تھا۔ ایک تھیلہ دکھلایا۔ لیکن اُس کے ذرات بہ انسبت عام
شورے کے بہت چھوٹے تھے۔ یہ لوگ تالابوں سے اسے بکثرت
جمع کر لیتے ہیں جو برسات کے موسم میں بھر جاتے ہیں۔ یہیں دھوپ
کی حرارت سے آرام کرنے کے لئے مواشی بیٹھ جایا کرتے ہیں جب
پانی بخار بن کر اُڑ جاتا ہے۔ تو کیچڑ کے اوپر ایک سفید سی چیز نظر
آتی ہے۔ جسے وہاں کے باشندے اکٹھا کر کے ایسے طور سے
صاف کر لیتے ہیں کہ اُن کا کام نکل آتا ہے۔ مور اُنہیں بحیرۂ روم
سے گندھک لادیتے ہیں۔ چنانچہ مختلف اشیاء کو ایک لکڑی کے
اُوکھل میں کوٹ کر اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ یہ ذرات غیر مساوی ہوتے
ہیں۔ اس کے چھٹنے کی آواز یورپ کی بارود کے موافق تیز
ہوتی ہے۔

پانچ مارچ دن چڑھے ہم سمپاکا سے روانہ ہوئے۔ دوپہر
کے وقت تھوڑی دیر کے لئے ہم ایک گاؤں ڈادگولی نام میں
ٹھہرے۔ اور شام کے وقت ڈلی میں پہنچے۔ ہم نے سڑک پر اونٹوں
کے دو گلوں کو چرتے دیکھا۔ جب مور اپنے اونٹوں کو چرنے کے لئے
چھوڑتے ہیں۔ تو وہ اُن کے آوارہ ہو جانے کو باز رکھنے کے لئے
اُن کی ایک اگلی ٹانگ باندھ دیتے ہیں۔ آج کے دن ڈلی میں ضیافت
تھی۔ اور لوگ ددقی کے گھر کے سامنے ناچ رہے تھے۔ لیکن جب
اُنھوں نے سنا کہ اُن کے گاؤں میں ایک سفید آدمی آیا ہے تو
اُنھوں نے ناچنا چھوڑ دیا۔ اور اُس جگہ آئے۔ جہاں میں فروکش
ہوا تھا۔ دو دو کی قطار باقاعدہ آتی تھی۔ اور اُن کے آگے ڈھول
بج رہا تھا۔ وہ ایک قسم کی بانسری بجاتے تھے۔ لیکن بجائے
سوراخ کے جو بانسری کے ایک طرف ہوتے ہیں وہ اُس کے سرے پر
جو آدھا لکڑی کے تپلے ٹکڑے سے ڈھنپا ہوتا ہے پھونک مارتے

ہیں۔ سوراخوں کو اپنی انگلیوں سے کھولتے بند کرتے ہیں۔ اور بہت سادہ نامیں اور صاف صاف سُر کے ساتھ بجاتے ہیں۔ وہ آدھی رات تک ناچتے گاتے ہیں۔ اس اثنا سے میں اُن کی اس قدر بھیڑ لگ گئی کہ مجھے اُن کی راز جوئی کو سیر کرنے لئے بیٹھنا پڑا۔

۶ مارچ۔ آج کے دن ہم اس جگہ اس لئے ٹھہر گئے کہ یہاں سے چند آدمی گومبا کی طرف جانے والے تھے اور وہ ہمارے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن آدمیوں کی بھیڑ کو روکنے کے لئے جو عموماً شام کو جمع ہو جاتی تھی۔ ہم ڈلی کے مشرق کی طرف حبشیوں کے گاؤں میں چلے گئے اُس گاؤں کے حاکم نے ہماری بہت خاطرداری کی اس موقع پر اُس نے دو بھیڑیں ذبح کیں۔ اور اپنے دوستوں کو بھی دعوت میں مدعو کیا۔

سات مارچ۔ ہمارا میزبان سفید آدمی کی ضیافت کرنے کے سبب اس قدر فخر کرتا تھا کہ اُس نے مجھ سے درخواست کی کہ جب تک شام نہ آئے تب تک اُس کے ہاں ٹھہروں۔ اور کہا کہ پھر میں تمہیں دوسرے گاؤں میں چلکر چھوڑ آؤں گا چونکہ اب گومبا دو دن کی راہ تھا مجھے موروں سے کوئی خدشہ نہ رہا۔ اور میں نے اُس کی بات مان لی سچ تو یہ ہے کہ دوپہر کا وقت ان بیچارے حبشیوں کے ساتھ بڑی خوشی اور خورمی سے کاٹا۔ اُن کی صحبت کو میں نے زیادہ تر اس لئے پسند کیا کہ اُن کے اطوار و عادت کی سادگی موروں کی تندی اور تیزی سے بالکل مخالف تھی۔ اُنہوں نے شراب پی کر جو غلے کی بنی ہوئی تھی اتنا وقت بڑے مزے سے بسر کیا۔ یہ شراب اُسی قسم کی تھی جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ برطانیہ کلاں میں بھی میں نے اس سے عمدہ شراب نہیں پی۔

اس بے غرض ضیافت کے وقت میں اس لئے مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا تھا۔ کہ موروں سے جو خطرہ تھا۔ جاتا رہا تھا۔ میں اپنی چشم تصور سے دریائے نائیجر کو پہلے سے دیکھ رہا تھا۔ اور اپنے آئندہ سفر میں ہزاروں خوبصورت نظاروں کا خیال کر کے خوش ہو رہا تھا کہ ناگہاں

سوروں کی ایک جماعت اُس کوٹھڑی میں جہاں میں تہا۔ داخل ہو گئی۔ اور میرے اس عیش اب خوش کو پراگندہ کر دیا۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ ہم علی کے حکم سے آئے ہیں۔ اور تمہیں بنیوم میں لے جانا چاہتے ہیں اور ساتھ اس کے کہنے لگے۔ کہ اگر تم امن سے چلے چلو گے۔ تو کوئی بات خطرے کی نہیں لیکن اگر انکار کرو گے۔ تو ہم تمہیں جبراً لے چلینگے۔ میں مارے دہشت اور خوف کے چپ ہو رہا جس پر موروں نے مجھے یہ کہکر تسلّی دی۔ کہ مجھے ڈرنا نہیں چاہئیے۔ کیونکہ بادشاہ نے تمہیں اس لئے طلب کیا ہے۔ کہ اُس کی بیوی فاطمہ نے جس نے عیسائیوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ وہ ان کو دیکھنا چاہتی ہے۔ اگر تم اُس کی خواہش کے موجب وہاں چلے چلو گے۔ تو اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ علی تمہیں ایک اعلےٰ درجے کا تحفہ دیگا۔ اور ایک آدمی ساتھ دے کر بمبارا کی طرف بھیج دیگا۔ چونکہ اُن کا مقابلہ کرنا یا منت خوشامد کے ساتھ بھی اُن سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے میں اُن کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ اور بڑے افسوس کے ساتھ میں نے اپنے میزبان اور اس کے دوستوں سے رخصت لی۔ اور صرف اپنے وفادار لڑکے کو ہمراہ لیا۔ کیونکہ ڈمن کا غلام موروں کو دیکھتے ہی بھاگ گیا تھا۔ شام کے وقت ہم ڈلی میں پہنچے۔ جہاں کے لوگ رات کے وقت ہم کو غائرانہ نگاہوں سے تاڑتے رہے۔

۹ مارچ۔ ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اور سہ پہر کے وقت سمپاکا میں پہنچے اگلے دن یعنی ۱۰ مارچ کو سماننگ کوس کو ہم روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہمیں ایک عورت اور دو لڑکے مع ایک گدھے کے ملے۔ اُن کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ بمبارا کی طرف جا رہے تھے۔ لیکن راستے میں موروں کی ایک جماعت نے اُنہیں ٹھہرا کر بہت سے کپڑے اور سونا وغیرہ اُن سے چھین لیا تھا۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک رمضان کا چاند ختم نہیں ہو لیتا۔ میں دنیہ کو لوٹ نہ آتی ہوں۔ اسی دن شام کے وقت نیا چاند چڑھا۔ اور رمضان کا مہینہ آ گیا۔ شہر کے مختلف حصوں میں بڑی آگ روشن کی گئی۔ اور روزانہ معمول سے اُس روز زیادہ روٹیاں پکائی گئیں۔

۱۱ مارچ۔ جب دن چڑھا تو مور چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن چونکہ میں نے سڑک پر مارے پیاس کے بہت تکلیف اُٹھائی تھی۔ اپنے لڑکے سے سو فرد بھرنے کے لئے کہا۔ موروں نے بیان کیا۔ کہ وہ شام تک نہ کچھ کھائینگے اور نہ پئینگے۔ مگر میں نے معلوم کیا کہ دھوپ کی سخت گرمی اُن پر غالب آگئی اور میرا سو فرد سفر کے درمیان کمتنم شمار کیا جانے لگا۔ جب ہم دینہ میں پہنچے۔ تو علی کے ایک بیٹے کو میں سلام کرنے کے لئے گیا۔ میں نے اُسے ایک پست کوٹھڑی میں بیٹھے پایا۔ اُس کے ساتھ پانچ اور اُس کے ساتھی بھی تھے۔ اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو بار بار دھو رہے تھے۔ اور منہ میں پانی ڈالتے تھے اور غرارے کر کے پھر تھوک دیتے تھے۔ جونہی میں بیٹھا۔ اُس نے ایک دو نالی بندوق میرے ہاتھ میں پکڑا ئی۔ اور مجھ سے کہا۔ کہ اس کی رنجک کو رنگ دو۔ اور اس کے گھوڑے کو درست کرو۔ مجھے اس بات کے سمجھانے میں کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ بہت مشکل پیش آئی۔ پھر اُس نے کہا۔ اچھا اگر تم اسے درست نہیں کر سکتے۔ تو مجھے کچھ قینچیاں اور چاقو ہی دو۔ اور جب میرے لڑکے نے جو ترجمان کا کام کرتا تھا۔ اُسے یقین دلایا۔ کہ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے تو اس نے فوراً ایک بندوق ہاتھ میں لی۔ اور اُس کے منہ کو لڑکے کے کان کے پاس لے کے چلانے ہی لگا تھا۔ کہ اُس کے ساتھیوں نے اُٹھکر بندوق کو اُس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور مجھیں چلا جانے کے لئے اشارہ کیا۔

۱۲ مارچ۔ ہم دینا سے روانہ ہوئے۔ اور ۹ بجے کے وقت کوری میں آئے جہاں سے مور جنوب کی طرف پانی کی کمی کے سبب روانہ ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس جگہ ہم نے سو فر دبھرا۔ اور گرم رتیلے ملک پر جس میں چھوٹے چھوٹے ٹنڈ منڈ درخت بھی اُگے ہوئے تھے۔ سفر کرنے لگے۔ مگر دوپہر کے وقت گرمی اس قدر سخت ہو گئی۔ کہ ہم ٹھہرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ لیکن جب ہمارا پانی ختم ہو گیا۔ تو ہم نے ایک قسم کے گوند کو جو یہاں ہوتی ہے۔ اور پانی کی بجائے کام دے جاتی ہے۔ اکٹھا کیا۔ اس سے منہ تر رہتا ہے۔ اور پیاس کے مارے گلے میں جو خراش ہوتی ہے۔ وہ دُور ہو جاتی ہے۔

پانچ بجے کے وقت میں بنوم جہاں علی رہتا تھا۔ نظر آیا۔ اس جگہ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ چند ایک سیاہ تنبو ایک وسیع قطعہ زمین پر پراگندہ لگے ہوئے ہیں۔ اور ان کے درمیان بہت اونٹ مویشی اور بکریاں وغیرہ ہیں۔ ہم اُس میں آفتاب کے غروب سے ذرا پیشتر پہنچے۔ اور بڑی منت سے تھوڑا سا پانی لیا جونہی لوگوں کو میرے آنے کی خبر ہوئی۔ اسی وقت مرد۔ عورتیں۔ بچے جن میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے۔ میری طرف آئے۔ اور میں نے اپنے تئیں اس قدر بھیڑ میں گھرا ہوا پایا۔ کہ میں حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کسی نے تو میرے کپڑے کھینچے۔ اور کوئی میری ٹوپی لے گیا۔ اور کسی نے میرے کوٹ کے بٹن دیکھنے کے لئے مجھے ٹھیرا لیا۔ اور کسی نے کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ۔ پڑھا۔ اور دھمکا کر کہا۔ کہ میں بھی یہ کلمہ پڑھوں۔ آخر ہم بادشاہ کے خیمے میں پہنچے۔ جہاں ہم نے اور بہت سے لوگوں کو پایا۔ علی ایک کالے چمڑے کی مسند پر بیٹھا ہوا اپنی لبیں کتر رہا تھا۔ اور ایک عورت ہاتھ میں شیشہ پکڑے ہوئے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ عربی نسل کا بوڑھا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اور اس کی داڑھی بہت لمبی اور سفید تھی۔ اور اسکی صورت دیکھکر انسان پر رعب چھا جاتا تھا۔ اُس نے بڑے غور سے از سر تا پا مجھے دیکھا۔ اور پھر اپنے ساتھ والوں سے پوچھا۔ کہ آیا میں عربی بول سکتا ہوں یا نہیں۔ جب اُسے جواب نفی میں ملا۔ تو وہ حیران ہو کر چپ ہو رہا۔ پاس کے آدمی اور خاص کر عورتیں مجھے پوچھ پوچھ کر دق کرتی تھیں۔ انہوں نے کوئی ہزاروں مجھسے سوال کئے۔ اور میرے لباس کا ہر ایک حصہ دیکھا میری جیبوں کو ٹٹولا۔ میرے ولیسٹ کوٹ کو کھلوایا اور میرے چمڑے کی سفیدی کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھا۔ انہوں نے میرے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں بھی گنیں۔ گویا کہ انہیں اس بات میں بھی کہ آیا میں انسان ہوں یا نہیں۔ شک تھا۔ تھوڑی دیر میں موذن نے نماز مغرب کی اذان دی۔ لیکن اُن کے جانے سے پہلے وہ مور جو بطور ترجمان کے میرے پاس تھا۔ مجھے کہنے لگا۔ کہ مجھے بھی کچھ کھانے کو دیگا۔ اور جب میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ کہ لڑکے ایک جنگلی سور لائے۔ اور انہوں نے

خیمے کے ایک کیلے سے باندھ دیا۔ اور علی نے مجھے اشارہ کیا۔ کہ اسے ذبح کر کے رات کا کھانا تیار کر دوں۔ گو میں بھوکا تھا۔ مگر میں نے اس بات کو مناسب نہ سمجھا۔ کہ وہ جانور جس سے موروں کو اس قدر نفرت ہے کھاؤں اس لئے میں نے اُسے کہا۔ کہ میں نے کبھی سؤر نہیں کھایا پھر اُنہوں نے سؤر کو کھول دیا۔ اُنہیں اُمید تھی کہ وہ مجھ پر حملہ کریگا۔ کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ سؤروں اور عیسائیوں میں بڑی دوستی ہے۔ لیکن اس میں اُنہیں ناامیدی ہوئی۔ جونہی وہ جانور آزاد ہوا۔ بلا امتیاز کے ہر ایک ایسے شخص پر جو اُس کے راستے میں آیا۔ حملہ کرنے لگا۔ اور آخر اُس پلنگ کے نیچے جس پر بادشاہ بیٹھا ہوا تھا پناہ لی جب اس طور سے مجلس برخاست ہوئی مجھے علی کے ایک خاص غلام کے خیمے میں لے گئے لیکن مجھے نہ تو اس میں داخل ہونے اور نہ کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی اجازت دی گئی جب میں نے کچھ کھانا مانگا۔ تو اُنہوں نے تھوڑا سا اُبلا ہوا اناج اور نمک اور پانی لکڑی کے برتن میں بھیج دیا۔ اور خیمے کے سامنے ریت پر چٹائی بچھائی گئی۔ اس پر میں نے اس حال میں کہ وہ راز جو شب بھر میرے گرد موجود ہے۔ رات بسر کی جب سورج چڑھا۔ تو علی اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر مجھے دیکھنے آیا۔ اور بیان کیا کہ اُس نے میرے لئے ایک کوٹھڑی تیار کرائی ہے۔ جہاں میں آفتاب سے پناہ لے سکتا ہوں۔ اس لئے مجھے وہاں لے گئے۔ اس جگہ پہنچ کر میں نے اُس کوٹھڑی کو نسبتاً سرد اور آرام دہ پایا۔

جونہی میں اپنے اس نئے گھر میں جا کر بیٹھا۔ تو نہی سینکڑوں موروں کی مجھے دیکھنے کے لئے بھیڑ لگ گئی۔ یہانتک کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی ایک نے مجھے موزہ اُتارنے اور اپنا پاؤں دکھلانے کے لئے مجبور کیا حتےٰ کہ اس نے میرے جیکٹ اور ویسٹ کوٹ کو بھی اُتروایا۔ اور یہ معلوم کرنا چاہا۔ کہ کیسے میں انہیں پہنتا اور اُتارتا ہوں۔ بٹنوں کی عجیب بناوٹ کو دیکھکر وہ بہت خوش ہوئے۔ جو شخص مجھے دیکھنے آیا۔ اُسی کے آگے

بار بار مجھے کپڑے اتارنے پہننے پڑتے۔ یہاں تک کہ رات تک یہی حال رہا
آٹھ بجے کے وقت علی نے مجھے کچھ کوس کو نمک اور پانی بھیجا۔ جسے میں
نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ صبح سے صرف مجھے یہی ایک کھانا ملا تھا۔
میں نے دیکھا کہ رات کے وقت مور باقاعدہ طور پر میری نگہبانی کرتے
ہیں۔ اور اکثر میری کوٹھڑی اس بات کے لئے کہ آیا میں سویا ہوا ہوں یا نہیں
دیکھتے ہیں۔ اگر اندھیرا ہوتا تو وہ گھاس کا مٹھا جلا کر دیکھتے۔ دو بجے صبح کو
ایک مور غالباً کچھ چرانے کے لئے میری کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ یا شاید
اس کا ارادہ مجھے مار ڈالنے کا تھا۔ اور ادھر اُدھر ٹٹول کر اس نے اپنا ہاتھ
پھیر رکھ دیا۔ چونکہ رات کے آنے والوں پر شبہ ہو سکتا تھا۔ جونہی اس
نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا میں اٹھ بیٹھا۔ اور مور کو نکلنے کے لئے
جاری کرتے ہوئے میرے لڑکے سے گھس لگی۔ اور وہ منہ کے بل
جنگلی سور کے اوپر گر گیا۔ تو اس نے اس کے بازو پر کاٹ کھایا۔ اس آدمی کی
چیخوں سے بادشاہ کے خیمے کے لوگ جاگ اٹھے۔ اور آپس میں باتیں
کرنے لگے کہ میں بھاگ گیا ہوں۔ ان میں سے چند ایک گھوڑوں پر سوار
ہو کر میرا پیچھا کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا۔
کہ علی اپنے خیمے میں نہیں سویا ہوا تھا۔ بلکہ ایک سفید گھوڑے پر سوار
ہو کر دور کے کیمپ سے آیا تھا۔ ابھی اس شخص کی ظالمانہ [illegible]
سے اس کے اپنے آدمی اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ اسے اپنے غلاموں
سے بھی پوشیدہ سونا پڑتا تھا۔ جب موروں نے اس شور و غوغا کا
باعث اس کے پاس بیان کیا تو وہ چلا گیا۔ اور مجھے صبح تک آرام سے
سونے کی اجازت دی گئی۔

۱۳ مارچ۔ جب دن چڑھا۔ پھر لوگ اسی طرح سے مجھے دق کرنے لگے
لڑکے سور کو ارنے کے لئے اور عورتیں عیسائی کو تنگ کرنے کے
لئے جمع ہو گئیں۔ ایسے لوگوں کے چال چلن کو جو ایذا رسانی کا بطور
علم کے مطالعہ کرتے ہیں۔ اور اپنے ہم جنسوں کے مصائب اور تکالیف

سے خوش ہوتے ہیں بیان کرنا ناممکن ہے۔

دسواں باب

موروں کی شادی

گو مور خود تو بہت سست ہیں لیکن جو آدمی اُن کے تحت میں ہوں
اُن سے خوب کام لیتے ہیں۔ میرے لڑکے ڈیمبا کو علی کے گھوڑوں
کے لئے گھاس لانے کو بھیجا جاتا تھا۔ اور میری نسبت بہت سی
تجاویز کرنے کے بعد اُنہوں نے جو کام نکالا۔ وہ حجام کا معزز کام تھا
اول تو مجھے اس کام کی قابلیت شاہی حضور میں ظاہر کرنی پڑی۔ اور
لہذا مجھے شاہزادے کے سر کے مونڈنے کا شرف ملا۔ اسلئے
میں ریت پر بیٹھا۔ اور لڑکا کسی قدر تامل کے بعد میرے آگے بیٹھ
گیا۔ ایک چھوٹا اُسترہ جو تین انچ لمبا تھا۔ میرے ہاتھ میں پکڑایا گیا۔ اور
مجھے مونڈنے کے لئے حکم ہوا۔ لیکن یا تو اس کام کو نہ جاننے کے سبب
سے میں نے اس کام کو شروع کرتے ہی لڑکے کے سر کو ذرا زخمی
کر دیا۔ اور بادشاہ نے اس بیڈھنگے طرز کو جس سے میں نے اُسترہ
پکڑا ہوا تھا۔ نتیجہ نکالا۔ کہ اُس کے بیٹے کا سر بہت نامناسب ہاتھوں
میں تھا۔ اور اُس نے مجھے حکم دیا کہ اُسترہ چھوڑ دوں۔ اور خیمے سے
باہر چلا جاؤں۔ اسے میں نے اپنے لئے بہت مبارک خیال کیا۔ کیونکہ
بغیر اسکے آزادی حاصل کرنے کے لئے اور کوئی طریق نہیں تھا۔

۸ مارچ۔ چار مور جارا سے میرے ترجمان جانسن کو لئے ہوئے آئے
پیشتر اسکے کہ اُسے میرے قید ہونے کا حال معلوم ہو۔ اُنہوں نے
اُسے پکڑ لیا تھا۔ اور اپنے ساتھ اُن کپڑوں کے گٹھے بھی لے آئے
تھے۔ جو میں ڈمن جلہ کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ تا کہ اگر میں جارا کے راستے
سے لوٹوں۔ تو میرے کام آئیں۔ جانسن کو اول علی کے خیمے میں لے گئے

یہاں اسکی تلاشی لی گئی۔ گٹھڑیں کھولی گئیں۔ اور ہر ایک چیز کا استعمال
بتانے کے لئے مجھے طلب کیا گیا۔ یہ معلوم کرکے کہ جانسن نے دن کی
ایک جورو کو میرے کاغذات حوالے کئے ہیں خوش ہوا جب میں مختلف
کپڑوں کا استعمال بتا کہ علی کی رازجوئی کو سیر کر چکا۔ تو بنڈل باندے گئے
اور ایک بڑی گائے کے چمڑے میں جو خیمے کے ایک کونے میں پڑا ہوا
تھا۔ رکھے گئے۔ اسی رات علی نے تین آدمیوں کو کہلا بھیجا کہ گرد و نواح
میں بہت چور آئے ہوئے ہیں۔ اور میری چیزوں کے بچانے کے لئے
صرف یہی طریق باقی ہے کہ وہ اس کے خیمے میں لے جائی جائیں۔ میرے
کپڑے۔ اوزار۔ غرضیکہ ہر ایک چیز جو میرے پاس تھی۔ اس کے خیمے
میں لے گئے۔ اور گرمی اور خاک کے سبب نئے لباس کو پہننا بہت ضروری
اور تازگی بخش تھا۔ میں اُسے تھوڑے سے ذخیرے سے جو باقی رہ گیا
تھا۔ ایک قمیص بھی نہیں لے سکتا تھا۔ جب علی نے میرے اسباب میں
سونا اور وہ چیزیں جن کی اُسے اُمید تھی۔ نہ پائیں۔ تو وہ مایوس ہوا۔ لیکن
اسلئے کہ اُسے پورا یقین ہو جائے۔ اس نے اگلے روز صبح کو وہی
آدمی بھیجے تاکہ وہ دیکھیں کہیں میں نے کوئی چیز چھپائی تو نہیں ہے
اُنہوں نے اپنی معمولی تندہی کے ساتھ میرے لباس کے ہر ایک حصے کی
تلاشی لی۔ اور جس قدر میرے پاس سونا رہ گیا تھا۔ وہ اور میری گھڑی
اور کمپاس لے لئے۔ خوش قسمتی سے رات کے وقت میں نے دوسرا کمپاس
زمین میں دفن کر دیا تھا۔ اور صرف یہ کمپاس اور وہ کپڑے جو میں نے
پہنے ہوئے تھے میرے پاس علی نے رہنے دئے تھے۔

سونا اور عنبر موروں کے حرص کو تسلی دینے کے لئے بہت کافی تھا۔
لیکن کمپاس کو دیکھکر اُن کی رازجوئی حرکت میں آئی۔ علی کو اس بات کے معلوم
کرنے کی بڑی آرزو تھی۔ کہ کیوں لوہے کا وہ چھوٹا ٹکڑا اور سوئی ہمیشہ
صحرائے اعظم کی طرف رہتی تھی۔ پس میں نے اس سوال کا جواب دینے
میں اپنے تئیں مضطرب پایا۔ اگر میں انکار کرتا۔ تو انہیں اور بھی شک ہوتا۔

کہ میں ان سے حقیقتِ واقعی کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے میں نے اُس سے کہا۔ کہ میری والدہ صحرائے اعظم سے بہت دور رہتی ہے۔ جب تک وہ زندہ ہے۔ یہ لوہے کا ٹکڑا ہمیشہ اُس طرف کو رہیگا۔ اور مجھے اُس کے پاس لے جانے کا کام دیگا۔ اور اگر وہ مر گئی۔ تو پھر یہ اُس کی قبر کی طرف اشارہ کریگا۔ علی نے اب اُس کپاس کی طرف اور تحیر سے دیکھا۔ بار بار اُسے ادھر اُدھر گھمایا۔ لیکن معلوم کر کے کہ یہ ہمیشہ ایک ہی طرف رہتا ہے۔ اُس نے بڑی خبرداری سے اُسے اٹھایا۔ اور مجھے دے دیا۔ اور ساتھ ہی اس کے کہا میں خیال کرتا ہوں۔ کہ یہ کوئی جادو کی قسم ہے۔ اور ایسی خطرناک چیز کو اپنے پاس رکھنے سے ڈر گیا۔

۲۰ مارچ۔ آج کے دن علی کے خیمے میں خاص خاص آدمیوں کی مجلس میرے متعلق جمع ہوئی۔ گو اُن کے سارے فیصلے میرے حق میں اچھے نہیں تھے۔ مگر مختلف آدمیوں سے میں نے مختلف باتیں سنیں۔ بعض نے کہا۔ کہ اُن کا ارادہ مجھے مار ڈالنے کا ہے۔ بعض نے کہا۔ کہ وہ میرا دایاں ہاتھ کاٹ چاہتے ہیں۔ لیکن غالب بات جو میں نے علی کے بیٹے سے جس کی عمر نو سال کی تھی سُنی۔ یہ تھی۔ کہ اُس کے چچا نے بادشاہ کو صلاح دی تھی۔ کہ میری آنکھیں جو بلّی کی آنکھوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ نکال ڈالیں۔ اور تمام بشرینوں نے اس تجویز پر صاد کر دیا تھا۔ مگر اُسکے باپ نے کہا۔ کہ جب تک اُس کی بیوی فاطمہ مجھے نہ دیکھ لے۔ تب تک اس فیصلے پر عمل نہیں کیا جائیگا۔

۲۱ مارچ۔ اپنی قسمت کے حالات سے واقف ہونے کے لئے فکرمند ہو کر میں علے الصباح بادشاہ کے پاس گیا۔ اور چونکہ بہت سے بشرین اُس وقت جمع تھے۔ میں نے اُن کے ارادوں کا اظہار کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے بادشاہ سے منت کی۔ کہ مجھے جارا کی طرف لوٹ جانے دیا جاوے۔ مگر اُس نے بالکل انکار کیا۔ اُس نے کہا۔ کہ ابھی تک اُس کی بیوی نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔ جب تک وہ بینوم آ کے مجھے نہ دیکھ لے۔ تب تک

میں کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے بعد جہاں کہیں میرا دل چاہے۔ جانے کو آزاد تھا۔ اور جو گھوڑا میرے آنے کے دوسرے دن چھین لیا گیا۔ وہ مجھے واپس دیا جانے والا تھا گو یہ جواب تسلی بخش نہیں تھا۔ مگر مجھے تصنع سے اپنا چہرہ خوش وخرم بنانا پڑا۔ اور چونکہ سال کے اس حصے میں بھاگنا بھی ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ گرمی سخت شدت سے پڑتی تھی۔ اور جنگلوں میں پانی بھی نہیں تھا۔ میں صبر سے موسم برسات کا انتظار کرنے لگا۔ یا ایسے عمدہ موقع کا جو خود بخود پیدا ہو جائے۔ لیکن الانتظار اشد من الموت۔ دن بدن ان خیالات پر سوچ سوچ کر کڑھنا اور برسات کے موسم میں حبشیوں کے ملک سے بھاگ جانے کا خیال کرنا مجھے بہت اندوہگیں کئے ہوئے تھا۔ چنانچہ ایک دن یہاں تک ان باتوں پر سوچتے سوچتے نوبت پہنچی کہ رات کو مجھے سخت بخار ہو گیا۔ میں نے پسینہ لینے کے لئے اپنے تئیں کوٹ میں ڈھانکے رکھا۔ اور سو یا رہا۔ یہاں تک کہ موروں کی ایک جماعت میری کوٹھری میں آئی۔ اور اپنی معمولی تندی سے انہوں نے میرا کوٹ مجھ سے اتار لیا۔ میں نے انہیں اشارات سے جتایا۔ کہ میں بیمار ہوں اور سونا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا میرا دکھ اٹھانا ان کی خوشی تھی انہوں نے جہاں تک ان سے ممکن ہوا مجھے زیادہ ستانا چاہا۔ اس گھبراہٹ میں میں اپنی کوٹھری سے نکل گیا۔ اور ڈیرے سے تھوڑی دور کے فاصلے پر درختوں کے سائے کے نیچے چلا گیا۔ اور اس جگہ جا کر لیٹ رہا۔ لیکن یہاں بھی وہ میرا پیچھا کب چھوڑتے تھے مصیبت زدہ عیسائی کو تنہائی بڑی نعمت تھی۔ علی کا بیٹا چند ایک سواروں کے ساتھ گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس جگہ آیا۔ اور مجھے حکم دیا کہ اٹھ کر ان کے پیچھے چلوں میں نے ان کی منت کی کہ جہاں میں پڑا ہوں وہیں وہ مجھے پڑا رہنے دیں۔ لیکن انہوں نے میری منت کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور چند ایک دھمکی آمیز الفاظ کہکر ایک نے چمڑے کے تھیلے سے ایک بندوق جو اس کے زین کے ہرنے سے بندھی ہوئی تھی نکالی۔ اور میری طرف نشانہ باندھکر دو دفعہ اسے خالی چلایا۔ اس نے یہ بات ایسی بے پرواہی سے کی۔ کہ مجھے خیال ہوا۔ کہ وہ بندوق بھری ہوئی تھی۔ اس نے تیسری دفعہ میری طرف

نشانہ باندھا۔ اور چقماق کو لوہے کے ٹکڑے سے رگڑنے لگا تھا۔ کہ میں نے
انہیں کہا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ اور ان کے ساتھ ڈیرے کی طرف لوٹ آیا۔ جب
ہم علی کے خیمے میں داخل ہوئے۔ تو ہم نے اسے آپے سے باہر پایا۔ اس نے ہو
کی بندوق کو مانگا۔ اور کچھ دیر تک اس کے گھوڑے کو کھول کر اور بند کر کے
اپنے تئیں بہلاتا رہا۔ آخر اپنی بارود کی کپی لے کر اس نے بندوق کو بھرا۔ اور میری
طرف نشانہ باندھ کر زبانِ عربی میں دھمکی آمیز چند الفاظ کہے۔ جنہیں میں مطلق نہ سمجھا
میں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ بادشاہ سے دریافت کرے کہ میں نے کیا قصور
کیا تھا۔ تو اس پر اس نے کہا کہ چونکہ علی کی اجازت کے بغیر میں خیمے سے باہر چلا
گیا تھا۔ اس لئے انہیں معلوم ہوا کہ میرا بھاگنے کا ارادہ تھا۔ اور مجھے حکم دیا گیا
ہے اگر میں بلا اجازت پھر ڈیرے سے باہر جاؤں گا۔ تو جو پہلا شخص مجھے دیکھے گا
گولی مار کر مار ڈالے گا۔

سہ پہر کے وقت مشرق کی طرف افق سیاہ دکھلائی دی۔ موروں نے پیشتر از
وقت کہہ دیا کہ آندھی آئیگی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہوا چلنے لگ پڑی۔ اور
وہ دن تک وقفہ ڈال کر بہتی رہی۔ ہوا کا زور بہت بڑا نہیں تھا لیکن اس کے سبب
سے ریت اس قدر اڑتا تھا کہ مطلع بالکل تاریک ہو گیا تھا۔ اس وقت کیمپ کی
تمام عورتوں نے اپنے پانو اور ہاتھوں کی تمام انگلیاں زعفران سے رنگ لیں
مجھے یہ معلوم ہوا کہ شاید انہوں نے مذہب کی پابندی سے یہ کام کیا تھا۔ یا
زینت کے طور پر۔

۲۸ مارچ۔ آج کے دن صبح کو مشرق کی طرف سے مویشی کا بڑا گلہ آیا۔ اور
ایک ہانکنے والا جسے علی نے میرا گھوڑا دیا تھا۔ ایک بارہ سنگے کی ٹانگ شخص کے طور
پر میری کوٹھڑی میں لایا۔ اور مجھے کہا۔ کہ میرا گھوڑا علی کے خیمے کے سامنے کھڑا ہوا
تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد علی نے ایک غلام کی زبانی مجھے کہلا بھیجا۔ کہ سہ پہر
کے وقت مجھے اس کے ساتھ سوار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ
مجھے اپنی چند ایک بیویوں کو دکھلانا چاہتا تھا۔ وہ چار بجے کے وقت اپنے
ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر میری کوٹھڑی میں آیا۔ اور مجھے

اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا میں نے فوراً تعمیل کی لیکن اب ایک اور مشکل پیدا ہوئی۔ مور جو ڈھیلے اور کھلے کپڑوں کے عادی تھے۔ میری تنگ پتلون کو دیکھ کر پسند نہ کر سکے۔ اور کہنے لگے۔ کہ یہ لباس بدصورت ہی نہیں۔ بلکہ اپنے تنگ ہونے کے سبب نامناسب بھی ہے۔ اور چونکہ اب مجھے عورتوں کی ملاقات کے لئے جانا تھا۔ علی نے میرے لڑکے کو حکم دیا۔ کہ وہ کشادہ قرغل جسے میں اس وقت جب میں بنوم آکر پہنا کرتا تھا۔ لے آئے۔ اور مجھے کہا۔ کہ اسے اپنے گرد لپیٹ لوں۔ ہم چار مختلف عورتوں کے خیموں میں گئے۔ ہر ایک خیمے میں مجھے دودھ اور پانی کا ایک برتن ملا۔ یہ تمام عورتیں بہت جسیم تھیں۔ کیونکہ جسیم ہونا اس جگہ خوبصورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے مجھ سے بہت سوال کئے۔ اور بڑی توجہ سے میرے چہرے اور بالوں کو دیکھتی رہیں۔ ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ مجھے اپنے سے ادنے خیال کرتی ہیں۔ اور جب وہ میرے چہرے کی سفیدی کو دیکھتی ہیں۔ تو اپنی ابروں پر شکن ڈال لیتیں۔ اور ان کے بدن پر لرزہ پڑتا معلوم ہوتا۔

مور لوگ حقیقت میں بڑے عمدہ سوار ہیں۔ وہ بلا دھڑک سوار ہوتے ہیں۔ ان کی زینیں آگے اور پیچھے سے اونچی ہوتی ہیں جس سے وہ اپنی جگہ سے ہل جل نہیں سکتے۔ اور اگر وہ گر جائیں۔ تو اس ملک کی تمام زمین اس قدر نرم اور ریتلی ہے کہ انہیں بالکل چوٹ نہیں لگتی۔ ان کا سب سے بڑا فخر اور ان کی خاص خوشی یہ ہے۔ کہ گھوڑے کو نہایت تیز دوڑا کر ایک جھٹکے سے اُسے کھڑا کر لیتے ہیں علی ہمیشہ نقرہ گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا جس کی دم سرخ رنگ سے رنگی ہوئی تھی۔ بجز نماز پڑھنے کو جانے کے وہ کبھی پیدل نہیں جایا کرتا تھا۔ اور رات کے وقت بھی دو تین گھوڑے اس [illegible] کسے کسائے تیار رہتے تھے۔ مور اپنے گھوڑوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تیزی کے سبب سے انہیں یہ بات میسر ہے کہ حبشیوں کے ملک پر حملے کرتے ہیں۔ وہ دن میں تین چار دفعہ انہیں چارہ ڈالتے ہیں۔ اور عموماً شام کے وقت انہیں شیرینی دودھ پلاتے ہیں۔ جسے گھوڑے بڑا ذائقہ لے کر پیتے ہیں۔

۳ اپریل۔ آج کے دن دوپہر کو ایک لڑکا جو چند دنوں سے بیمار تھا۔ پاس کے خیمے میں مر گیا۔ اور اُس کی والدہ اور رشتہ داروں نے نوحہ و ماتم کرنا شروع کیا۔ اُن کے ساتھ چند ایک اور عورتیں آکر شامل اور نوحہ و بکا کرنے میں شریک ہوئیں مجھے اس کی تجہیز و تکفین کے دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ جو عموماً پوشیدہ کیا جاتا ہے شام کو جب اندھیرا پڑ جاتا ہے۔ تو اکثر خیمے سے تھوڑی دور دفن کر دیتے ہیں قبر پر وہ ایک خاص پودہ لگا دیتے ہیں اور کسی اجنبی کو نہ تو اُس کا پتہ توڑنے نہ اُسے ہاتھ لگانے دیتے ہیں اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مردوں کی یہ لوگ کس قدر عزت کرتے ہیں۔

۷ اپریل۔ سہ پہر کے وقت چار بجے کے قریب اس قدر زور سے آندھی کا بگولہ آیا۔ کہ تین خیمے اکھاڑ گیا۔ اور میری کوٹھڑی کے ایک پہلو کو اُڑا لے گیا۔ یہ بگولے صحرائے اعظم سے آتے ہیں۔ اور سال کے اس موسم میں اس قدر عام ہوتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں نے چار پانچ آتے دیکھے ہیں۔ وہ ریت کو اس قدر اُڑا کر لے جاتے ہیں۔ کہ تعجب آتا ہے۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دھوئیں کے کھمبے اُڑے چلے آتے ہیں۔ آفتاب کی جلا دینے والی گرمی خشک اور ریتیلے ملک میں ہوا کو ایسا گرم بنا دیتی ہے۔ کہ برداشت نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ علی نے میرا آلہ مقیاس الحرارت چھین لیا تھا۔ میرے پاس امتیاز کرنے کا کوئی اوزار نہیں رہا تھا۔ لیکن دوپہر کے وقت جبکہ سر پر کے سورج کی کرنیں جنگل کے جھلس دینے والی ہوا کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ تو زمین یہاں تک تپ جاتی ہے۔ کہ پاؤں برداشت نہیں کر سکتے۔ حبشی غلام بھی ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں بلا جوتا پہنے نہیں جا سکتے۔ اس وقت مور اپنے خیموں میں لیٹے رہتے ہیں۔ یا سو جاتے ہیں۔ یا یونہی پڑے رہتے ہیں۔ اور میں نے اکثر ہوا کو ایسا گرم محسوس کیا ہے۔ کہ ہوا کی رویں جو میری کوٹھڑی کے سوراخوں میں سے ہو کر آتی تھیں۔ میں اُس وقت اپنے ہاتھ کو بلا سخت درد محسوس کئے پکڑ نہیں سکتا تھا۔

۸ اپریل۔ آج کے دن ہوا جنوب مغرب کی طرف سے بہتی رہی۔ رات کو بارش خوب ہوئی۔ اور خوب گرجا اور چمکا۔

۱۰ اپریل۔ شام کے وقت شادی کی خبر کرنے کے لئے ایک بڑا ڈھول بجنے

لگا۔ یہ شادی پاس کے ایک خیمے میں ہونے والی تھی۔ بہت سے مرد اور عورتیں اکٹھے ہوئے لیکن اُن میں وہ خوشی اور خرمی نہیں تھی۔ جو حبشیوں کی شادی کے وقت ہوئی۔ بجز نہ گانا تھا نہ ناچنا۔ نہ کوئی اور دل بہلانے کی بات تھی جو میں نے دیکھی۔ ایک عورت ڈھولکی بجا رہی تھی۔ اور باقی کی عورتیں مل کر بڑی آسانی سے اپنی زبانوں کو منہ کے ایک طرف سے دوسری طرف چنچتی ہوئی حرکت دیتی تھیں میں جلدی سے تھک گیا۔ اور اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا۔ جہاں میں اونگھ کی حالت میں بیٹھا رہا۔ ایک عورت لکڑی کا ایک برتن لے کر میرے پاس آئی۔ اور کہنے لگی کہ دلھن کی طرف سے وہ تحفہ لے کر آئی ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں اُس حیرانی سے ہوش میں آؤں۔ جو اس پیغام سے پیدا ہوئی تھی۔ عورت نے اُس برتن کے پانی کو میرے چہرے پر پھینک دیا۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ اُسی قسم کا پاک پانی ہے۔ جو ہاٹنٹاٹوں کے درمیان نئے بیاہے ہوئے میاں بیوی پر چھڑکا جاتا ہے۔ میرے دل میں شک پیدا ہونے لگا۔ کہ اُس بڑھیا نے میرے ساتھ ایذارسانی اور کینے کے خیال سے ایسا کیا ہے لیکن اُس نے نہایت سنجیدگی سے میرے پاس بیان کیا۔ کہ دلھن کی طرف سے یہ ایک شادی کی ضیافت ہوتی ہے۔ جو ایسے موقعوں پر نوجوان کنوارے مور بڑی مہربانی خیال کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنا چہرہ پونچھا۔ اور دلھن کو شکریہ کہلا بھیجا۔ شادی کا ڈھول بجتا رہا اور عورتیں رات بھر گاتی بالیوں کھوکتی چیختی رہیں۔ صبح کے نو بجے دلھن عمدہ کپڑے پہنا کر اپنی والدہ کے خیمے سے لائی گئی۔ اُس کے ساتھ چند ایک اور عورتیں تھیں جو اُس کا خیمہ لئے جاتی تھیں۔ (جو خاوند کی طرف سے ہدیہ تھا) بعض نے ڈنڈے اُٹھائے ہوئے تھے۔ بعض نے رسیاں پکڑی ہوئی تھیں اس طور سے وہ چلاتی ہوئی چلی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ اُس جگہ آئیں۔ جو دلھن کی رہائش کے لئے مقرر تھا۔ اور اُس جگہ آکر اُنھوں نے خیمہ لگا دیا۔ اُن کے بعد چند ایک آدمیوں کو لے کر معہ چار بیلوں کے خاوند آیا۔ اور اُن بیلوں کو خیمے کی رسیوں سے باندھ دیا۔ اور ایک بیل کو ذبح کر کے لوگوں کے درمیان اُس کا گوشت بانٹا گیا۔ اور رسم ختم ہوئی۔

گیارھواں باب

قید کے مصائب

اس قید میں پڑے پورا ایک ماہ گزر گیا۔ جو دن آتا تھا مصیبت کے انبار اپنے ساتھ لاتا تھا۔ میں بڑی فکرمندی سے آفتاب کے چڑھنے اترنے کو دیکھتا رہتا تھا۔ اور اُس کی شام کی کرنوں کو جب اُن کی زرد زرد روشنی میری کوٹھری کے آگے پڑتی تھی۔ دعائیں دیتا تھا کیونکہ اُس وقت وہ لوگ میرے پاس سے چلے جاتے تھے اور رگمی میں رات تنہا اور سوچوں میں پڑے ہوئے بسر کرتا تھا۔ آدھی رات کے وقت ایک برتن کوس کوس کا اور کچھ نمک اور پانی میرے اور میرے دو ساتھیوں کے لئے لایا جاتا تھا۔ یہ ہماری عام خوراک تھی۔ اور یہی سارا کھانا تھا جو بھوک کی تکلیف کو بند کرنے اور وجود کو سہارا دینے کے لئے اگلے سارے دن تک کے لئے ہمیں دیا جاتا تھا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں اہل اسلام روزہ رکھا کرتے ہیں۔ اور چونکہ روزہ بڑی پابندی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بھی جو عیسائی تھا۔ روزہ رکھنے کے لئے ہدایت کی۔ اور سمجھایا۔ مگر اس سے موجودہ صورت میں مجھے فائدہ ہوا۔ میں نے معلوم کیا کہ میں بھوک اور پیاس کو بہ نسبت اس کے کہ مجھے اُمید تھی۔ برداشت کر سکتا ہوں۔ اور آخر ان مصائب سے بھرے ہوئے گھنٹوں کو عربی لکھنا سیکھتے ہیں میں نے کاٹنا چاہا۔

۱۴ اپریل۔ چونکہ ملکہ فاطمہ ابھی تک نہ آئی تھی علی نے شمال کی طرف جانے اور اُسے اپنے ہمراہ لانے کی تجویز کی۔ لیکن چونکہ وہ جگہ بلنیوم سے دو دن کے فاصلے پر تھی۔ راستے میں کھانا کھانے کا سامان ضرور رہنا چاہئے تھا۔ چونکہ علی کو اپنے ہمراہیوں پر شک تھا کہ مبادا اُسے زہر دے دیں۔ وہ کسی چیز کو جو اُسکی آنکھوں کے سامنے تیار نہیں ہوتی تھی۔ نہیں کھایا کرتا تھا۔ اس لئے ایک عمدہ بیل ذبح کیا گیا۔ اور اُس کے گوشت کے پتلے پتلے ٹکڑے کر کے دھوپ میں سکھائے گئے۔ اور یہ ٹکڑے اور خشک کوس کوس کے دو تھیلے اُسکی زاد راہ

کے لئے تیار کئے گئے۔ روانگی کے پیشتر بنیوم کے حبشی سالانہ دستور کے موافق اپنے اوزار دکھلانے کے لئے آئے۔ اور اناج اور کپڑے کا جو خراج اُنہوں نے اپنے ذمے لیا ہوا تھا۔ ہمراہ لائے۔ وہ بہت [illegible] طرح سے مسلح تھے۔ بائیس کے پاس بندوقیں تھیں۔ چالیس یا پچاس کے پاس تیر کمان تھے۔ اور قریباً اتنے ہی آدمیوں اور لڑکوں کے پاس برچھیاں تھیں۔ وہ خیمے کے آگے پرہ باندھکر کھڑے ہو گئے۔ جہاں وہ اُس وقت تک کہ اُن کے ہتھیاروں کا ملاحظہ نہ ہو گیا۔ اور جھگڑے طے نہ ہو لئے کھڑے رہے۔ ۶ آنا ریخ کو آدھی رات کے وقت علی بنیوم سے چند ایک ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ نو یا دس دن کے عرصے میں اُس کے آنے کی اُمید تھی۔

۱۰ اپریل۔ علی کے جانے کے دو دن بعد ایک شریف نمک اور کچھ اور چیزیں لے کر والت سے جو بردکے سلطنت کا دارالخلافہ ہے آیا۔ چونکہ اُس کے لئے کوئی خیمہ نصب نہیں کیا گیا تھا۔ سو وہ اُس کوٹھری میں جس میں میں رہتا تھا۔ اُتر پڑا۔ وہ بڑا باخبر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ وہ عربی اور بمبارا کی بولیاں جانتا تھا۔ اس لئے وہ کئی ملکوں میں بڑے امن اور آسانی سے سفر کر سکتا تھا۔ گو اُس کا وطن والت تھا۔ مگر اُس نے ہوسا کو دیکھا ہوا تھا۔ اور کچھ برسوں تک ٹمبکٹو میں رہا تھا۔ چونکہ میں نے والت سے ٹمبکٹو تک کا راستہ بڑی خصوصیت کے ساتھ اُس سے دریافت کیا۔ اُس نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ گویا میں اُس راستے سے سفر کرنا چاہتا ہوں۔ اور جب میں نے اُسے اثبات میں جواب دیا۔ تو اُس نے اپنا سر ہلایا۔ اور کہا یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ عیسائیوں کو شیطان کی ذرّیت خیال کرتے ہیں۔ میں نے اُس سے مندرجہ ذیل باتیں بیان کیں۔ اوّل یہ کہ ہوسا بہت بڑا شہر ہے۔ اور اُس کے برابر شہر میں نے دیکھا نہیں ہے۔ ٹمبکٹو سے والت بڑا ہے۔ لیکن نائیجر سے دور ہے۔ اور اس میں خاص کر نمک کی تجارت ہوتی ہے وہاں بہت اجنبی نہیں جایا کرتے۔ بنیوم اور والت کے درمیان دس دن کی راہ ہے۔ لیکن راستے میں کوئی بڑا گاؤں نہیں آتا۔ مسافر عربوں سے دودھ لے کر گزارہ کرتے ہیں۔ جو اپنے گلوں کو پانی کے مقامات کے پاس رکھتے ہیں۔ دو دن ریتیلے ملک پر سفر کرنا پڑتا ہے اور پانی کہیں نہیں ملتا۔ والت سے ٹمبکٹو تک گیارہ دن کا اور راستہ ہے۔ لیکن

پانی عام ہے۔ اور عموماً بیلوں پر سفر کیا جاتا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ ٹمبکٹو میں یہودی بہت ہوتے ہیں لیکن وہ سب عربی بولتے ہیں۔ اور جیسے مور نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ ویسے وہ بھی پڑھا کرتے ہیں۔ وہ بار بار جنوب مشرق کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ ٹمبکٹو اس طرف واقع ہے۔ اور گو میں نے اُس سے یہ بات بار بار دہرائی میں نے اُسے اس بات سے کبھی اختلاف کرتے نہ پایا۔

۲۴ اپریل۔ آج صبح کے وقت شریف سیدی محمد مور اعبداللہ مراکو کا رہنے والا نمک کے پانچ بیل لے کر آیا۔ کچھ عرصے وہ جبرالٹر میں بھی رہا تھا۔ جہاں اُس نے اس قدر انگریزی جان لی تھی۔ کہ کچھ کچھ بول سکتا تھا۔ اُس نے مجھے کہا۔ کہ اُسے سانٹا کروز سے چلے ہوئے پانچ ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے۔ لیکن زیادہ تر عرصہ تجارت کرنے میں بسر ہو گیا ہے۔ جب میں نے اس سے کہا۔ کہ مراکو سے بنبوم تک آنے میں کتنے دن لگے۔ تو اُس نے بیان کیا۔ سوہرا تک تین ۳ دن۔ اگدیر تک تین ۳ جنکن تک دس ۱۰۔ وودنوان تک چار ۴۔ لکنیگ تک پانچ ۵ زیروین زرمانی تک پانچ ۵ تشیت تک دس ۱۰۔ بنبوم تک دس ۱۰۔ کل پچاس ۵۰۔ لیکن مسافر تشیت اور جنکن میں بہت دن رہتے ہیں۔ کیونکہ ان جگہوں سے وہ نمک کھودتے ہیں جس کو وہ تجارت کی خاطر حبشیوں کے ملک میں لاتے ہیں۔

کیا ان شریفوں کے ساتھ گفتگو کرنے یا ان مسافروں کے ملنے سے میرا وقت پہلے کی نسبت کچھ کم تکلیف سے بسر ہوا۔ برخلاف اس کے چونکہ میرے کھانے کا اہتمام علیؔ کے غلاموں کے سپرد تھا جن کے اُوپر میرا ذرہ بھر بس نہیں چلتا تھا۔ مجھے ماہ رمضان میں بھی بُری طرح کھانا ملتا رہا۔ دو رات تک تو پے در پے اُنہوں نے ہمیں نام کو بھی روٹی نہ بھیجی۔ گو میرا لڑکا کیمپ کے پاس کے حبشیوں کے گاؤں میں جا کر بڑی محنت سے گھر بہ گھر مانگتا پھرا۔ مگر اُسے صرف تھوڑی سی پسی ہوئی سپاریاں ملیں جنہیں وہ لایا اور میرے ساتھ بانٹ کر کھایا۔

ہمیں روزمرہ علی کے واپس آنے کا انتظار لگ رہا تھا۔ اسی اثنا میں منسانگ بمبارا کے بادشاہ نے جیسا کہ میں نے آٹھویں باب میں بیان کیا ہے۔ علی سے چند ایک سوار اس لئے طلب کئے تھے۔ کہ گیدا گو دیر حملہ کرنے کے لئے اُسکی امداد

کریں۔ اس درخواست کو علی نے صرف انکار کر کے روانہ نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ قاصدوں سے اُس نے بہت نفرت اور حقارت کے ساتھ سلوک کیا۔ اس پر مانسنگ نے اُس شہر کو فتح کرنے کا خیال تو چھوڑ دیا تھا۔ مگر علی کو اس تکبر اور غرور کا مزہ چکھانے کا ارادہ کر لیا جس کا آغاز یوں ہوا کہ ۲۹ اپریل کو ایک قاصد بنیوم میں یہ ناگوار خبر لایا۔ کہ بمبارا کی فوج لداماری کی سرحد کی طرف آ رہی ہے۔ اس سے تمام ملک میں ہل چل مچ گئی۔ اور سہ پہر کے وقت علی کا بیٹا بلینی سواروں کے ساتھ بنیوم میں آیا۔ اُس نے تمام مواشی کو فوراً لے جانے کا حکم دیا۔ تمام خیموں کے اکھاڑنے اور ترطکے روانہ ہونے کے لئے تیار رہنے کا حکم دیا۔

۳۰ اپریل۔ دن چڑھے تمام کیمپ حرکت میں آیا۔ اسباب بیلوں پر لادا گیا۔ خیمے کی دو دو قناتیں بیل کے ایک ایک طرف لادی گئیں۔ اور خیمے کی مختلف چھوٹی چھوٹی چیزیں مختلف طرز سے۔ خیمہ کا کپڑا اسب پر لادا گیا۔ اور اس پر عام طور پر ایک ایک دو دو عورتیں سوار کی گئیں۔ کیونکہ مور عورتیں اچھی طرح سے سے چل نہیں سکتیں۔ بادشاہ کی پیاری بیویاں اُونٹوں پر سوار کی گئیں۔ یہ اونٹ نہایت تیز رفتار اور مضبوط قوی ہیکل تھے۔ اور ان پر خاص قسم کا کجاوا اور دھوپ کی گرمی سے بچنے کے لئے ایک شامیانہ تھا ہم دوپہر تک شمال کی طرف چلتے رہے۔ پھر بادشاہ کے بیٹے نے تمام لوگوں کو سوائے دو خیموں کے ایک جنگل میں جو دائیں ہاتھ کو تھا۔ داخل ہونے کے لئے حکم دیا۔ اور مجھے اُن دو خیموں کے ساتھ روانہ کیا۔ چنانچہ شام کے وقت ہم ایک حبشیوں کے گاؤں میں جس کا نام فارانی تھا پہنچے۔ اس جگہ ہم نے گاؤں سے تھوڑے فاصلے پر خیمے لگائے۔

یکم مئی۔ چونکہ آج کے دن بھی مجھے شک تھا۔ کہ یہ بھی روزے کا دن ہے۔ اس لئے میں صبح کے وقت حبشیوں کے گاؤں میں گیا۔ اور دوتی سے کچھ کھانے کو مانگا۔ اُس نے فوراً میرا سوال پورا کیا۔ اور مجھے کہا کہ جب تک ہم اُس کے گاؤں کے قریب ٹھیریں۔ تب تک میں روزمرہ اُس کے گھر آیا کروں۔ ان

لوگوں کو موربہت کمینہ خیال کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی اُن سے سلوک کرتے ہیں۔
۴ مئی۔ ہم فارانی کے نواح سے روانہ ہوئے۔ اور جنگلوں میں چلتے چلتے کہا کر سہ پہر کے وقت علی کے کیمپ میں پہنچے۔ یہ ڈیرہ بنیوم کے ڈیرے سے بہت بڑا تھا۔ اور گھنے جنگل کے درمیان واقع تھا اور حبشیوں کے گاؤں سے جس کا نام بوبکر تھا۔ دو میل کے فاصلے پر تھا۔ میں پہنچ کر فوراً علی کا انتظار کرنے لگا۔ تاکہ ملکہ فاطمہ سے جو سہیل سے اُس کے ساتھ آئی تھی۔ ملاقات کروں۔ جب علی سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ تو وہ میری آمد سے بہت خوش ہوا۔ میرے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ عیسائی ہے۔ وہ عرب عورت تھی۔ اس کے بال لمبے اور سیاہ تھے۔ اور بڑی بھاری بھرکم تھی۔ پہلے تو وہ عیسائی کے اس قدر قریب ہونے سے ڈر گئی۔ لیکن جب میں نے اپنے حبشی لڑکے کے ذریعے جو منڈنگو اور عربی زبانیں جانتا تھا۔ عیسائیوں کے ممالک کی نسبت اُن کے بہت سے سوالوں کا جواب دیا۔ تو اُسے گونہ تسلی ہوئی۔ اور اس نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا۔ جسے میں نے بہت عمدہ شگون سمجھا۔ اس وقت گرمی ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ زمین آسمان توے کی طرح تپ رہے تھے۔ تمام ذی روح ماہی بے آب کی طرح بے تاب تھے۔ ادھر اُدھر دیکھنے سے سوائے ریت کے سنسان بیابانوں کے آنکھ کچھ نہیں دیکھتی تھی۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ڈنڈ منڈ پیڑ تھے۔ جن کے سایہ میں بھوکے مویشی سوکھی ہوئی گھاس چبا رہے تھے۔ اور اونٹ اور بکریاں اُن کے گرے پڑے پتوں کو چٹ کرتے جاتے تھے۔ اس جگہ بنیوم کی نسبت پانی کم تھا۔ رات دن مویشی کا کنوؤں پر اژدہام لگا رہتا تھا۔ جو پانی پینے کے لئے آپس میں لڑتے اور پھنکاریں مارتے تھے۔ پیاس کی شدت کے مارے اُن میں سے بہت سے تندخو ہو گئے تھے۔ دوسرے جو لیسب کمزوری کے اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کنوؤں کے پاس کی کیچڑ چاٹ کر اپنی پیاس بجھانے کو غنیمت سمجھتے تھے۔ گویہ اُن کے لئے سخت مضر اور قریب قریب ہلاکت کا ذریعہ تھا۔ مگر پھر بھی وہ اسے پی ہی جاتے تھے ایک دن میں نے کیمپ سے بہتیرا ہی پانی مانگا۔ مگر مجھے کہیں پانی نہ ملا۔ اور چونکہ

اس وقت مجھے بخار کی بھی قدرے حرارت تھی۔ میں نے کنوؤں پر جا کر جو کیمپ سے نصف میل کے فاصلے پر تھے قسمت آزمائی کرنے کا ارادہ کیا۔ بموجب اس کے میں آدھی رات کو روانہ ہوا۔ اور جانوروں کی آواز سے اُس جگہ کا پتہ پا کر جلدی وہاں پہنچ گیا۔ اور موروں کو پانی نکالنے میں مشغول پایا۔ میں نے پانی پینے کی اجازت چاہی۔ مگر انہوں نے مجھے سخت برا بھلا کہکر ہٹا دیا۔ اسلئے اُس کوئیں کو چھوڑ کر میں دوسرے کوئیں پر گیا۔ اور آخر ایک ایسے کوئیں پر پہنچا۔ جہاں ایک بوڑھا اور دو لڑکے پانی نکال رہے تھے۔ میں نے اُس بوڑھے سے پانی مانگا۔ اُس نے فوراً پانی کا ایک ڈول نکالا۔ لیکن ابھی میں اُس کو پکڑنے کو تھا۔ کہ اُسے معلوم ہوا کہ یہ عیسائی ہے۔ چنانچہ اس بات سے خوف کھا کر کہ وہ ڈول میرے لبوں سے ناپاک ہو جائیگا۔ اُس نے پانی کو مٹی کے حوض میں ڈال دیا۔ اور مجھے وہاں سے پینے کے لئے کہا۔ گو یہ حوض بڑا نہیں تھا اور پہلے بھی تین گائیں اُس میں پانی پی رہی تھیں۔ میں نے بھی اُس میں سے پانی پینے کا ارادہ کیا۔ اور گھٹنے ٹیک اور دو گائیوں کے درمیان اپنا سر رکھکر بڑی خوشی سے پانی پیا۔ یہاں تک کہ پانی بالکل ختم ہو گیا۔ اور گائیں آخری گھونٹ کے لئے آپس میں لڑنے لگیں۔ اس قسم کی مصیبتوں میں میں نے مئی کا گرمی کا مہینہ بسر کیا۔ اس وقت تک میری حالت میں کوئی معتدبہ فرق نہ آیا۔ علی ابھی تک مجھے جائیز قیدی سمجھتا تھا۔ اور گو فاطمہ بیوم کی نسبت مجھے زیادہ روٹیاں دلواتی تھی لیکن ابھی تک اُس نے میری رہائی کے بارے میں کچھ بھی فیصلہ نہیں کیا۔ اس اثناء میں ہوا میں بار بار تغیر آنے کے سبب بادلوں کے جمع ہونے اور دور دور بجلی کے چمکنے۔ اور شروع برسات کی دوسری صورتوں نے ظاہر کر دیا۔ کہ موسم برسات نزدیک ہے۔ اس وقت مور قصداً حبشیوں کے علاقے کو چھوڑ کر صحرائے اعظم کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اس سبب سے میں خیال کرنے لگا۔ کہ میرا آخری وقت نزدیک آگیا ہے۔ اور میں اس

وقت کا بلا کسی ظاہر انجیچی کے انتظار کرنے لگا لیکن بعض باتیں ایسی وقوع پذیر ہوئی کہ جو میں نے خیال بھی نہیں کی تھیں جن سے میرے حق میں ایک عجیب تغیر ہو گیا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ مجھے رہائی کی اُمید ہو گئی۔ بات یہ ہوئی کہ بھاگے ہوئے کرتا کے رہنے والے جنہوں نے لدامار میں پناہ لی تھی۔ جیسا کہ میں نے آٹھویں باب میں لکھا ہے یہ معلوم کرکے کہ وہ اُنہیں چھوڑ جانے والے ہیں۔ اور اپنے بادشاہ کے غیض و غضب سے جسے اُنہوں نے نہایت بیوفائی سے چھوڑا تھا۔ ڈر کر علی سے دو سو مور سواروں کی درخواست کی۔ تاکہ اُن کے ساتھ مل کر ڈیزی کو گیڈنگوما سے نکالیں۔ کیونکہ جب تک ڈیزی مغلوب نہ ہو جاتا۔ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ نہ تو وہ اپنے وطنوں کو لوٹ کر جا سکتے ہیں۔ اور نہ امن کے ساتھ پاس کے ملکوں میں رہ سکتے ہیں اس عہدنامے کی رو سے ان لوگوں سے روپیہ جھاڑنے کو مدِ نظر رکھ کر علی نے اپنا بیٹا جارا کی طرف روانہ کیا۔ اور چند دن کے بعد خود اس کے پیچھے جانے کی تیاری کی۔ یہ ایسا عمدہ موقع ہاتھ آگیا تھا کہ بھلا میں اسے کہاں فراموش کر سکتا تھا۔ میں نے فوراً فاطمہ سے درخواست کی۔ کیونکہ میں نے معلوم کر لیا تھا۔ یہ فاطمہ بیرونی امورات میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ اور اُس کی منت کی۔ کہ علی کے پاس سفارش کرے۔ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ جارا کو لے چلے کسی قدر تامل کے بعد فاطمہ نے میری اس درخواست کو مان لیا۔ آخر اُس نے میری طرف مہربانی کے ساتھ نظر کی جس سے میں یقین کرتا ہوں کہ اُسے میری حالت پر رحم آیا۔ میرے گٹھر اُس گائے کے چمڑے سے جو علی کے خیمے کے کونے میں پڑا تھا۔ لائے گئے۔ اور مجھے مختلف چیزوں کے استعمال بتانے اور بوٹوں اور موزوں کے پہن کر دکھلانے کا حکم دیا گیا۔ ان سب باتوں کی میں نے بڑی خوشی سے تعمیل کی۔ اور مجھے یہ بھی خوش خبری سنائی گئی کہ چند دن کے بعد جہاں میں جا ہونگا۔ چلے جانے کی اجازت مل جائیگی۔ اس لئے یقین کر کے کہ جارا سے اگر میں کبھی وہاں پہنچا۔ مجھے بھاگنے کا موقع ضرور مل جائیگا۔ اس خوش آئندہ اُمید کو کہ اب میری قید کا زمانہ ختم ہونے کو آیا۔ اپنے دل میں پالنے لگا خوش قسمتی سے میری یہ اُمید دھوکا نہ ثابت ہوئی۔ میں اس جگہ توقف کرتا ہوں۔ اور موروں کے برتاؤ اور ملک کے بارے میں

یکجائی نظر سے وہ خیالات بیان کرتا ہوں جنہیں پہلے بیان کرنے کا موقعہ نہیں پا سکا۔

بارھواں باب

موروں کے عادات و اطوار اور اُن کے ملک کے بارے میں خیالات

افریقہ کے اس حصے کے مور کئی قبائل میں منقسم ہیں۔ کہ جیسا کہ میں نے سُنا ہے ان میں سے سب سے زبردست دو قبیلے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام ترا سرتے ہے۔ اور دوسرے کا نام بریکن تانی۔ یہ لوگ دریائے سنیگال کے شمالی کنارے پر آباد ہیں۔ گدومہ۔ جفنو۔ لدامار کے قبیلے۔ گو پہلے قبیلوں کی طرح کثیر نہیں لیکن بہت طاقتور اور جنگجو ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر ایک سردار یا بادشاہ حکمران ہے۔ جو اپنے لوگوں پر پورے اختیار کے ساتھ حکمرانی کرتا ہے۔ اور کسی اور بادشاہ کا تابع فرمان نہیں ہے۔ ایام صلح میں لوگ زراعت کرتے ہیں حقیقت میں مور اپنے مویشیوں کے گوشت پر گزارہ کرتے ہیں۔ اور کبھی تو انہیں بہت بیٹھ کر کھانے کو ملجاتا ہے۔ اور کبھی کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا ہے بسبب اکثر دورے رکھنے اور تکلیف وہ سفروں کے جو کبھی کبھی صحرائے اعظم کے درمیان کرنے پڑجاتے ہیں۔ وہ حیران بخش صبر کے ساتھ بھوک اور پیاس کی برداشت کرتے ہیں لیکن جب انہیں کھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور کھانا بھی کثیر ہوتا ہے تو ایک وقت میں وہ اس قدر کھانا کھا لیتے ہیں۔ کہ اتنا ایک یورپین کو تین دن کے لئے کافی ہو۔ وہ زراعت کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ وہ اناج۔ روئی۔ کپڑا۔ اور دیگر ضروریات حبشیوں سے خرید لیتے ہیں۔ اُن کے بدلے وہ انہیں نمک دیتے ہیں۔ جسے وہ صحرائے اعظم کی کانوں سے کھود کر لاتے ہیں۔ اس ملک کی قدرتی پیداوار کا یہ حال ہے۔ کہ دستکاری کے لئے بہت کم چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر مور مضبوط کپڑا بنا کرتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنے خیموں کو پوشیدہ کر لیتے ہیں۔ اُن کی عورتیں بکریوں کے بالوں کو کاتتی ہیں۔ اپنے مویشی کے چمڑوں سے وہ زینیں

لگامیں۔ کپیاں۔ اور اور چرمی اشیاء تیار کر لیتے ہیں۔ اسی طور سے وہ لوہے کے سیدھے سادے اوزار چھرے برچھیاں بنا لیتے ہیں۔ یہ لوہا وہ حبشیوں سے خریدتے ہیں۔ نیز وہ اس لوہے سے پانی گرم کرنے یا پکانے کے لئے دیگچیاں بھی بنا لیتے ہیں لیکن تلواریں اور دیگر اوزار اور بندوقیں اور بارود وغیرہ وہ یورپینیوں سے مول لیتے ہیں۔ اور انہیں ان اشیاء کی عوض میں غلام بہم پہنچاتے ہیں جنہیں وہ حبشیوں پر حملے کر کے پکڑ لاتے ہیں۔ ان کی اس قسم کی خاص تجارت دریائے سینگال پر فرانسیسیوں کے ساتھ ہے۔

مور بڑے پکے مسلمان ہیں۔ اور اپنے مذہب پر بڑے تعصب سے قائم ہیں۔ بینوم میں ان کی کوئی مسجد نہیں۔ لیکن نمازوں کو وہ ایک کشادہ چھت کے نیچے ادا کرتے ہیں۔ یا چٹائیوں کا احاطہ بنا لیتے ہیں۔ جو امام ہوتا ہے۔ وہی بچوں کا استاد ہوتا ہے۔ اس کے شاگرد ہر روز شام کو اس کے خیمے کے آگے جمع ہوتے ہیں۔ جہاں آگ کی روشنی کے سامنے جسے وہ درختوں کی لکڑیوں یا اپلوں سے روشن کرتے ہیں۔ قرآن شریف کی چند آیتیں پڑھتے ہیں۔ اور اپنے مذہب کے اصول سیکھتے ہیں۔ ان کی الف بے تے رچرڈسن کی گرامر سے قدرے اختلاف رکھتی ہے۔ اکثر حروف پر وہ زیر زبر وغیرہ لکھتے ہیں۔ ان کے استاد کو غیر زبانیں جاننے کا بھی دعوے ہوتا ہے۔ بینوم کے امام نے مجھ سے کہا کہ وہ عیسائیوں کے خط پڑھ سکتا ہے۔ اس نے مجھے چند ایک وحشیانہ طرز سے لکھے حروف دکھلائے۔ اور کہا۔ کہ یہ رومن کے حروف ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے ایک اور ویسی ہی بدخط تحریر جو پڑھی بھی نہیں جاتی تھی۔ نکال کر دکھلائی۔ اور کہا۔ کہ یہ قلم الہند یا فارسی ہے۔ اس کے کتب خانے میں چند جو ورقہ صفحے کی کتابیں تھیں میرے خیال میں وہ مذہبی کتابیں تھیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے اوپر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سرخ سیاہی سے لکھا ہوا تھا۔ اس کے شاگرد لڑکے اپنے

پتلے تختوں پر لکھتے تھے۔ کاغذ اس قدر گران تھا۔ کہ کفایت نہیں کر سکتا
تھا۔ لڑکے بہت محنتی تھے۔ انہیں پڑھنے کا شوق بھی بہت معلوم ہوتا تھا
جب اپنے کام کے لئے جایا کرتے تھے۔ تو تختیوں کو اپنے کندھوں پر لٹکا
کر ساتھ لے جاتے تھے۔ جب کوئی لڑکا نماز یاد کر لیتا ہے۔ اور قرآن
مجید کے بعض حصوں کو لکھ پڑھ سکتا ہے۔ تو وہ تحصیل علم کیا ہوا
کہلاتا ہے۔ اور اس تھوڑے سے علم کے ساتھ اپنا دور زندگی
شروع کرتا ہے۔ اپنے تحصیل علم پر مغرور رہ کر وہ جاہل حبشیوں
کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اپنے ان ہم وطنوں پر جنہوں
نے اس کی سی تحصیل علم نہیں کی ہوتی۔ بزرگی جتانے کا موقع ڈھونڈتا
رہتا ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم کی طرف سے بالکل غفلت شعاری ہے۔ کمالات
باطنی کو حاصل کرنے کے لئے عورتیں بہت کم متوجہ ہیں۔ اور نہ ان کی
قوم کے مرد ان میں نقص نکالنے کے قابل ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ
ادنے اقسم کی حیوان خیال کی جاتی ہیں۔ اور بجز اس کے کہ مردوں کی
دنیوی کارروائی کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ اور کسی بات کی انہیں تربیت
نہیں کی جاتی۔ اس لئے اپنے خاوندوں پر حسن وجمال سے قابو پانا
ان کا خاص کمال ہے۔ اور غلاموں کی طرح فرماں برداری کرنا ان کا اصلی
فرض خیال کیا جاتا ہے۔

مور زنانہ کمال کی نسبت عجب خیالات رکھتے ہیں۔ شکل کی خوبصورتی
اور ناز و ادا اور خندہ پیشانی ان کی نظر میں چنداں ضروری نہیں۔ بھاری
بھرکم وجود کا اور خوبصورتی کو قریب قریب ایک برابر خیال کرتے ہیں
متوسط درجے کے حسن وجمال کی عورت بغیر غلام کے سہارے کے
چل نہیں سکتی۔ اور وہ جو بڑی خوبصورت ہوتی ہے۔ وہ تو اونٹ
کا بوجھ ہوتی ہے۔ چونکہ بدن کا بھاری بھرکم ہونا ان میں خوبصورتی
کا اعلے درجے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مور عورتیں بچپن کے زمانے

میں اس کے لئے محنتیں کرتی ہیں۔ اس مطلب کو حاصل کرنے کے لیے بہت مائیں اپنی لڑکیوں کو کوس کوس کے اس قدر مقدار کھلاتی ہیں۔ اور اونٹ کا دودھ اس قدر کثرت سے پلاتی ہیں۔ کہ وہ برداشت نہیں کر سکتیں۔ یہ کچھ ضروری نہیں۔ کہ لڑکی کو بھوک ہے۔ یا نہیں۔ کوس کوس اور دودھ انہیں کھانا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ نہیں کھاتیں۔ تو مار کر انہیں کھلایا جاتا ہے۔ میں نے ایک لڑکی کو دیکھا۔ جو چلا رہی تھی۔ کہ اس کے منہ سے ایک گھنٹے سے زیادہ تک پیالہ لگا رہا۔ اور اس کی ماں ہاتھ میں لکڑی لے کر اس کی نگہبانی کرتی رہی۔ اور جب وہ دیکھتی۔ کہ اس کی بیٹی نہیں پیتی۔ تو لکڑی سے اس کی خبر لیتی۔ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ عجیب مشق بجائے بدہضمی اور بیماری پیدا کرنے کے لڑکیوں کو اس قدر بھاری بھرکم بنا دیتی ہے۔ کہ جو موروں کی نظر میں بڑی خوبصورتی ہے۔

چونکہ مرد اپنے تمام کپڑے حبشیوں سے خریدتے ہیں۔ اس لئے عورتوں کو لباس کے لئے بہت کفایت شعاری مدنظر رکھنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ عموماً وہ سوتی کپڑے کی ایک چوڑی چادر اوپر رکھتی ہیں۔ جسے وہ کمر کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔ اور باقی کا حصہ زمین پر گھسٹتا چلتا ہے۔ اس کے اوپر کے حصے میں دو مربع ٹکڑے سیئے ہوتے ہیں۔ ایک آگے اور دوسرا پیچھے۔ جنہیں ملا کر کندھوں پر باندھ لیتے ہیں۔ سر کا لباس عموماً کپڑے کی ایک گدی ہوتی ہے۔ اس کے بعض حصے بعض حصوں سے زیادہ چوڑے ہوتے ہیں۔ جب وہ دھوپ میں چلتی ہیں۔ تو اس سے ان کا چہرہ چھپا رہتا ہے۔ مگر جب انہیں بار بار باہر جانا پڑتا ہے۔ تو وہ سر تا پا اپنے تئیں برقعہ میں ملبس کر لیتی ہیں۔

عورتوں کا کام ان کے مدارج کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ملکہ فاطمہ اور چند اور جو اعلےٰ درجے کی تھیں۔ یورپ کی اعلےٰ درجے کی لیڈیوں کی طرح اپنے ملاقاتیوں سے باتیں کر کے اپنا وقت کاٹتی ہیں۔ نشست

کو سامنے رکھکر اپنے بناؤ سنگار کرنے میں مشغول رہتی ہیں۔ وہ بڑی مغرور اور باتون ہوتی ہیں۔ اور جب کسی بات پر اُن کی طبیعت خفا ہو جاتی ہے۔ تو اپنا سارا غصہ لونڈیوں پر جن پر وہ بڑی سختی اور ظالمانہ طور سے حکومت کرتی ہیں۔ نکالتی ہیں۔ اس سے مجھے خیال ہوتا ہے۔ کہ اُن کی حالت بہت رحمناک ہے۔ دن چڑھے اُنہیں کنوؤں سے پانی لانا پڑتا ہے۔ اور جب وہ گھر کے برتنے اور گھوڑوں کے پینے کے لئے کافی پانی لا چکتی ہیں۔ تو پھر اُنہیں غلہ کوٹنے اور روٹی پکانے میں مشغول رہنا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ سب کچھ بہت میدان میں کیا جاتا ہے۔ اس لئے غلاموں کو آفتاب۔ ریت اور آگ کی مجموعی حرارت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد جب اُنہیں فراغت نصیب ہوتی ہے۔ تو خیمے کو صاف کرنا۔ دودھ دوہنا اور اور گھر کا کاروبار کرنا پڑتا ہے۔ باوجود اس کے اُنہیں کھانا بہت خراب ملتا ہے۔ اور اکثر بے رحمی سے سزا دی جاتی ہے۔

لدا مار کے موروں کا لباس حبشیوں کے لباس سے بہت تھوڑا اختلاف رکھتا ہے۔ اس کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے۔ بجز اس کے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے اس خاص لباس یعنے پگڑی کو جو سفید سوت کی بنائی جاتی ہے۔ اختیار کر لیا ہے۔ جن موروں کے داڑھی لمبی ہوتی ہے۔ اُنہیں اُس پر بہت فخر ہوتا ہے۔ اُن میں سے ایک تو خود علی تھا۔ لیکن عام لوگوں کے بال چھوٹے اور گھنگریالے اور عام طور پر سیاہ ہوتے ہیں۔ اس جگہ مجھے یہ بھی بیان کرنا چاہئے۔ کہ اگر کسی بات سے اُن کے خیالات میرے حق میں بر سر اصلاح ہوئے تو وہ میری داڑھی تھی۔ جو اب بہت لمبی ہو گئی تھی۔ اور اُسے یا تو پسندیدگی سے یا حسد سے دیکھتے تھے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ عیسائی کی وہ اس قدر لمبی داڑھی کو وہ بہت عجیب خیال کرتے تھے۔

وہ بیماریاں جو موروں کو میں نے ہوتے دیکھیں۔ نوبتی بخار اور مروڑ ہیں بڑھیا عورتیں اس کا علاج ناسٹرم سے کرتی ہیں۔ لیکن عام طور پر اُن کی معالج خود قدرت ہی ہوتی ہے۔ میں نے سنا کہ بعض وقت چیچک اُن کے درمیان پھیل کر بڑی ہی ہلاکت برپا کرتی ہے۔ لیکن جب تک میں لدا مار میں مقید رہا۔ اُس کا دورہ نہ آیا۔ ڈاکٹر لیڈلی نے مجھ سے کہا۔ کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بعض موروں کے قبائل میں چیچک بہت پھیلتی ہے۔ اور اُن سے اُن حبشیوں کے پاس پہنچتی ہے۔ جو جنوب کی طرف آباد ہیں۔ ڈاکٹر موصوف سے میں نے یہ بھی سنا۔ کہ گیمبیا میں جو حبشی رہتے ہیں۔ وہ ٹیکہ لگواتے ہیں۔

جہاں تک مجھے دیکھنے کا موقع ملا۔ مجرموں کو سزا فوراً اور قطعی دی جاتی ہے۔ کیونکہ میں نے لدا مار میں دیکھا۔ کہ گو دیوانی مقدمات کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی مجرم کر بیٹھتا تھا۔ تو اوروں کو عبرت دلانے کے لئے اُسے سخت سزا دی جاتی تھی۔ ایسے موقعوں پر مجرم کو علی کے حضور میں پیش کیا جاتا تھا۔ اور وہ سزا کہ مناسب سمجھتا تھا۔ دیتا تھا لیکن میں نے سنا۔ کہ بجز حبشیوں کے سخت سزا کسی کو نہیں دی جاتی تھی۔

گو موروں کی عام دولت ان کے بے شمار مواشی کے گلے ہیں۔ پھر بھی چونکہ خانہ بدوش زندگی بسر کرنے کے سبب سے ان کا سارا وقت کام میں نہیں لگتا۔ اس لئے اُن میں سے اکثر سست ہو جاتے ہیں۔ سارا دن گھوڑوں کی بیفایدہ گفتگو میں ضائع کر دیتے ہیں یا حبشیوں کے گاؤں پر حملہ کرنے کی تجویزیں دوڑاتے رہتے ہیں۔ علی کے مور رعایا کی تعداد کے بارے میں مجھے ٹھیک حساب کرنے کا ذریعہ نہیں ہیسہ آیا۔ لدا مار کی جنگی قوت خاص کر رسالے میں ہے۔ یہ لوگ بہت عمدہ سوار ہیں۔ اور اچانک حملہ کرنے اور لڑنے کے لئے بڑے چالاک اور ہشیار ہیں۔ ہر ایک سوار اپنا گھوڑا آپ لاتا ہے۔ اُس کے پاس ایک تو بڑا خنجر ہوتا ہے ایک دونالی بندوق ہوتی ہے۔ ایک چمڑے کا لال تھیلا ہوتا ہے جس میں

گولیاں پڑی ہوتی ہیں۔ اور بارود کا۔ بینگ اُس کے کندھے سے لٹکا ہوتا ہے۔ اُسے بجز مال غنیمت سے حصہ ملنے کے نہ کوئی تنخواہ ملتی ہے نہ انعام حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہ فوج کثیر نہیں۔ کیونکہ میں نے سنا کہ جب علی نے بمبارا سے جنگ کی۔ تو اُس کا تمام لشکر دو ہزار سواروں سے زیادہ نہیں تھا جیسا کہیں نے سنا ہے۔ مور رعایا کی آبادی کی بہت کم تعداد ہے۔ گھوڑے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور اُن کی اس قدر عزت کی جاتی ہے۔ کہ حبشی شہزادے بعض وقت ایک ایک گھوڑے کے بدلے بارہ بارہ چودہ چودہ غلام دے دیتے ہیں۔

لدامار کی شمالی حد صحرائے اعظم ہے۔ حالانکہ میں نے بہت دریافت کیا مجھے کبھی خبر ملی۔ کہ یہ ریت کا سمندر جو شمالی افریقہ میں اس قدر وسیع جگہ گھیرے ہوئے ہے۔ آبادی کے لحاظ سے بالکل خالی ہے بجز اس کے کہ جہاں کہیں تھوڑی سی سبزی ہوتی ہے۔ وہاں چند مصیبت زدہ عرب آ ڈیرہ لگاتے ہیں۔ اور ایک کنویں سے دوسرے کنویں پر بارے مارے پھرتے ہیں۔ اور مقامات میں جہاں پانی اور چارہ بکثرت ہوتا ہے۔ موروں کی تھوڑی تھوڑی جماعت رہائش اختیار کر لیتی ہے۔ اس جگہ وہ افلاس مگر خود مختاری کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور بار بری کے ظالمانہ حکومت سے امن پاتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس صحرا کا اکثر حصہ پانی سے بالکل خالی ہے اس لئے وہاں کوئی قبیلہ نہیں جاتا۔ ہاں کبھی کبھی کسی قافلے کو اس راستے جانا پڑ جائے۔ تو پڑ جائے۔ اس وسیع بیابان کے بعض مقامات میں چھوٹی چھوٹی ڈنڈ منڈ جھاڑیاں ہوتی ہیں۔ جو قافلے والوں کو بطور ایندھن کے کام دیتی ہیں اور اونٹ انہیں کھا کر پیٹ بھر لیتے ہیں۔ اور کہیں جہاں غیر مطمئن مسافر جاتا ہے سوائے ریت اور آسمان کے ناپیدا کنار پھیلاؤ کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ جدھر آنکھ دیکھتی ہے۔ اُدھر تاریکی اور سنسان کا سماں نظر آتا ہے۔ اور دل میں پیاس سے ہلاک ہونے کے خیالات کا دھڑکہ شروع ہو جاتا ہے۔ چند ایک جنگلی جانور جو ان سنسان قطعات میں آباد ہیں۔ بارہ سنگے اور شتر مرغ ہیں۔ جو

اپنی تیزروی کے سبب سے دور دور پانی کی خاطر چلے جاتے ہیں۔ اس بیابان کے دامنوں میں جہاں پانی کثیر ہے۔ شیر۔ تیندوے۔ ہاتھی اور جنگلی سؤر کثرت پائے جاتے ہیں۔

خانگی جانوروں میں جو بیابان کے طے کرنے کی تکان کو برداشت کر سکتا ہے۔ صرف اونٹ ہے۔ اپنے معدے کی خاص بناوٹ کے سبب سے وہ دس بارہ روز تک پانی کی مقدار اپنے ساتھ لے چلنے کے قابل ہوتا ہے اُس کا چوڑا اور نرم پاؤں ریتیلے ملک پر چلنے کے خوب لائق بنا ہوتا ہے۔ اور اپنے اوپر کے ہونٹ کی عجیب حرکت سے گزرتے ہوئے وہ جنگلی جھاڑیوں کے چھوٹے سے چھوٹے پتوں کو کھسوٹ لیتا ہے۔ اس لئے اونٹ ہی صرف ایسا لادو جانور ہے۔ جسے سوداگر مختلف اطراف میں سفر کرنے کے لئے کام میں لاتے ہیں۔ اور بربر سے نگر تانک سفر کرتے ہیں۔ چونکہ اور قابل شخصوں نے پہلے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس لئے مجھے اُس کے اوصاف پر یہاں بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس جگہ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ گو اس کا گوشت مجھے سوکھا سوکھا اور بے مزہ لگا۔ مور اسے اور گوشتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ مادہ کا دودھ تو ایک نعمت سمجھا جاتا ہے۔ اور واقعی شیریں۔ خوشگوار اور خوش ذائقہ ہے۔

میں نے غور سے ملاحظہ کیا ہے کہ مور اپنی رنگت میں غوب الہند کے ملاّئوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ لیکن اُن کی صورت میں بعض ایسے نقص پائے جاتے ہیں۔ جو ملاّئوں کی صورت میں نہیں پائے جاتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے اُن میں سے اکثروں کے خط و خال میں بیرحمی اور دھوکا بازی پائی۔ حالانکہ میں کبھی اُن کے چہرے کی طرف بلا نمایاں بےچینی محسوس کرنے کے نہیں دیکھ سکا۔ اُن کی آنکھوں کے وحشت آمیز گھور کر دیکھنے کے سبب اجنبی فوراً اُنہیں دیوانوں کا گروہ کہنے لگا۔ حبشیوں کے گاؤں پر حملہ کرنے سے اُن کی اور اداوصاف نمایاں ہیں۔ اکثر اوقات بلا ذرا سے غصے کے اور بعض وقت دوستی کا دم بھرتے ہوئے وہ اچانک

حبشیوں کے مواشی لے لیتے ہیں۔ جیسے کہ باشندوں کو گرفتار کر لیتے ہیں یا حبشی شاذ ونادر ہی اُن سے انتقام لیتے ہیں۔ خانہ بدوش عربوں کی طرح مور اکثر ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے رہتے ہیں۔ یعنی سال کے ایک موسم میں کہیں ہوتے ہیں۔ تو دوسرے میں کہیں چلے جاتے ہیں۔ یا جہاں چارہ بکثرت ہوتا ہے۔ وہاں پڑے رہتے ہیں۔ فروری کے مہینے میں جب سورج کی گرمی جنگل کی ہر ایک سبزی کو جلا دیتی ہے۔ تو وہ اپنے خیمے اُکھاڑ لیتے ہیں۔ اور جنوب کی طرف حبشیوں کے ملک میں چلے جاتے ہیں۔ اُس جگہ وہ برسات کے شروع ہونے یعنی جولائی کے مہینے تک قیام کرتے ہیں۔ اس وقت حبشیوں سے غلہ اور دیگر ضروریات خرید کر کے اور عوض میں نمک دے کر وہ پھر شمال کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اور جب تک بارش ختم نہیں ہو لیتی۔ بیابان میں سفر کرتے رہتے ہیں۔ اور ملک کا وہ حصہ جلا ہوا اور بنجر ہو جاتا ہے۔

پھر خانہ بدوشی اور زندگی کو بے آرامی سے بسر کرنیکا طریق ایک صورت سے تو اُنہیں تکالیف برداشت کرنے کا عادی بنا دیتا ہے۔ اور دوسری صورت میں اُن کی جماعت کے رشتے کو بہت مضبوط اور مستحکم کر دیتا ہے۔ اور اجنبیوں کی نسبت اُن میں ایسا بغض پیدا کر دیتا ہے کہ جو ناقابل برداشت ہے۔ چونکہ اُن کا علاقہ شائستہ قوموں سے بالکل منقطع ہے۔ اور حبشیوں پر غالب آنے کا اُنہیں فخر ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے تھوڑا علم بھی اُنہیں میسر ہے۔ وہ بڑے[1] لافزن اور مغرور اور شاید دنیا کی تمام قوموں سے متعصب اور تند خو ہیں:-

---

[1] اگر منگو پارک نے اُن سے تکلیف پائی نہ ہوتی۔ تو اُس کا یہ بیان صحیح سمجھا جاتا +

تیرہواں باب
قید سے رہائی

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔علی کے ساتھ جار کی طرف روانہ ہونے کی اجازت پاکر میں نے ملکہ فاطمہ سے رخصت لی۔ اُس نے بڑی مہربانی اور اخلاق سے میرے چند ایک کپڑے لوٹا دیئے۔ اور اُس دن کے پیشتر جبکہ ہمیں روانہ ہونا تھا۔علی نے مجھے میرا گھوڑا مع اُس کے ساز و سامان کے بھجوا دیا۔

۲۶ مئی کی صبح کو میں بوبکر کے ڈیرے سے روانہ ہوا۔ میرے ساتھ میرے دونوں ہمراہی جانسن اور ڈیمبا اور چند ایک مور تھے۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔علی پچاس سواروں کے ساتھ رات کے وقت پوشیدہ نکل گیا تھا۔ دوپہر کے وقت ہم نے فارائی میں مقام کیا۔ اور اس جگہ بارہ موروں کے ساتھ جو اُونٹوں پر سوار تھے۔ شامل ہوئے۔ اُن کے ساتھ مل کر ہم ایک پانی کی جگہ پر جو جنگل میں تھی۔ گئے۔ اُس جگہ ہم نے علی اور اُس کے پچاس سواروں کو دیکھا۔ وہ کنوؤں کے پاس گوجروں کے پست خیموں میں اُترے ہوئے تھے۔

۲۸ مئی۔علے الصباح موروں نے اپنے گھوڑوں پر زین ڈالی۔ اور علی کے خاص غلام نے مجھے تیار ہونے کے لئے حکم دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی قاصد آیا۔ اور میرے لڑکے کو کندھے سے پکڑ کر منڈنگو زبان میں کہنے لگا۔ کہ آئندہ تمہارا آقا علی ہوگا۔ اور پھر میری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا۔ آخر بات طے ہوگئی ہے۔ لڑکا اور ہر ایک چیز سواری تمہارے گھوڑے کی بوبکر کے طرف واپس جائے۔ لیکن تم اس بوڑھے بیوقوف کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ بوڑھے بیوقوف سے اُس کا مطلب جانسن سے تھا۔ میں نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن لڑکے کے جدا ہونے کے خیال

سے نہایت تکلیف پاکر میں علی کی طرف جو کھانا کھا رہا تھا۔ دوڑا گیا۔ اُس کے گرد اُس کے مصاحب بھی جمع ہو رہے تھے۔ میں نے اُن سے شاید بہت جوش میں آکر کہا۔ کہ جس بیوقوفی کا اُس کے ملک میں آکر میں مجرم ہوا تھا۔ اُس کی سزا تو میں نے خوب پائی۔ اور اپنا تمام مال ضائع کیا۔ لیکن یہ سب کچھ اُس سے بہت کم ہے۔ جو اب میرے ساتھ کی گئی ہے۔ میں نے کہا۔ کہ وہ لڑکا جسے پکڑ لیا گیا ہے۔ غلام نہیں۔ اور نہ وہ کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ واقعی وہ میرے ساتھیوں میں سے ہے۔ اور اپنی وفادارانہ خدمات کے سبب وہ آزادی حاصل کر چکا ہوا ہے۔ اپنی وفاداری اور محبت کے سبب سے وہ بھی میری اس موجودہ حالت میں شریک ہوا۔ اور چونکہ وہ مجھے اپنا محافظ خیال کرتا ہے۔ میں اُسے اُس کی آزادی سے محروم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ علی نے کوئی جواب نہ دیا لیکن متکبرانہ طرز اور کینہ ورتبسم سے ترجمان سے کہا۔ کہ اگر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ نہ ہو گیا۔ تو وہ مجھے بھی اُس کے ساتھ واپس بھیج دیگا۔ ظالم کی نظر میں کوئی ایسی کشش ہوتی ہے جو دل کے مخفی جوشوں کو برانگیختہ کر دیتی ہے۔ میں اپنے خیالات پر قابو نہ پا سکا۔ اور ایک دفعہ اور عجلت سے خواہش کی۔ کہ دنیا میں ظالم جگہ سے آزاد ہو جاؤں۔

جس قدر اس بات سے میں متاثر ہوا تھا۔ اس سے کم وہ بیچارا لڑکا نہیں ہوا تھا۔ اُسے مجھ سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ اور اُس کی ایسی خندہ پیشانی تھی۔ کہ تکلیف کے وقت اُس کے چہرے کی طرف دیکھکر دل خوش ہو جاتا تھا۔ وہ بمبارا کی زبان میں بھی خوب ماہر تھا۔ اور آئیندہ اُس سے مجھے بہت فائدہ پہنچ سکتا تھا لیکن ایسے لوگوں سے رحم کی اُمید رکھنا جو اُس سے نا آشنا ہیں۔ بے فائدہ ہے۔ پس اُس کمبخت لڑکے سے ہاتھ ملا کر اور اُس کے آنسوؤں کے ساتھ اپنے آنسو بہا کر میں سے لئے اُسے یقین دلا یا سکہ

جہاں تک مجھ سے بن پڑیگا۔ میں اُس کے آزاد کرانے کی کوشش کرونگا۔ اس کے بعد علی کے تین غلام اُسے بوبکر کے کیمپ کی طرف اپنے ساتھ لے گئے۔

جب مور اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ تو اُنہوں نے مجھے بھی سوار ہونے کے لئے حکم دیا۔ اور گرمی کی شدت جنگلوں کے درمیان سخت سفر کرنے کے بعد ہم سہ پہر کے وقت ڈومیانی کے دیوار دار گاؤں میں پہنچے۔ جہاں ہم دور روز تک شمال کی طرف سے بعض سواروں کا انتظار کرتے رہے۔

یکم جون کو ہم ڈومیانی سے جارہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہماری جماعت اب قریب دوسو آدمیوں کے تھی۔ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ مور لڑائی کے لئے پیادہ فوج نہیں رکھتے۔ وہ بڑا سفر کرنے کے قابل ہوتے تھے لیکن عدم قواعد کے سبب سے جارہ کی طرف ہمارا سفر کرنا بجائے فوجی کوچ کے لومڑیوں کے شکار کرنے کے موافق تھا۔

جارہ میں میں نے اپنے پرانے آشنا دمن جیو کے ہاں رہائش اختیار کی۔ اور مصر ایک بات کی نسبت جو مجھ پر گزری تھی۔ اُسے اطلاع دی میں نے خاص کر اُس سے اس بات کی درخواست کی۔ کہ جس طور سے ہو سکے علی کے پاس سفارش کرکے اُس لڑکے کو رہائی کرا دے۔ اور اُس سے اقرار کیا۔ کہ اگر وہ اُسے جارہ میں منگوا دیگا۔ تو ڈاکٹر لیڈلی کی طرف اُسے دو غلاموں کی قیمت کا رقعہ لکھ دونگا۔ دمن نے بہت جلدی اس کام کے لئے ہمت باندھی لیکن اُس نے معلوم کیا۔ کہ علی اُس لڑکے کو میرا خاص ترجمان خیال کرتا تھا۔ اور اُس سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ مبادا کہ وہ دوسری دفعہ میرے ہاتھوں میں پڑ جائے۔ اور مجھے بمبارا میں لے جانے کا ذریعہ بنے۔ اس لئے علی نے اس بات کو دن بدن توقف میں ڈالا۔ لیکن باوجود اس کے دمن سے کہا کہ اگر وہ اُس لڑکے کو اپنی خاطر مول لینا چاہتا ہے۔ تو اس کے بعد وہ اُسے عام غلام کی قیمت پر مول لے سکتا ہے۔ دمن نے اُس قیمت کے ادا کرنے کا جب علی اُسے جارہ میں بھیج دے۔ اقرار کیا۔

جارہ کی طرف سفر کرنے سے علی کا خاص مدعا جیساکہ میں نے بیان کیا ہے۔ اُن کرتا کے باشندوں سے روپئے لینے کا تھا۔ جنہوں نے اُس کے ملک میں پناہ پائی تھی۔ اُن میں سے بعض نے لڑائی کے خطرات سے بچنے کے لئے اُس کی حفاظت کی درخواست کی تھی۔ لیکن اُن آدمیوں کی تعداد بہت کثیر تھی۔ جو اپنے بادشاہ سے ناراض تھے۔ اور اُس کی تباہی کے درپے ہو رہے تھے۔ جونہی اُن لوگوں نے سنا کہ بمبارا کی فوج ڈیزی کو مغلوب کئے بغیر سیگو کی طرف لوٹ گئی ہے۔ جیساکہ عموماً اُمید کی جاتی تھی۔ اُنہوں نے خود اُس پر پیشتر اس کے کہ وہ اپنی فوج کو تر و تازہ کرے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ بسبب لڑائی میں مارا جانے کے اب اُن کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی۔ اور علاوہ ازیں اُن کے پاس سامان رسد بالکل نہیں رہا تھا۔ اس ارادے پر اُنہوں نے موروں کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی نیت کی تھی۔ اور علی سے دو سو سوار اس شرط پر کہ وہ پیشتر لڑائی کرنے کے چار سو اردس مویشی۔ دو سو لنے کی پوشاکیں۔ اور بہت مقدار سنکول اور زیورات کی بہم پہنچا دیں گے۔ لینے کئے تھے۔ اور علی نے بڑی دوستی کے اقرار کے بعد اُن کے بہم پہنچانے کا عہد کیا تھا۔

۸ جون۔ سہ پہر کو علی نے اپنے خاص غلام کے ذریعے مجھے کہلا بھیجا۔ کہ وہ بوبکر کی طرف لوٹنے والا تھا۔ لیکن چونکہ اُس نے وہاں آئندہ تہوار دنیا سالی کو منانے کے لئے چند ہی دن رہنا تھا۔ اور پھر جارا کی طرف چلا آنا تھا۔ مجھے اجازت دے بھیجی کہ اُس کے واپس آنے تک میں دمن کے پاس قیام رکھوں۔

یہ بات میرے لئے بڑی خوشی کی تھی۔ لیکن میں اس قدر نا اُمیدیوں کا تجربہ کر چکا تھا۔ کہ مجھے اُس کے بیچ نکلنے کی اُمید نہیں تھی۔ یہاں تک کہ جانسن نے آکر مجھے کہا۔ کہ علی چند ایک سوار لے کر واقعی اُس جگہ سے روانہ ہو گیا ہے۔ اور باقی کے سوار صبح کے وقت اُس کے پیچھے جانے والے ہیں۔

۹ جون۔ علے الصباح باقی مور بھی اُس جگہ سے روانہ ہو گئے۔ اُنہوں نے اثنائے قیام میں بہت تاخت و تاراج کیا تھا۔ اور آج کے دن اُنہوں نے بڑی بے رحمی سے جو کنوئیں سے پانی لا رہے تھے۔ پکڑ لیا۔ اور اُسے غلام بنا کر لے گئے تھے۔

۱۴ جون۔ دو شخص جو نہایت زخمی ہو رہے تھے۔ جنگل میں پانی کے گھاٹ پر پائے گئے۔ اُن میں سے ایک کو دم دئے بہت تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ لیکن دوسرا جارہ میں زندہ لایا گیا تھا۔ جب اُسے کچھ ہوش آیا۔ تو اُس نے لوگوں سے کہا کہ وہ کاسون جنگلوں کے درمیان بھاگ کر آیا تھا۔ ڈیزی سابو پر جو اُس ملک کا بادشاہ ہے۔ حملہ کیا تھا۔ اُس کے تین گاؤں پر اچانک جا پڑا تھا۔ اور تمام باشندوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ اُس نے جارا کے لوگوں کے بہت سے دوستوں کے نام لے لے کر بتلائے جو لڑائی میں مارے گئے تھے۔ اس خبر سے جارا کے باشندوں میں دو روز تک ہو کا عالم رہا۔

اس منحوس خبر کے بعد ایک اور منحوس خبر جو اُس سے کم تکلیف دہ نہ تھی۔ آئی۔ ۱۴ تاریخ کو چند ایک بھاگے ہوئے غلام کرتا سے آئے۔ اور کہا۔ کہ ڈیزی اس مجوزہ حملے کی نسبت خبر پاکر جارا کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ اس پر حبشیوں نے علی سے درخواست کی۔ کہ اُس نے جو دو سو سواروں کے بہم پہنچانے کا اُن سے عہد کیا ہوا تھا۔ پورا کرے لیکن علی نے اُن کی درخواست کی طرف بہت کم توجہ کی۔ اور آخر اُنہیں صاف صاف کہلا بھیجا کہ اُس کا رسالہ اور کام میں مشغول ہے۔ جب حبشیوں نے اپنے تئیں اس طور سے تنہا پایا۔ اور اس بات کو بخوبی سمجھ لیا۔ کہ کرتا کا بادشاہ اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک کریگا۔ جو اُس نے کاسون کے باشندوں کے ساتھ کیا تھا۔ تو اُنہوں نے اپنی تمام قوت کو جمع کر کے لڑائی کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ اس وقت وہ بادشاہ سامان رسد کے نہ ہونے سے بڑی تکلیف میں تھا۔ اور اگر اُسے سامان رسد

کے ملنے کا موقع مل گیا - تو وہ اُس پر بمشکل غالب آسکتے تھے - اس لئے وہ کلیم اکٹھے سو کارکن آدمی جمع ہوئے - اور ۱۹ جون کی شام کو کرتابیں جا داخل ہوئے -

۱۹ جون آج کے دن ہوا جنوب مغرب کی طرف بہ رہی تھی - دوپہر کے بعد دو بجے کے وقت خوب گرجا اور برسا - جس سے موجودات کی جان میں جان آئی - اور ہوا خوب ٹھنڈی ہوگئی - یہ پہلی بارش تھی - جو اس قدر مہینوں کے بعد برسی تھی -

چونکہ اپنے لڑکے کو رہا کرانے کی کوشش میں میں اب تک ناکام رہا تھا - اور غالباً جب تک کہ میں اس ملک میں رہتا - ناکام ہی رہتا - میں نے معلوم کیا - کہ یہ بات ازلبس ضروری ہے - کہ پیشتر موسم برسات کے شروع ہونے کے اپنی سلامتی کی فکر کروں - کیونکہ دمن جیو بھی یہ دیکھکر کہ میرے سبب سے تکلیف اٹھا کر وہ کچھ معاوضہ نہ پائیگا - میرے چلے جانے کی کوشش کرنے لگا - اور جانسن میرے ترجمان نے چلنے سے انکار کیا - میری حالت بہت مضطرب ہوگئی - میں نے بھاگ کر جان بچانے اور سیدھا بمبارا کو جانے کا اوّل موقع کے حاصل ہونے پر ارادہ کرلیا - اور ٹھان لیا - کہ جونہی بارش شروع ہوتی ہے - اور جنگلوں میں پانی بکثرت ہو جاتا ہے - روانہ ہو پڑونگا -

میری حالت ایسی تھی - کہ ۲۴ جون کو گاؤں کے قریب چند ایک بندوقوں کی آواز سن کر میں گھبرا گیا - دریافت کرنے پر معلوم ہوا - کہ جارا کی فوج ڈیزی سے لڑکر اور کامیاب ہوکر واپس آئی ہے - اور ان بندوقوں کو خوشی کے مارے چلایا ہے - مگر جب اُس گاؤں کے خاص خاص آدمی جمع ہوئے - اور اس مہم کی پوری کیفیت اُنہوں نے سنی - تو ڈیزی سے جو آئے دن اُنہیں خطرہ لگا رہتا تھا - اُس سے نجات پائی - موروں نے چونکہ حبشیوں سے عہد کرکے عہد کو توڑ ڈالا تھا - اس سبب سے حبشیوں کی ہمت ٹوٹ

گئی تھی۔ اور انہوں نے ڈیزی کو چند ایک دوستوں کے ساتھ گیڈنگومہ کے قلعے میں چھپا ہوا پانے کی بجائے جوکا کے قریب ایک گاؤں میں پایا تھا۔ اور اس کے پاس اس قدر فوج تھی۔ کہ اس پر انہوں نے حملہ کرنے کا خیال بالکل ترک کر دیا تھا۔ اور جو لوگ اُن میں اولوالعزم تھے۔ انہوں نے پاس کے گاؤں پر حملہ کر کے اپنے تئیں دولت مند بنانے کی ٹھان لی تھی۔ اس لئے انہوں نے ڈیزی کے ایک گاؤں پر حملہ کیا۔ اور وہاں کے تمام باشندوں کو اسیر کر لیا لیکن اس بات سے ڈر کر کہ ایسا نہ ہو۔ اس کی خبر ڈیزی کو پہنچ جائے جس سے وہ اُن کا تعاقب کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ وہ رات کے وقت جنگلوں میں سے ہو کر واپس چلے آئے۔ اور اپنے ساتھ وہ غلام اور مویشی جو انہوں نے گرفتار کئے تھے۔ لیتے آئے۔

۲۶ جون۔ آج کے دن سہ پہر کو ایک جاسوس یہ خوفناک خبر لایا۔ کہ ڈیزی نے سمبنگ کو مسخر کر لیا ہے۔ اور اگلے دن کسی نہ کسی وقت جارہ میں آجائیگا۔ صبح کے وقت قریباً گاؤں کے نصف آدمیوں نے دینا کے راہ سے بمبارا کا راستہ لیا۔ ان کی روانگی بہت افسوسناک تھی۔ عورتیں اور بچے چلاتے تھے۔ آدمی شکستہ دل اور غمگین تھے۔ اور اُن میں سے سب اپنے وطن کی طرف حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور نیز اُن کنوؤں اور چٹانوں کی طرف جن سے پرے اُن کی خواہشات کبھی انہیں جانے کی ترغیب نہیں دیتی تھی۔ آہ آئندہ خوشی اور شادمانی کی کیا کیا تجاویز انہوں نے سوچی ہوئی تھیں۔ جن کو اب انہیں چھوڑنا اور اجنبیوں میں جا کر پناہ لینی پڑی۔

۲۷ جون۔ دوپہر کے وقت گیارہ بجے کے قریب سپاہیوں نے آکر ہمیں گھبرا دیا۔ اور یہ خبر لائے۔ کہ ڈیزی جارہ کی طرف کوچ کئے آرہا ہے۔ اور جارہ کی فوج ایک بندوق چلائے بغیر ہی بھاگ گئی ہے۔ جارہ کے لوگوں کو جو اس وقت رنج و غم ہوا۔ اُسے بیان کرنے کا

قلم کو یارا نہیں ہے۔ واقعی عورتوں اور بچوں کی چیخوں اور اس اضطراب اور گھبراہٹ سے جو ہر کہیں گاؤں میں پھیلا ہوا تھا۔ مجھے شک ہوا۔ کہ اہل کرتا گاؤں میں گھس آئے ہیں۔ اور گو مجھے ڈیزی کے آدمی سے جس نے میرے ساتھ کیمو میں اچھی طرح سے سلوک کیا تھا۔ خوش ہونے کی ہر ایک طور سے وجہ تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ اس کی فوج کے رحم کے ہاتھوں میں پڑوں جو غلطی سے مجھے مور سمجھ لیوے۔ اس لئے میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور علی کا ایک بڑا تھیلا اپنے آگے رکھکر گاؤں کے لوگوں کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہم ایک چٹانی پہاڑی کے دامن میں پہنچے۔ جہاں میں اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور اسے اپنے آگے آگے ہانکنا شروع کیا۔ جب میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا۔ تو میں بیٹھ گیا۔ اور گاؤں اور اس کے اردگرد کے دیہات کو اچھی طرح سے دیکھکر بیچارے باشندوں کی حالت پر افسوس کرنے سے نہ رہ سکا۔ وہ میرے پیچھے اپنی بھیڑوں بکریوں اور گاؤں وغیرہ کو ہانکے لا رہے تھے۔ اور تھوڑا تھوڑا سامان رسد اور چند ایک کپڑے ان کے پاس تھے۔ سڑک میں ہر کہیں بڑا غل و شور تھا۔ کیونکہ بہت بوڑھے اور بچے چل نہیں سکتے تھے اور ان کو اور بیماروں کو اٹھا کر لے جانا پڑتا تھا۔ نہیں تو ان کی ہلاکت میں کیا شک تھا۔

پانچ بجے کے وقت ہم ایک کھیت میں جو جارہ کے لوگوں کا تھا پہنچے۔ اس کا نام کدیجہ تھا۔ اور اس جگہ میں نے دمن اور جالنسن کو اناج کے بڑے تھیلے بھرنے میں مشغول پایا۔ جن کو وہ بیلوں پر لادکے لے جانے والے تھے۔ تاکہ راستے میں دمن کے خاندان کے کام آئیں۔

۲۸۔ صبح کے وقت ہم کدیجہ سے روانہ ہوئے۔ اور ترنگومیا کے پاس سے گزر کر اور ریلا ذرہ ٹھہر نے بجھنے کے وقت کیئرمیں پہنچے۔ اس جگہ اپنے گھوڑے کو تازہ کرنے کے لئے میں دو دن تک

ٹھہر ارہا۔ کیونکہ موروں نے اُسے بالکل دبلا کر ڈالا تھا۔ علاوہ ازیں مجھے بعض منڈنگو کے حبشیوں کی آمد کا انتظار تھا۔ جو بمبارا کو جانے والے تھے۔ یکم جولائی کی سہ پہر کو میں اپنے گھوڑے کو کھیتوں میں لے جا رہا تھا۔ علی کا خاص غلام اور چار مور کیمپ میں آئے۔ اور ڈوقی کے گھر میں رہائش اختیار کی۔ میرے ترجمان جانسن نے جسے اُن کی اس آمد سے اُس کو شک ہو گیا تھا۔ دو لڑکے اُن کو گفتگو سننے کے لئے بھیجے جس سے اُنہوں نے یہ معلوم کیا۔ کہ وہ مجھے ابوبکر کی طرف واپس لے جانے کے لئے آئے تھے۔ اسی شام کو دو مور پوشیدہ میرے گھوڑے کو دیکھنے کے لئے آئے۔ اور اُن میں سے ایک نے اُسے دوقی کے گھر میں لے جانا چاہا لیکن دوسرے نے کہا کہ اس قدر احتیاط غیر ضروری ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے کہا۔ کہ میں ایسے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا نہیں سکتا۔ پھر اُنہوں نے پوچھا۔ کہ میں کہاں سویا کرتا ہوں۔ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ لوٹ گئے۔

یہ سب باتیں ایسی تھیں۔ کہ مجھ پر بجلی آ گری۔ کیونکہ مجھے موروں کے درمیان قید ہونے کا خدشہ ہو گیا۔ اور سوائے قتل کے آخیر میں کوئی اور اُمید نہ تھی۔ اس لئے میں نے فوراً بمبارا کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ میں نے خیال کیا۔ کہ صرف یہی ایک ایسا موقع ہے جس سے میں اپنی جان بچا سکتا۔ اور اپنے مدعا میں کامیاب ہو سکتا ہوں۔ میں نے یہ تجویز جانسن کے آگے بیان کی۔ گو اُس نے میرے ارادے کی تعریف کی۔ مگر میرے ساتھ چلنے کی کوئی رغبت اُس نے ظاہر نہ کی۔ بلکہ اُس نے سنجیدگی سے اپنی تنخواہ لینے پر بھی میرے ساتھ ایک قدم بھی رکھنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھے کہا۔ کہ دمن نے اُس سے اقرار کیا ہے۔ کہ اگر وہ غلاموں کے ایک قافلے کو اُس کے لئے گیمبیا میں لے چلے گا۔ تو اُسے نصف غلام کی قیمت اُجرت ملیگی۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں اپنی بیوی اور بچوں کے پاس جانے کے لئے یہ موقع ہاتھ سے نہ دونگا۔

اس لئے اُسے اپنے ساتھ لے چلنے کی کوئی اُمید نہ رکھکر میں نے تن تنہا روانہ ہونے کا ارادہ کیا - آدھی رات کے وقت میں نے اپنے کپڑے تیار کئے جو دو قمیصیں - دو پتلونیں - دو رومال - ایک ویسٹ کوٹ اور جوڑی ہاف بوٹ کی تھی - یہ چیزیں اور ایک کلاک میرا ساز وسامان تھا - میرے پاس نہ کوئی منکا تھا - نہ کوئی اور قیمتی چیز میرے قبضے میں تھی جس سے میں اپنے لئے غلہ یا اپنے گھوڑے کے لئے دانہ مول لیتا -

تڑکے جالنسن جو رات بھر موروں کی بات چیت سنتا رہا تھا میرے پاس آکر کہنے لگا - کہ وہ سوئے ہوئے ہیں - اب وہ خوفناک موقع پھر آ گیا تھا - کہ یا تو میں آزادی کی برکتوں کا مزہ اٹھاتا - یا قید میں اپنے دن افسوس وحسرت کے ساتھ کاٹتا - جب میں نے اس خوفناک بات پر غور کیا - تو میری پیشانی پر ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ آگیا - اور خیال کرنے لگا - کہ کسی نہ کسی طور سے دن چڑھے میری قسمت کا فیصلہ ہو جائیگا - لیکن سوچتے رہنا آزادی حاصل کرنے کے موقع کو ضائع کرنا تھا - پس اپنا گٹھڑ اٹھا کر میں آہستہ حبشیوں کے اُوپر سے گزرا - جو میدان میں سو رہے تھے - اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جالنسن کو الوداع کہی - اور اُسے تاکید کی کہ وہ کاغذات جو میں نے اُس کے سپرد کئے ہیں - ان کی خبرداری رکھے - اور گیمبیا میں میرے دوستوں سے کہدے - کہ وہ یہاں سے بمبارا کی طرف صحیح وسالم روانہ ہو گیا -

میں بڑی احتیاط کے ساتھ چلنے لگا - ہر ایک جھاڑی کو دیکھتا جاتا تھا - اور بار بار موروں کی آہٹ پر کان لگاتا اور پیچھے دیکھتا جاتا تھا - یہاں تک کہ میں اُس گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر نکل آیا - اور اپنے تئیں ایک کوری پر پاکر جو موروں سے علاقہ رکھتی تھی - گھبرا گیا - گو جو قریباً ایک میل تک میرے پیچھے شور کرتے ہوئے اور کنکر پتھر مارتے ہوئے روانہ ہوئے - اور جب میں اُن کی رسائی سے باہر ہوا - اور آزادی کی اُمیدوں سے

میرا دل خوش ہوا۔ تو پھر میں کسی شخص کو اپنے پیچھے آواز مارتے دیکھکر ڈر گیا۔ اور جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ تین مور سوار میرے پیچھے گھوڑے دوڑائے آرہے ہیں۔ اور اپنی دو نالی بندوقوں کو تیار کر رہے ہیں۔ میں نے معلوم کر لیا۔ کہ اب ان سے جان بچا کر بھاگنا بے فائدہ ہے۔ اس لئے واپس جاکر میں اُن سے ملا۔ اُن میں سے دو نے تو میرے گھوڑے کی لگام کی کو پکڑ لیا۔ اور تیسرے نے بندوق کا میری طرف نشانہ باندھکر کہا۔ کہ جلد علی کی طرف واپس چل۔ جب انسان کا دل کچھ عرصے تک اُمید اور نا اُمیدی میں اُوپر نیچے ہوتا رہتا۔ اور فکر سے دکھ پاتا رہتا ہے۔ اور ایک بند سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنستا ہے۔ تو اُس میں ایک قسم کا افسوسناک آرام پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ بری سے بری حالت کو دیکھ لے میری حالت بھی ایسی تھی۔ زندگی اور اُس کی خوشیوں کی بے پرواہی نے میری طاقتوں کو بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ اور میں موروں کے ساتھ ظاہراً بے توجہی کے ساتھ واپس ہولیا۔ لیکن جس بات کی مجھے اُمید نہیں تھی۔ وہی بات ظہور پذیر ہوگئی۔ بعض گھنی جھاڑیوں میں سے گزرتے ہوئے ایک مور نے مجھے کہا۔ کہ اپنا گٹھڑ کھولوں۔ اور جو کچھ اُس میں ہے۔ دکھلاؤں۔ مختلف چیزوں کو دیکھ بھال کر انہیں کوئی چیز سوائے میرے کوٹ کے لینے کے قابل نہ ملی۔ اُسے انہوں نے بہت قیمتی خیال کیا۔ اور ایک نے اُن میں سے وہ مجھ سے اُتار اپنے گرد لپیٹ لیا۔ اور اپنے ایک ساتھی کو لے کر روانہ ہوگیا۔ جب میں نے اُن کے پیچھے چلنے کا قصد کیا۔ تو تیسرے نے جو میرے ساتھ رہ گیا تھا۔ میرے گھوڑے کے سر پر مارا۔ اور اپنی بندوق نکال کر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ آگے نہ چلوں۔ اب میں نے معلوم کیا۔ کہ یہ آدمی کسی حاکم کی طرف سے مجھے گرفتار کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ صرف لوٹنے کی خاطر میرے پیچھے ہولئے تھے۔ اس لئے اپنے گھوڑے کے سر کو پھر مشرق کی طرف لوٹا کر اور موروں کو اپنے ساتھیوں کے نقش پا جاتے دیکھکر میں نے

اپنے آپ کو جان کی سلامتی پر مبارکباد دی

جونہی اُس مور کی نظر سے اُوجھل ہوا۔ تونہی اُن کے تعاقب سے بچنے کے لئے جنگل میں ہولیا۔ اور جہاں تک جلدی بن پڑا۔ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے تئیں بعض بلند پہاڑوں کے نزدیک پایا۔ اور اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ وہی پہاڑ ہیں۔ جو کمیرا سے دینا کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھے تھے اور پھر شمال کی طرف ہو کر میں خوش قسمتی سے راستے پر آگیا۔

چودھواں باب[14]

سفر کئے جانا۔ واورہ میں پہنچنا

جب میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ اور معلوم کیا۔ کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ تو جو خوشی مجھے ہوئی۔ اُس کا میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے تئیں ایسے شخص کی طرح معلوم کیا۔ جو بیماری سے اُٹھتا ہے میں آزادانہ سانس لینے لگا۔ اپنے اعضا میں غیر معمولی پھرتی محسوس کرنے لگا۔ حتےٰ کہ جنگل مجھے سبزہ زار دکھلائی دینے لگا۔ مجھے اس سے زیادہ اور کوئی ڈر نہیں تھا۔ کہ مبادا پھر خانہ بدوش موروں کے ہاتھ پڑ جاؤں۔ جو مجھے ان ظالموں کے پاس واپس لے جائیں۔ جن سے میں جان بچا کر آیا تھا۔ مگر مجھے اپنی حالت پر خیال کر کے جلدی ہوش آگیا۔ کیونکہ نہ کھانا خریدنے کے لئے میرے پاس پیسہ تھا۔ نہ پانی پینے کے لئے کوئی جگہ معلوم تھی۔ دس بجے کے قریب بکریوں کا ایک گلہ سڑک پر چرتا معلوم کر کے میں نے بہت لمبا پھیر اس مطلب کے لئے کھایا۔ تاکہ کوئی مجھے دیکھ نہ پائے۔ اور جنگل کے درمیان چلتا رہا۔ بذریعہ کمپاس جنوب مشرق کے رُخ جاتا تھا۔ اور بڑی آرزو اس بات کی رکھتا تھا۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ بمبارا کے کسی گاؤں میں پہنچ جاؤں۔ دوپہر سے ذرا پیچھے جب دھوپ کی گرمی ریت کی تپش سے

ساتھ مل کر دو چنداں تیز ہو رہی تھی۔ اور پہاڑوں کا سلسلہ چڑھتے ہوئے بخار میں سے ایسا نظر آتا تھا۔ کہ متحرک سمندر نیچے اُوپر ہو رہا ہے اور موجیں مار رہا ہے۔ مجھے مارے پیاس کے غش آنے لگا۔ چنانچہ میں کنواں دیکھنے کے لئے ایک بلند درخت پر چڑھ گیا۔ اور بہتیرا انسانی آبادی معلوم کرنے کے لئے ادھر اُدھر دیکھا۔ مگر بے فائدہ۔ چاروں طرف سوائے گھنے جنگل اور سفید ریت کی پہاڑیوں اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ چار بجے کے قریب میں اچانک بکریوں کے ایک بڑے ریوڑ کے قریب آنکلا۔ اور اپنے گھوڑے کو جھاڑی کی آڑ میں لے جا کر دیکھنے لگا کہ آیا اس کے مالک مور ہیں۔ یا حبشی۔ تھوڑے عرصے میں مجھے دو مور لڑکے معلوم ہوئے۔ اور کسی قدر مشکل کے ساتھ میں نے اُنہیں اپنے پاس آنے کی ترغیب دی۔ اُنہوں نے مجھے خبر دی۔ کہ وہ بکریوں کا ریوڑ علی کا تھا۔ اور وہ دینا کو جہاں پانی کثیر ہے۔ جا رہے ہیں۔ اُس جگہ ہمارا تب تک ٹھیرنے کا ارادہ ہے۔ کہ بارشیں شروع ہو جائیں اور بیابان میں جوہڑ بھر جائیں۔ اُنہوں نے مجھے اپنے خالی مشکیزے دکھلائے۔ اور کہا کہ جنگل میں اُنہوں نے کہیں پانی دیکھا تک نہیں۔ یہ باتیں سن کر مجھے کچھ تسلی ہوئی۔ مگر افسوس کرنا بے فائدہ تھا۔ جہاں تک جلدی مجھ سے بن پڑا۔ میں نے رات کے وقت پانی کی جگہ پہنچنے کے لئے کوشش کی۔ میری پیاس اس وقت ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ میرا منہ سوکھ گیا تھا۔ اور زبان کانٹا سی ہو گئی تھی۔ میری آنکھوں میں دھندیالہ آتا تھا۔ اور غشی کے آثار معلوم ہوتے تھے۔ اور چونکہ میرا گھوڑا بھی نہایت تھک گیا تھا۔ میرے دل میں پیاس سے ہلاک ہونے کے خیالات پیدا ہونے لگے۔ اپنے منہ اور گلے کی جلن دور کرنے کے لئے میں مختلف درختوں کے پتے چباتا تھا۔ لیکن وہ سب کڑوے تھے۔ اور ان سے کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ غروب آفتاب سے ذرا پیشتر میں ایک بلند جگہ کی چوٹی پر پہنچا۔ اُس پر ایک درخت تھا جس

چڑھ کر میں چاروں طرف نہایت غم اور اداسی کے ساتھ دیکھنے لگا۔
لیکن دور بھی کہیں انسانی آبادی نظر نہ آئی۔ ہر جگہ جھاڑیاں اور ریت
ہی معلوم ہوتی تہی۔ اور حدافق ایسے ہموار اور یکساں نظر آتے تھے جیسے کہ سمندر
کے حدافق ہوتے ہیں۔ جب میں درخت سے اترا۔ تو میں نے اپنے گھوڑے کو
درختوں کے پتے بڑے شوق سے کھاتے دیکھا۔ اور چونکہ اب میں اس قدر
کمزور ہو گیا تھا۔ کہ بالکل چل نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس بات کو انسانیت
کا کام خیال کیا۔ اور شاید یہ آخری کام تھا۔ جو میرے بس میں تہا۔ کہ اُس
کی لگام اتار دوں۔ اور اُسے اپنا آپ بندوبست کرنے دوں جس کے
کرتے میں اچانک میں بیمار ہو گیا۔ اور میرے سر میں چکر آگیا۔ اور زمین پر گر کر
مجھے ایسا محسوس ہونے لگا۔ کہ گویا موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں
نے خیال کیا۔ تو اُس جگہ اپنے ملک اور قوم کو فائدہ پہنچانے کی تمام اُمیدیں
ختم ہوئیں۔ اس جگہ میری زندگی کا جام لبالب بہرا۔ جیسا کہ مجھے خیال
ہوا۔ میں نے آخری نظر اپنے چاروں طرف ڈالی۔ اور جبکہ اُس خوفناک
تبدیلی پر جو واقع ہونے والی تھی۔ میں خیال کر رہا تھا۔ یہ دنیا مع اپنی
خوشیوں کی میری یاد سے غایب ہوتی معلوم ہونے لگی۔ مگر آخر قدرت
نے پھر اپنا کام شروع کیا۔ اور جب مجھے ہوش آئی۔ تو میں نے اپنے تئیں ریت
پر پڑے پایا۔ لگام ابھی تک میرے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی تہی۔ اور سورج
درختوں کے پیچھے غروب ہونے والا تھا۔ پھر میں نے ہمت کرنی چاہی۔ اور
اپنی زندگی کو بڑھانے کے لئے ایک اور کوشش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور چونکہ
شام کا وقت کسی قدر ٹھنڈا تھا۔ میں نے جہاں تک کہ مجھے میرے اعضا
لے جاسکتے تھے۔ سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ میری منزل مقصود اب صرف
پانی کی جگہ تہی۔ اس نیت سے میں نے پھر اپنے گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالی
اور اُسے اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے ایک گھنٹہ تک اور چلتا رہا۔
یہاں تک کہ شمال مشرق کی طرف مجھے بجلی دکھلائی دی۔ یہ نظارہ نہایت فرحت
بخش تہا۔ کیونکہ اس سے مجھے بارش ہونے کی اُمید ہو گئی۔ تاریکی اور بجلی

بہت جلدی بڑھتی گئی۔ اور ایک گھنٹے سے بھی کم عرصے میں میں نے ہوا کو درختوں کے درمیان زور سے چلتے دیکھا۔ میں نے اُن جان بخش قطرات کو اپنے منہ میں لینے کے لئے پہلے ہی اپنا منہ کھول رکھا تھا۔ لیکن اچانک ریت کا غبار ایسے زور سے آیا۔ کہ میرے چہرے کو اُس سے تکلیف ہوئی۔ اور میں گھوڑے پر سوار ہو کر دور کی جھاڑی کی پناہ میں جا کر کھڑا ہونے کے لئے مجبور ہوا۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہیں میرا دم بند ہو جائے۔ حیرت انگیز بڑے جھٹکے سے ایک گھنٹے تک ریت اُڑتی رہی۔ اس کے بعد میں پھر روانہ ہوا۔ اور دس بجے تک چلتا رہا۔ اس کے بعد پھر بجلی کے ناگہاں کوندنے کے سبب سے میری جان میں جان آئی۔ اور ساتھ ہی اس کے چند ایک بارش کے موٹے موٹے قطرات گرے۔ تھوڑی دیر میں ریت کے غبار اُڑنے بند ہو گئے۔ اور میں نے گھوڑے سے اُتر کر اپنے تمام صاف کپڑے بارش کو جذب کرنے کے لئے پھیلا دئے۔ کیونکہ میں نے دیکھا۔ کہ بارش اب برسنے والی ہے۔

ایک گھنٹے سے زیادہ عرصے تک بارش خوب ہوئی۔ اور میں نے اپنے کپڑوں کو نچوڑا اور چوس کر اپنی پیاس کو بجھایا۔

چونکہ چاند ابھی تک نہیں چڑھا تھا۔ اندھیرا اس قدر کثیر تھا۔ کہ ہاتھ پاؤں دکھلائی نہیں دیتا تھا۔ پس میں اپنے گھوڑے کو آگے آگے ہانکتے اور کمپاس کے ذریعے بجلی کو دیکھ کر چلنے لگا۔ اس طور سے آدھی رات کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ میں سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بجلی دور رہ گئی۔ اور میں تاریکی میں حیران اور ششدر رہ گیا۔ دو بجے کے قریب میرا گھوڑا کسی سبب سے قرلانے پھرنے لگا۔ اور میں اپنے چاروں طرف نظر کر کے درختوں میں تھوڑے فاصلے پر روشنی پا کر کچھ کم متحیر نہ ہوا۔ اور چونکہ میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی گانو ہوگا۔ میں نے ہاتھ پھیلا کر کپاس کے بوٹوں اور اناج کی بالوں وغیرہ کو محسوس کرنا شروع کیا۔ لیکن کچھ نہ پایا۔ جب میں نزدیک آیا۔ تو میں نے اور جگہوں پر بھی روشنی کو دیکھا۔ اور میرے دل میں شک پیدا ہونے لگا۔ کہ پھر میں موروں کی جماعت میں آگیا۔ مگر اپنی موجودہ حالت

میں یہ بات دیکھنے کے لئے کہ وہ کون تھے۔ مجبور تھا۔ اس لئے احتیاط کے ساتھ میں اپنے گھوڑے کو روشنی کی طرف لے گیا۔ اور مواشی کے شور کرنے اور غلہ بانوں کی آوازوں سے معلوم کیا۔ کہ یہ پانی کی جگہ تھی۔ اور غالباً موروں سے تعلق رکھتی تھی۔ گو انسانی آواز کو سن کر میرا دل خوش ہوا۔ مگر پھر میں نے بھوک سے مرنے کو بہ نسبت اُن کے ہاتھوں میں پڑکر جان دینے کی ترجیح دی۔ اور جنگل میں جانے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ ابھی تک پیاسا تھا۔ اور چھلنے والا دن آگے آنے والا تھا۔ میں نے کنوؤں کے اُوپر جانا جو تھوڑے فاصلے پر تھا مناسب سمجھا۔ یہ ارادہ کرکے میں اندھا دھند ایک خیمے کے یہاں تک قریب چلا گیا۔ کہ عورت نے مجھے دیکھکر فوراً چیخ ماری۔ دو شخص پاس کے خیمے سے اُس کی امداد کے لئے آئے۔ اور میرے اس قدر قریب ہو کر گزرے۔ کہ میں نے سمجھا۔ کہ بس اب ان کے ہاتھوں میں پڑا۔ اور پھر جنگل کی طرف جلدی کرکے گیا۔ اس جگہ سے قریب ایک میل کے فاصلے پر میں نے اپنے راستے کے دائیں طرف شور سنا۔ اور یہ معلوم کرکے کہ یہ مینڈکوں کی آواز ہے۔ خوش ہوا۔ کیونکہ اُن کی آواز کا سننا میرے لئے آسمانی سرود تھا۔ میں اُس آواز کی سمت ہو لیا۔ اور دن چڑھے چند ایک پایاب کیچڑ والے جوہڑوں کے اُوپر پہنچا۔ اُس میں مینڈک اس کثرت سے کہ پانی میں اور اُن میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ اُن کے شور سے میرا گھوڑا ڈر گیا۔ اور میں درخت کی شاخ کو پانی پر مار کر انہیں چپ کرانے کو مجبور ہوا۔ یہاں تک کہ وہ پانی پی چکا اُس جگہ اپنی پیاس بجھا کر میں ایک درخت پر چڑھا۔ اور چونکہ صبح کا وقت تھا اُس پانی والی جگہ پر جس سے میں رات کے وقت گزرا تھا۔ دھواں اُٹھتا ہوا معلوم کیا۔ اور میں نے دھوئیں کا ایک اور ستون جنوب مشرق کی طرف جو بارہ چودہ ۱۴ میل کے فاصلے پر ہوگا۔ دیکھا۔ اس طرف میں نے اپنا رُخ کیا۔ اور اُس مزروعہ زمین پر گیا۔ اُس کے قریب پہنچا۔ جہاں چند ایک حبشیوں کو غلہ بوتے دیکھکر میں نے گاؤں کا نام پوچھا۔ اور سنا۔ کہ اُس کا نام نولاہ ہے۔ اور علی سے علاقہ رکھتا تھا۔ اُس پر میں نے سوچ کر دل میں اُس کے

اندر داخل ہونے کی نسبت شکوک پیدا ہونے لگے۔ لیکن چونکہ میرا گھوڑا بہت تھکا ہوا تھا۔ اور دن گرم ہو گیا تھا۔ اور علاوہ ازیں بھوک کا جن بھی مجھپر سوار ہو گیا تھا۔ میں نے گاؤں میں داخل ہونے کی جرأت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور دوتی کے گھر میں داخل ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے اُس نے نہ مجھے اور نہ میرے گھوڑے کو مٹھی بھر اناج دیا۔ اس شوم دروازے سے نکل کر میں آہستہ گاؤں سے باہر نکل آیا۔ اور دیواروں کے باہر چند ایک پست گھر بنے ہوئے دیکھکر اُن کی طرف ہو لیا۔ اور خیال کیا۔ کہ افریقہ میں کیا۔ اور یورپ میں کیا سخاوت امیر گھروں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ان گھروں میں سے ایک کے دروازے پر ایک بڑھیا بیٹھی سوت کات رہی تھی۔ میں نے اشارات سے سمجھایا۔ کہ میں بھوکا ہوں۔ اور پوچھا۔ کہ آیا اُس کے پاس کھانے کو گھر میں کچھ ہے۔ اُس نے فوراً اپنا کام چھوڑ دیا۔ اور مجھے عربی زبان میں کہا کہ اندر آؤں۔ جب میں فرش کے اُوپر بیٹھ گیا۔ تو اُس نے گزشتہ رات کا بچا ہوا کوس کوس میرے آگے رکھدیا۔ اُس میں سے میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اور اس مہربانی کی عوض میں میں نے اپنا ایک رومال اُسے دیا۔ اور ساتھ اس کے اپنے گھوڑے کے لئے اُس سے غلہ مانگا۔ اور اُس نے فوراً مجھے غلہ لا دیا۔ جب میرا گھوڑا غلہ کہا رہا تھا۔ تو آدمی جمع ہو گئے۔ اُن میں سے ایک نے میرے میزبان کے کان میں کچھ کہا جس سے وہ بہت متعجب ہوئی۔

گو میں اچھی طرح فولاہ زبان جانتا نہیں تہا۔ میں نے جلدی معلوم کر لیا کہ ایک شخص مجھے گرفتار کر کے علی کے پاس بھیجکر انعام لینا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے غلہ کو باندہا۔ اور مبادا کوئی یہ خیال کرے۔ کہ میں موروں سے بھاگ کر آیا ہوں۔ میں شمال کے رُخ ہو لیا۔ اور اپنے گھوڑے کو آگے آگے ہانک کر جس حال میں کہ اُس گاؤں کے لڑکے لڑکیاں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے میں خوشی سے روانہ ہوا جب میں دو میل چل چکا۔ اور اپنے تکلیف دہ ساتھیوں سے تنہا ہوا۔ تو میں پھر جنگل میں داخل ہوا۔ اور ایک بڑے درخت کے نیچے پناہ لی۔ اس جگہ میں نے آرام کرنا مناسب سمجھا۔ اور چھوٹی ٹہنیاں جو

کا بستر بچھا اور زین کو سرہانے رکھ سو گیا۔

۴ جولائی۔ دن چڑھے پہر میں نے اُسی طرح جنگلوں کے درمیان راستہ لیا۔ اور کئی بارسنگھے۔ سؤر۔ شتر مرغ دیکھے۔ لیکن زمین پہاڑی تھی۔ اور ویسی زرخیز نہیں تھی جیسی وہ زمین تھی جس پر میں چل کر آیا تھا۔ گیارہ بجے کے وقت میں ایک بلندی پر گیا۔ اور ایک درخت پر چڑھ کر میں نے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر ایک کشادہ میدان جس پر سُرخ سُرخ جگہیں دکھلائی دیتی تھیں۔ دیکھیں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ وہ مزروعہ زمین ہے۔ اور اُس طرف کو اپنے راستے کا رخ بدل کر ایک بجے کے وقت ایک پانی والی جگہ کی حدود میں پہنچا۔

اس جگہ شکل و صورت سے میں نے دریافت کیا۔ کہ وہ فولاہ سے علاقہ رکھتی ہے۔ چنانچہ مجھے اُمید ہو گئی۔ کہ پچھلے گاؤں کی نسبت اس جگہ میری اچھی خاطر کی جائیگی۔ اس میں میں نے دہو کا ہی نہ کھایا کیونکہ ایک چوپان نے مجھے اپنے خیمے میں بلایا۔ اور کھجوریں کھانے کو دیں۔ یہ خیمہ اُن فولاہ کے خیموں میں سے تھا جس میں آٹھ کر بمشکل بیٹھ سکتے ہیں۔ اور اس میں گھر کے لوگوں کا اسباب وغیرہ اس طور سے اوپر نیچے پڑا ہوا تھا۔ کہ گویا وہ صندوق تھا۔ جب میں اپنے ہاتھ اور پاؤں کے بل رینگتا اُس خیمے میں گیا۔ تو میں نے معلوم کیا۔ کہ اُس میں ایک عورت اور تین بچے ہیں۔ اور جب میں اور وہ چوپان بھی اُس میں داخل ہوئے۔ تو وہ ساری کی ساری جگہ بھر گئی۔ اُبلے ہوئے اناج اور کھجوروں کا برتن میرے آگے رکھا گیا۔ اور جیسا کہ اس ملک کا دستور ہے۔ پہلے گھر کے مالک نے خود کھایا۔ اور پھر مجھے کھانے کے لئے کہا۔ جب میں کھا رہا تھا۔ لڑکے ٹکٹکی باندھ کر مجھے دیکھتے رہے۔ اور جونہی کہ اُس چوپان نے نصرانی کا لفظ بولا۔ تو وہ رونے لگے۔ اور اُن کی والدہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف گئی۔ اور اُس میں سے وہ کتے کی طرح جست کر کے باہر نکل گئی۔ اور فوراً اُسکے بچے

اُس کے پیچھے نکل گئے عیسائی کے نام سے وہ اس قدر ڈر گئے تھے کہ باوجودیکہ میں منت کرتا تھا۔ مگر وہ خیمے کے نزدیک نہیں آتے تھے۔ اس جگہ میں نے کچھ غلہ اپنے گھوڑے کے لیئے خرید اتھا۔ اور اس کے عوض میں کچھ پیتل کے بٹن دئیے۔ اور چوپان کا شکریہ ادا کر کے پھر جنگل کی راہ لی۔ غروب آفتاب کے وقت میں اُس سڑک پر جو بمبارا کی طرف جاتی تھی۔ آیا۔ اور اُس پر رات بھر چلنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن آٹھ بجے کے قریب چند ایک لوگوں کی آواز سن کر جو جنوب کی طرف سے آرہے تھے۔ میں نے جنگل کی گھنی جھاڑیوں کے پیچھے چھپ جانا مناسب سمجھا۔ چونکہ یہ جھاڑیاں جنگلی جانوروں سے پر ہوتی ہیں۔ میں نے اپنی حالت کو بہت ناگوار پایا۔ میں اندھیرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ گھوڑے کی ناک کو اس لئے کہ وہ نہ ہنہنائے۔ دونو ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا۔ اور باہر سے لوگوں سے اور اندر سے جنگلی جانوروں سے ڈرتا تھا۔ مگر میرا ڈر جلدی رفع دفع ہو گیا۔ کیونکہ اُن آدمیوں نے جھاڑی کے گرد دے دیکھکر۔ اور کچھ نہ پاکر اپنی راہ لی۔ اور میں جنگل کے زیادہ کشادہ راستے پر ہو لیا۔ اور جنوب مشرق کی طرف سفر کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ راستہ چلتے چلتے میں نے مینڈکوں کی فرحت بخش آواز پھر سنی۔ اور پیاس بجھانے کی خاطر راستے سے پھر الگ ہوا۔ بارش کے پانی سے پیاس بجھا کر میں نے کھلی جگہ کی تلاش کی جس میں میں نے ایک ہی درخت پایا۔ اُس کے نیچے بستر ہ کر کے میں نے رات بسر کرنے کی ٹھانی۔ صبح کے قریب بعض بھیڑیوں نے مجھے آکر تکلیف دی جس سے دن چڑھنے کے پیشتر روانہ ہونے کے لئے مجبور ہوا۔ اور ایک چھوٹے سے گاؤں بنام واسلتا سے گزر کر پانچ جولائی کو دس بجے کے قریب ایک حبشیوں کے گاؤں بنام واورا میں پہنچا۔ اصل میں تو یہ گاؤں کرتا سے متعلق تھا۔ لیکن اس وقت منسانگ شاہ بمبارا کا باجگذار تھا۔

پندرھواں باب

حبشیوں کی رازجوئی۔ بادشاہ کا پیغام

واواہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک ملند دیوار ہے اور اس میں کچھ تو منڈنگو اور کچھ فولاہ کے لوگ آباد ہیں۔ یہاں کے باشندے خصوصاً زراعت پیشہ ہیں۔ غلے کو وہ موروں کے ساتھ نمک کی عوض میں ادلا بدلا کر لیتے ہیں۔ اس جگہ پہنچ کر چونکہ میں موروں سے امن میں ہو گیا تھا اور بہت تھکا ہوا تھا۔ میں نے آرام کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں کے دوتی نے بھی میری بہت خاطرداری کی۔ چنانچہ میں بیل کے چمڑے پر لیٹ کر دو گھنٹے ایک بڑے آرام سے سویا رہا۔ مگر لوگوں کی رازجوئی نے مجھے بہت دیر تک سونے نہ دیا۔ اُنہوں نے میری زین اور لگام کو دیکھا تھا۔ اور کثرت سے اس بات کے معلوم کرنے کے لئے کہ میں کون تھا۔ اور کہاں سے آیا تھا۔ جمع ہو رہے تھے۔ بعض یہ کہتے تھے۔ کہ میں عرب تھا۔ بعض کہتے تھے کہ میں کوئی مور سلطان تھا۔ اور ان باتوں پر وہ ایسی سرگرمی سے بحث کرتے رہے۔ کہ اُن کے شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ دوتی جو پہلے گیمبیا میں بھی ہو آیا تھا۔ میری طرف سے بطور میاں جی مقرر ہوا۔ اور اُنہیں یقین دلایا کہ فی الواقع میں ایک سفید آدمی ہوں۔ لیکن اُسے میری صورت سے یقین ہو گیا تھا۔ کہ میں غریب ہوں۔

۶ جولائی۔ رات کے وقت بہت بارش ہوئی۔ اور صبح کے وقت میں ایک حبشی کے ساتھ جو اناج کے لئے ایک گاؤں بنام ڈنگینی کو جانے والا تھا۔ روانہ ہو گیا۔ لیکن ابھی ہم ایک میل بھر بھی نہیں چلے تھے۔ کہ اُس گدھے نے جس پر وہ سوار تھا۔ اُسے گرا دیا۔ اور وہ مجھے اکیلے سفر کرنے کے لئے چھوڑ کر لوٹ آیا۔ دوپہر کے وقت میں ڈنگینی میں پہنچا۔ لیکن دوتی اور وہاں کے اکثر باشندے باہر کھیت بونے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ایک بوڑھے فولاہ نے گاؤں میں مجھے آوارہ پھرتے دیکھکر اپنے گھر میں بلا لیا۔ اور میری

بہت خاطر داری کی۔ اور جب دوقی واپس آیا۔ تو اُس نے میرے لئے کچھ کھانا اور میرے گھوڑے کے لئے کچھ دانا بھیجا۔

۷ جولائی۔ صبح کے وقت جب میں روانہ ہونے کے لئے تیار ہوا۔ تو اُس گہر کے مالک نے جس میں میں رہا تھا۔ بڑی منت کے ساتھ میرے بالوں کی زلف مجھسے مانگی۔ اُس نے کہا۔ کہ میں نے سنا ہے۔ کہ سفید آدمیوں کے بالوں کا ایک ایسا تعویذ بنایا جاتا ہے۔ کہ جس سے سفید آدمیوں کا تمام علم آ جاتا ہے۔ میں نے ایسی سادہ تعلیم کا تذکرہ پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ لیکن میں نے فوراً اُس کی درخواست کی تعمیل کی۔ اس کے بعد میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کا نام وسیبو تھا۔ بارہ بجے کے قریب پہنچا۔ جہاں میں اس لئے ٹھہرنے کو مجبور ہوا۔ کہ کوئی بدرقہ مل جائے۔ تو اُس کے ساتھ ساتھ سفیلی کو جاؤں۔ اور یہ گاؤں دن بھر کی پوری منزل پر تھا۔ اور ایسے جنگلوں میں سے جانا پڑتا تھا۔ کہ جن میں سے شاذ و نادر آمدرفت ہوتی تھی۔ اس لئے میں نے دوقی کے گھر میں رہائش اختیار کی۔ اس جگہ میں چار روز تک ٹھہرا۔ اور دوقی کے گھروالوں کے ساتھ کھیتوں میں اناج بو کر اپنا دل خوش کرتا رہا۔ اس جگہ زراعت بہت وسیع طور سے ہوتی ہے۔ اور یہاں کے باشندوں کا قول ہے۔ کہ بھوک کا یہاں کسی کو نام بھی یاد نہیں۔ زراعت میں عورتیں مرد برابر کام کرتی ہیں۔ وہ ایک بڑی لمبی (کدالی) استعمال کرتی ہیں۔ جو گیمبیا کی (کدالی) سے بہت عمدہ ہے لیکن موروں کے خوف کے مارے انہیں اپنے اوزار کھیتوں پر ساتھ لے جانے پڑتے ہیں۔ آقا اپنی برچھی کے دستے سے کھیت کے قطعے باقاعدہ بنا دیتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک قطعہ پر تین تین غلام کام کرتے ہیں۔

گیارہ تاریخ کی شام کو آٹھ بھاگے ہوئے کرتا کے رہنے والے وسیبو میں آئے۔ انہیں موروں کی ظالمانہ حکومت میں زندگی بسر کرنا دشوار ہو گیا تھا اور اب بمبارا کے بادشاہ سے دوستی گانٹھنے کے لئے جا رہے تھے۔ اُنہوں نے مجھے اپنے ساتھ تسیلی تک لے جانا چاہا۔ اور میں نے اس بات کو منظور کر لیا۔

۱۲ جولائی۔ صبح کو ہم روانہ ہوئے۔ اور غیر معمولی تیزی کے ساتھ شام تک چلتے رہے۔ دن کے وقت ہم نے صرف دو دفعہ قیام کیا۔ ایک دفعہ تو جنگلوں میں ایک پانی والی جگہ پر ٹھہرے۔ اور دوسری جگہ ایک گاؤں کے کھنڈرات میں جو ڈیزی کا تہا۔ اور جس کا نام الاکو ہے یعنے اناج کا قسبہ تھا۔ جب ہم سیتائی کے نواح میں پہنچے۔ تو لوگ جو کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ اس قدر سواروں کو دیکھکر ہمیں مور سمجھہ بیٹھے ... اور ہم سے چیخیں مارتے ہوئے بھاگ گئے فوراً تمام گاؤں میں خبر ہو گئی۔ اور ہل چل مچ گئی۔ اور ہر کہیں غلام مویشی کو گاؤں کی طرف ہانکتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ہم میں سے ایک نے یہ حال دیکھکر گھوڑا دوڑایا۔ اور اُن کا دہوکا دور کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس سے وہ اور بھی ڈر گئے۔ جب ہم گاؤں میں پہنچے۔ تو ہم نے اُس کے دروازے بند پائے۔ اور لوگوں کو مسلح دیکھا۔ بہت گفتگو کے بعد ہمیں اندر آنے کی اجازت ملی۔ اور چونکہ طوفان کی آمد آمد معلوم ہوتی تہی۔ دوتی نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک بیل کا چمڑا سونے کو دیا۔

۱۳ جولائی۔ دوسرے دن علے الصباح ہم پھر روانہ ہوئے۔ سڑکیں گیلی اور پھسلنی تہیں۔ لیکن ملک بہت خوبصورت تہا۔ اس میں نالے بکثرت تھے۔ اور بسبب بارش کے اُن میں سیلاب آیا ہوا تہا۔ دس بجے کے قریب ہم ایک گاؤں کے کھنڈرات کے پاس سے گذرے۔ جو چھہ ماہ پیشتر لڑائی میں ویران ہو چکا تہا۔

دوپہر کے وقت میرا گھوڑا اس قدر تھک گیا تہا۔ کہ میں اپنی ساتھیوں کے ساتھہ برابر نہیں چل سکتا تہا۔ اس لئے میں اتر پڑا۔ اور اُن سے کہا۔ کہ تم بڑہے چلو۔ اور میں تم سے میرا گھوڑا آرام کر چکتا ہے تو آملتا ہوں۔ لیکن اُنھوں نے مجھے اکیلے چھوڑ کر نہ جانا چاہا۔ اور کہا۔ کہ اُن ملکوں میں شیر کثرت سے ہیں۔ اور گو وہ اس قدر جماعت پر حملہ نہ کرینگے۔ لیکن ایک آدمی کو وہ کبھی نہ چھوڑینگے۔ اس لئے اس بات پر اتفاق کیا گیا۔ کہ اُن میں سے ایک میرے گھوڑے کے ہانکنے کی امداد دینے کے لئے ٹھہرے۔ اور باقی آگے

جا کر گلوبین میں رات بسر کرنے کے لئے جگہ تیار کریں۔ اور رات کے پیشتر گھوڑوں کے لئے گھاس تیار کروا چھوڑیں۔ اس حبشی کے ساتھ مل کر میں چار بجے تک اپنے گھوڑے کو ہانکتے رہا۔ یہاں تک کہ ہم گلو کے قریب آگئے۔ اور اُسے بہت بڑا گاؤں پایا۔ زرخیز اور خوبصورت وادی کے درمیان یہ گاؤں واقع تھا۔ اور اُس کے چاروں طرف اونچے پہاڑ تھے۔

دوسرے دن علے الصباح یعنی ۱۴ جولائی کو مالک مکان کا جس کے ہاں ٹھہرے تھے میں نے شکریہ ادا کیا۔ اور میرے ساتھ والوں نے نماز پڑھی اور اُس کے لئے دُعا مانگی۔ تو ہم روانہ ہوئے۔ اور تین بجے کے وقت مورجہ میں پہنچے۔ یہ بڑا شہر تھا۔ اور بسبب نمک کی سوداگری کے مشہور تھا۔ مو اس جگہ نمک بڑی کثرت سے لاتے ہیں۔ اور غلے اور سوتی کپڑے کے عوض میں دے جاتے ہیں۔ چونکہ اس جگہ اہل اسلام بہت کثرت سے آباد ہیں۔ اس لئے کفار کو شراب پینے کی سوائے بعض گھروں کے ممانعت ہے۔ ان گھروں میں سے ایک کو میں نے بیس ایک آدمیوں کے قریب ایک بڑے مٹکے کے گرد بیٹھے دیکھا۔ دور چل رہا تھا۔ اور اُن میں کئی ایک مست ہو رہے تھے۔

۱۶ تاریخ کی صبح کو ہم بیس گدھوں کے قافلے کے ساتھ جن پر نمک لادا ہوا تھا۔ اور سان سانڈنگ کو لے جا رہے تھے۔ روانہ ہوئے۔ سڑک خاص کر بہت عجیب تھی۔ کیونکہ دو پہاڑوں کے بیچ میں جاتی تھی۔ لیکن مو اس جگہ کبھی کبھی مسافروں کو لوٹنے کے لئے گھات لگائے رہتے ہیں۔ جونہی ہم میدان میں پہنچے۔ گدھوں کے مالک نے ہمارا اتنی دیر تک اُس کے ساتھ رہنے سے شکریہ ادا کیا۔ اور ہم سے کہا کہ آگے چلے چلو۔

پیشتر اس کے کہ ہم دتلیبو میں پہنچے۔ آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ شام کے وقت میں آندھی آئی۔ چونکہ اُس گھر کی چھت جس میں ہم اُترے ہوئے تھے ٹپکاتی تھی اُس میں پانی کثرت سے آگیا۔ فرش پر ٹخنے ٹخنے کے برابر پانی ہو گیا۔ آگ سلگا لی گئی۔ اور ہمیں گھاس کے بعض بنڈلوں پر جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے بیٹھ کر رات بسر کرنی پڑی۔

۷ اجولائی ہم تنلیبو سے روانہ ہوئے۔ اور دس بجے کے قریب ایک قافلے سے ملے۔ جو سیگو سے اناج۔ چٹائیاں۔ اور رغائی باسن لے کر واپس آرہا تہا۔ پانچ بجے کے قریب ہم ایک بڑے گاؤں میں پہنچے۔ جہاں ہم نے رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہاں کے دوتی نے ہمیں رہنے نہیں دیا۔ جب ہم اُس جگہ سے روانہ ہوئے۔ میرا گھوڑا اس قدر تھک گیا تہا۔ کہ میں اُسے ہانکنے کے لئے مجبور ہوا۔ اور پیشتر اس کے کہ ہم فنمبو مین پہنچے۔ اندہیرا پڑ گیا۔ یہ چھوٹا گاؤں تہا۔ اس جگہ کے دوتی نے جب سنا۔ کہ ایک سفید آدمی بہی آیا ہے۔ تو وہ تین بندوقیں جو مرمت طلب تہیں۔ نکال لایا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ میں انہیں درست نہیں کرسکتا۔ تو بڑا مایوس ہوا۔

۸ اجولائی۔ ہم نے پہر سفر اختیار کیا۔ لیکن چونکہ گزشتہ رات ہم نے تھوڑا کھانا کھایا تہا۔ ہمیں آج صبح بہت بھوک لگ گئی۔ ہم نے ایک گاؤں سے کھانا لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔

میرا گھوڑا جو ہر روز کمزور ہوتا جاتا تھا۔ اب مجھے بہت کم کام دیتا تہا۔ دن کا اکثر حصہ مجھے اُس کے ہانکنے میں لگ جاتا تہا۔ چنانچہ میں جیوسور دیں آٹھ بجے رات کے پہنچا۔ میں نے اپنے ساتہیوں کو دوتی سے جھگڑتے ہوئے پایا کیونکہ اُس نے انہیں غلہ دینا۔ یا بیچنا بالکل روک دیا تہا۔ اور چونکہ ہم میں سے کسی نے آٹھ پہر سے کچھ نہیں کھایا تہا۔ اس لئے ایک اور دن ہمیں فاقے سے کاٹنا پڑتا۔ چونکہ ہم نے منت سماجت میں کچھ فائدہ نہ دیکھا۔ اس لئے میں بہت تھکا ہوا تہا۔ سو گیا۔ آدہی رات کے وقت مجھے یہ خوش خبری سنا کر کسی نے جگایا۔ کہ کھانا آگیا ہے۔ اُٹھو۔ اس سے باقی رات عمدگی سے بسر ہوئی۔ دن چڑھے یعنے ۹ اجولائی کو ہم نے پہر سفر اختیار کیا۔ اور اگلی رات دولنکیا بو میں ٹھیرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ میرے ساتہیوں کے پاس مجھ سے عمدہ گھوڑے تھے۔ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ میں برہنہ پاؤں اپنے گھوڑے کو ہانکتا جاتا تہا۔ یہاں تک کہ میں ستر غلاموں کے قافلے کو جو سیگو سے آتے تھے۔ ملا۔ بیل کے چمڑے کے تسمے سے اُن کی گردنیں باندہی

ہوئی تھیں۔ ایک ایک سے سات سات غلام باندھے ہوئے تھے۔ اور ہر رستہ کے درمیان ایک آدمی تھا جس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ غلام بہت بدحال تھے۔ اور اُن میں سے اکثر عورتیں تھیں۔ اُن کے پیچھے سیدی محمد کا نوکر تھا۔ جو مجھے یاد تھا کہ میں نے بنیوم کے کیمپ میں دیکھا تھا۔ اُس نے فوراً مجھے پہچان لیا۔ اور کہا۔ کہ یہ غلام لدنامار اور صحرائے اعظم کی راہ سے مراکو جانے والے ہیں۔

سہ پہر کے وقت جب میں دولنکیابو میں پہنچ گیا۔ میں بیس۲۰ سوار موروں سے ملا۔ جو اُن غلاموں کے مالک تھے۔ جنہیں میں نے صبح کے وقت دیکھا تھا۔ وہ بندوقوں سے خوب مسلح تھے۔ اُنہوں نے مجھ سے بہت سوال کئے لیکن اس قدر وحشت سے نہیں۔ جیسے کہ اُن کے ہموطن ہیں۔ اُن سے مجھے معلوم ہوا کہ سیدی محمد سیگو میں نہیں تھا۔ بلکہ سونے کے ذرات کے لئے گنکابہ کو گیا ہوا تھا۔

جب میں دولنکیابو میں پہنچا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے ساتھی آگے چلے گئے ہیں۔ لیکن میرا گھوڑا اس قدر تھک گیا تھا۔ کہ میرے لئے اُس کے پیچھے جانا ممکن نہیں تھا۔ گاؤں کے دوتی سے میں نے پانی مانگا۔ اُس نے مجھے پانی دیا۔ ان جگہوں میں پانی بہت خاطرداری کی چیز خیال کیا جاتا ہے۔ مجھے پیٹ بھر کھانے اور خوب سو کر دن کی تکان کو دفع کرنے کی اُمید تھی لیکن بدقسمتی سے نہ مجھے کھانا ملا۔ نہ سونا نصیب ہوا۔ رات کو بارش ہوئی۔ اور طوفان آیا۔ اور دوتی نے اپنی میزبانی پانی کے گھونٹ تک محدود رکھی۔

۲۰ جولائی۔ صبح کے وقت میں نے بہتیری منتیں کیں۔ اور دھمکایا لیکن کھانے کو کچھ نہ ملا۔ میں نے اُس کی لونڈی سے کچھ غلہ مانگا۔ کیونکہ وہ اُسی کنوئیں پر کپڑے دھو رہی تھی لیکن اُس نے بھی انکار کر دیا۔ لیکن جب دوتی کھیت پر چلا گیا۔ اُس کی بیوی نے مجھے مٹھی بھر آٹا بھیجا جسے میں نے پانی میں گھول سا اور پی لیا۔ آٹھ بجے کے وقت میں دولنکیابو سے روانہ ہوا۔ اور دوپہر کے وقت ایک بڑی کوری پر ٹھہرا۔ جہاں مجھے فولاہ نے

دودھ دیا۔ اور چونکہ میں نے سنا۔ کہ وہاں سے دو حبشی سیگو کو جانے والے ہیں مجھے اُن کے ساتھ چلنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ اور ہم فوراً روانہ ہوئے۔ چار بجے کے وقت ہم ایک چھوٹے سے گاؤں میں ٹھہرے۔ جہاں اُن حبشیوں میں سے ایک کو آشنا مل گیا۔ جس نے ہم سب کی ضیافت کی۔ اور معمول کی لنسبت زیادہ بڑھکر کھانا تیار کیا۔ کٹے دودھ اور آٹے کا ایک برتن تھا۔ شراب تھی۔ جسے وہ اناج سے تیار کرتے ہیں۔ اور جو بڑی فیاضی سے تقسیم ہوئی۔ عورتیں بھی اس ضیافت میں شریک ہوئیں۔ جو ایک ایسی بات تھی۔ کہ میں نے افریقہ میں کہیں ایسا نہیں دیکھا تھا۔ کوئی جبر نہیں تھا۔ ہر ایک کو جس قدر وہ چاہے۔ پینے کا اختیار تھا۔ جب کوئی پینے لگتا۔ تو دوسر کو سر ہلا کر اشارہ کرتا۔ اور برتن کو نیچے دھر کر کہتا۔ ”خود برکا“ خو دیعنی میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دونو مرد اور عورتیں کسی قدر متوالی ہو گئیں۔ لیکن اُن میں دنگہ فساد نہیں تھا۔

اُس جگہ سے روانہ ہو کر ہم کئی بڑے بڑے گاؤں کے پاس سے گزرے اُس جگہ کے لوگ مجھے مور خیال کرتے۔ اور بہت خوش ہوتے۔ اور مجھے اپنا گھوڑا آگے آگے ہانکتا دیکھکر اس قدر کھِل کھِلا کر ہنستے کہ اُن کے بٹیوں میں بل پڑ پڑ جاتے۔ ایک کہتا۔ وہ مکہ شریف سے ہو آیا ہے۔ تم اس کے کپڑوں سے دیکھ سکتے ہو۔ دوسرا مجھسے پوچھتا۔ کہ آیا میرا گھوڑا بیمار ہے۔ تیسرا اُسے خریدنے کو دریافت کرتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ میرے ساتھ والے غلام میری صحبت سے شرمندہ ہوئے بیشتر اس کے کہ اندھیرا پڑے۔ ہم نے ایک چھوٹے گاؤں میں رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس جگہ مجھے کچھ روٹیاں اپنے لئے اور کچھ غلہ اپنے گھوڑے کے لئے مل گیا۔ اور میں نے سنا۔ کہ کل کے دن علی الصباح میں دریائے نائیجر کو جسے وہاں کے باشندے جالیبا یعنے بڑا دریا کہتے ہیں۔ دیکھونگا۔ اس جگہ شیر بہت کثرت سے ہیں۔ غروب آفتاب کے ذرا بعد دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور کسی شخص کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی

صبح کے وقت دریائے نائیجر کے دیکھنے کے خیال نے اور مچھروں کی بھنبھناہٹ نے مجھے آنکھیں بند کرنے نہ دیں۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور دن چڑھنے کے پیشتر روانہ ہوا۔ لیکن جنگلی جانوروں کے سبب ہمیں لوگوں کے اُٹھنے اور دروازوں کے کھلنے کے وقت تک انتظار کرنا پڑا۔

آج کے دن سیگو میں منڈی کا دن تھا۔ لوگوں سے سڑکیں بھر رہی تھیں۔ جو مختلف اشیا بیچنے کے لئے لا رہے تھے۔ ہم چار بڑے گاؤں کے پاس سے گزرے۔ اور آٹھ بجے کے وقت ہم نے سیگو پر دھواں دیکھا۔ جب ہم اُس جگہ پہنچے۔ تو میں اُن بھاگے ہوئے کرتا والوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ بمبارا کی طرف اُن کے ساتھ ہونے کے سبب سے میں اُن کا بہت احسان مند تھا۔ اُنہوں نے فوراً بادشاہ سے میری معرفت کرانے کا اقرار کیا۔ اور ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک دلدل والی زمین سے گزرے۔ جہاں میں بڑے شوق سے اِدھر اُدھر دریا کو دیکھ رہا تھا۔ ایک شخص بول اُٹھا۔ کہ جیبو افلی۔ (وہ دیکھو دریا) اور آگے کو نظر کرکے میں نے نہایت خوشی سے اپنے کام کے مدعا کی چیز کو دیکھا۔ یعنے اُس بڑے عالیشان دریا کو جسے نائیجر کہتے ہیں۔ جو صبح کی دھوپ میں ایسے طور سے چمکتا تھا۔ جیسے وسٹ منسٹر کے پاس دریائے ٹیمز چمکتا ہے۔ اور بڑی متانت سے مشرق کی طرف بہ رہا تھا۔ میں دوڑ کر کنارے پر گیا۔ اور اُس کے پانی میں سے پی کر اُس تمام اشیا کے حاکم کا بڑی خوشی سے شکریہ ادا کیا۔ جس نے یہاں تک میری کوششوں کو کامیابی کا تاج پہنایا تھا۔

نائیجر کے مشرق کی طرف بہنے کا واقعہ اور اُس کے اور متعلقہ امور نے میری حیرانی کو برانگیختہ نہ کیا۔ کیونکہ باوجودیکہ میں یورپ سے اس مضمون کے متعلق بڑے لیس وپیش میں روانہ ہوا تھا۔ اور زیادہ تر میرا یہ خیال تھا۔ کہ یہ مغرب کو بہتا ہوگا۔ اسی لئے دوران سفر

میں ہیں نے اس دریا کے متعلق اس کثرت سے لوگوں سے سوال کئے تھے اور مختلف قوموں کے حبشیوں سے مجھے ایسے سیدھے اور قطعی جوابات ملے تھے۔ کہ اُس کا راستہ طلوع آفتاب کی طرف ہے۔ کہ میرے دل میں اس کے متعلق کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ اس کا زیادہ تر باعث یہ تھا۔ کہ مجھے معلوم تھا۔ کہ میجر ہاگٹن نے اسی طور سے یہی بتہ دریافت کیا تھا۔

سیگو یعنے بمبارا کے دارالخلافے میں جس میں ہیں اب وارد ہوا تھا۔ چار شہر ہیں۔ جن میں سے دو دریائے نایجر کے شمالی کنارے پر ہیں۔ اور انہیں سیگوکورو اور سیگوبو کہتے ہیں۔ اور دو جنوبی کنارے پر ہیں۔ جن کا نام سیگوسوکورو۔ اور سیگوسی کورو ہے ان سب کے گرد مٹی کی بلند دیواریں ہیں۔ گھر مٹی کے ہیں مربع شکل کے اور اُن کی چھتیں چپٹی ہیں۔ ان میں سے بعض دو مرلے ہیں اور بہتوں پر سفیدی کی ہوئی ہے۔ علاوہ ان عمارات کے ہر ایک طرف مسجدیں نظر آتی ہیں۔ گو کوچے تنگ ہیں۔ مگر کاربراری کے لئے کافی ہیں۔ اس ملک میں گاڑی اور اس قسم کی کسی چیز کا نام ونشان نہیں۔ میں نے بہتیرا دریافت کیا ہے۔ اور مجھے اس بات کے باور کرنے کی وجہ بھی معلوم تھی کہ سیگو میں کل تیس ہزار باشندے ہیں۔ بمبارا کا بادشاہ ہمیشہ سیگوسی کورو میں رہتا ہے دریا پر لوگوں کو لے جانے میں اُس نے بہت غلام رکھے ہوئے ہیں اُن سے جو محصول حاصل ہوتا ہے۔ وہ سال بھر میں ایک رقم کثیر ہو جاتی ہے۔ (دس کوڑیاں یہاں فی کس محصول ہے کشتیاں عجیب طرز کی بنی ہوئی ہیں۔ ہر ایک کشتی دو درختوں کے بڑے تنے کی بنی ہوتی ہے۔ ان تنوں کو پہلو بہ پہلو نہیں جوڑتے۔ بلکہ سراسرے کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ ان کے ملانے کی جگہ کشتی کے عین وسط میں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بہت لمبی ہوتی ہیں۔

مگر چوڑائی میں بہت تنگ ہوتی ہیں۔ اور نہ اُن پر چھت ہوتی ہے۔ نہ مستول ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں بہت جگہ ہوتی ہے کیونکہ میں نے اُن میں چار گھوڑے اور کئی اشخاص دریا سے پار جاتے دیکھے۔ جب ہم اُس گھاٹ پر پہنچے۔ اس نیت سے۔ کہ دریا پر سے گزر کر اُدھر جائیں۔ جہاں بادشاہ رہتا ہے۔ تو ہم نے بہت لوگوں کو انتظار کرتے پایا۔ وہ چپ چاپ تعجب سے مجھے دیکھتے تھے اور میں نے اُن میں کے درمیان ٹکٹکی باندھی ہوئی تھی۔ کشتی پر سوار ہونے کے تین مختلف مقام تھے۔ اور ملاح بڑے محنتی اور چالاک تھے لیکن لوگوں کی بھیڑ کے سبب سے مجھے جلدی راستہ نہ مل سکا۔ اور میں کنارے پر زیادہ عمدہ موقع دیکھنے کے لئے بیٹھ گیا۔ اس بڑے شہر کا نظارہ۔ دریا پر کشتیوں کی کثرت۔ گنجان آبادی۔ اور اردگرد کھیتوں کے ہونے سے عجب رونق اور شائستگی کی صورت نظر آتی تھی۔ جس کی مجھے افریقہ کے وسط میں دیکھنے کی اُمید نہ تھی۔

میں دو گھنٹے تک انتظار کرتا رہا۔ مگر مجھے پار جانے کا موقع نہ ملا۔ اس اثنا کے درمیان وہ لوگ جو پار گئے تھے۔ منسانگ بادشاہ کے پاس خبر لے گئے۔ کہ ایک سفید آدمی دریا سے گزرنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اور اسے دیکھنے کو آ رہا ہے۔ اُس نے فوراً اپنا ایک خاص آدمی بھیجا۔ اُس نے مجھے آکر خبر دی۔ کہ جب تک میں اس ملک میں آنے کا مدعا نہ ظاہر کرونگا۔ بادشاہ مجھسے ملاقات نہیں کریگا اور مجھے بادشاہ کی اجازت کے بغیر دریا سے پار نہیں جانا چاہئے۔ اس لئے اُس نے مجھے ایک دور کے گاؤں میں اُترنے کی صلاح دی جہاں مجھے یہ بات معلوم کر کے بڑا غم ہوا کہ کوئی آدمی مجھے اپنے گھر میں نہیں اُترنے دیتا تھا مجھے ہر کوئی حیرانی اور خوف سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ دن بھر درخت کے سائے کے نیچے بیٹھنے کو میں

مجبور ہوا۔ اور آگے رات بہت بے چین کرنے والی آئی۔ کیونکہ ہوا شروع ہو گئی۔ اور بادل کی علامات ظاہر ہوئیں۔ جنگلی جانور یہاں اس کثرت سے ہیں۔ کہ میں درخت پر چڑھنے اور شاخوں کے درمیان آرام کرنے کے لئے مجبور ہوا۔ غروب آفتاب کے وقت جب میں اس طور سے رات بسر کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اور اپنے گھوڑے کو اس لئے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ کہ وہ آزادی سے چرتا پھرے۔ ایک عورت کھیت سے لوٹتی ہوئی مجھے دیکھکر کھڑی ہو گئی۔ اور معلوم کر کے کہ میں غمگین اور تھکا ہوا تھا۔ میری حالت پوچھی۔ جو میں نے مختصر طور سے اُسے بتلائی۔ اس پر رحم کی نظر سے اُس نے میری زین اور لگام اُٹھا لی۔ اور مجھے اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا۔ جب میں اُس کے گھر میں پہنچا۔ اُس نے چراغ جلایا۔ فرش پر چٹائی بچھائی اور مجھے کہا کہ میں رات اس جگہ بسر کر سکتا ہوں۔ یہ معلوم کر کے کہ میں بہت بھوکا تھا۔ اُس نے کہا۔ کہ میں تمہارے کھانے کو کچھ لاتی ہوں اس لئے وہ باہر چلی گئی۔ اور جلدی بہت عمدہ مچھلی لے کر واپس آئی۔ اور اُسے کوئلوں پر بھون کر اُس نے رات کے کھانے کے لئے مجھے دی۔ میزبانی کے ان مراسم کو ایسے اجنبی سے ادا کر کے جو مصیبت میں تھا۔ میری مربیہ نے چٹائی کی طرف اشارہ کر کے اور یہ کہہ کر کہ میں وہاں بلا خوف سو سکتا ہوں۔ اپنے پڑوس کی عورتوں کو بلایا۔ جو کھڑی ہو کر مجھے حیرانی سے دیکھتی رہیں۔ وہ سوت کاتنے کے لئے آئی تھیں۔ جس میں وہ بہت رات تک مشغول رہیں۔ اُنہوں نے گیت گا کر اپنی محنت کو کم کیا۔ ایک گیت اُنہوں نے فی البدیہہ بنا لیا۔ جو میری نسبت تھا۔ یہ گیت ایک نوجوان عورت نے گایا۔ اور دوسری عورتیں اُس کی سر میں شامل ہوئیں۔ اُن کی آواز نہایت شیریں اور صاف تھی۔ اور اُن کے لفظوں کا ترجمہ لفظی یہ تھا۔ ہوا شور کرتی تھی۔ اور بارش ہوتی تھی۔ بیچارہ

سفید آدمی تھکا ہوا اور بے ہوش ہمارے درخت کے نیچے آکر بیٹھ گیا۔ اس کی ماں نہیں۔ کہ اسے دودھ لا کر دے۔ نہ جورو ہے۔ کہ اسے آٹا پیس دے عورتیں مل کر تو ہمیں اس سفید آدمی پر رحم کرنا چاہئے۔ جس کی رنا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ گو ناظرین کو یہ گیت حقیر سا معلوم ہوتا ہو۔ لیکن میرے اوپر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس غیر متوقعہ عنایت سے میں حیران رہا۔ اور خواب میری آنکھوں سے دور ہو گئی۔ صبح کے وقت میں نے اپنی مربیہ کو اپنے کُرتے کے دو پیتل کے بٹن دئے۔ کیونکہ بجز اس کے اور کچھ میرے پاس نہیں تھا۔

۲۱ جولائی۔ آج کے دن اس گاؤں میں دن بھر لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ وہ گروہ در گروہ مجھے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ لیکن شام کے وقت یہ بات معلوم کر کے کہ بادشاہ کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا مجھے بہت بےچینی ہوئی۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ لوگ کانوں میں باتیں کرنے لگے۔ کہ بادشاہ کو موروں اور سلامیوں سے جو سیگو میں رہتے ہیں۔ میری نسبت بہت بری خبر پہنچی ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ میرے سفر کے اغراض سے بہت شکی تھے۔ میں نے سنا۔ کہ بادشاہ نے میری ملاقات کے لئے بہت صلاح مشورہ کیا۔ اور بعض گاؤں والوں نے مجھے سنجیدگی سے سمجھایا کہ میرے بہت دشمن ہیں۔ اور مجھے کسی مہربانی کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔

۲۲ جولائی۔ گیارہ بجے کے وقت بادشاہ کی طرف سے ایک قاصد آیا۔ لیکن اس نے مجھے بہت کم تسلی دی۔ اس نے خاص کر مجھ سے دریافت کیا۔ کہ آیا میں کوئی تحفہ لایا ہوں۔ اور جب اس نے سنا۔ کہ جو کچھ میرے پاس تھا۔ وہ موروں نے لوٹ لیا ہے۔ بہت مایوس ہوا۔ جب میں نے اس کے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے کہا۔ کہ سہ پہر تک ٹھہرو۔ اس وقت بادشاہ تمہیں خود بلائیگا۔

۲۳ جولائی۔ سہ پہر کے وقت ایک اور قاصد بادشاہ کی طرف سے ایک تھیلا لے کر آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ بادشاہ کی آرزو ہے۔ کہ سیگو کے نواح سے تم فوراً چلے جاؤ۔ اور چونکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ سفید آدمی تکلیف نہ اٹھائے

اُس نے تمہیں پانچ ہزار کوڑیاں بھیجی ہیں۔ جن سے تم اثنائے سفر میں زادِ راہ مول لے سکتے ہو۔ قاصد نے مجھے یہ بھی کہا کہ اگر میرا ارادہ جینی کو جانے کا ہے۔ تو مجھے سازسنڈٹنگ تک بدرقے کے طور پر تمہارے ساتھ چلنے کا حکم ہوا ہے۔ پہلے تو میں بادشاہ کے اس برتاؤ پر حیران ہوا لیکن اُس بدرقے سے گفتگو کرنے سے مجھے آخر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ تو بڑے شوق سے مجھے اپنے دربار میں طلب کرتا۔ لیکن اُسے ڈر تھا۔ کہ موروں کے بے وجہ کینے سے وہ میری حفاظت نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اُس کا سلوک حکمت اور فیاضی پر مبنی تھا۔ جس حالت میں میں سیگو میں داخل ہوا تھا۔ واقعی وہ ایسی تھی۔ کہ اُس سے بادشاہ کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ میں نے اپنے سفر کے اصلی موقع کو چھپایا ہوا ہے۔ جیسا کہ میرے بدرقے نے دلیل دی۔ ویسی ہی غالباً اُس نے دلیل دی۔ کہ جب میں نے اُسے کہا۔ کہ میں بڑی دور سے اور بہت تکلیفیں اُٹھا کر دریائے جلبا کو دیکھنے آیا ہوں۔ کہا۔ کہ کیا تمہارے ملک میں دریا نہیں۔ اور کیا۔ ایک دریا دوسرے دریا کی مانند نہیں۔ باوجود اس کے اور باوجود موروں کی حسد آمیز کارروائیوں کے اس فیاض بادشاہ نے کافی جانا۔ کہ سفید آدمی اس کے ملک میں مصیبت زدہ پایا جائے۔ اور بجز اس کے اور کوئی عذر مصیبت زدہ کے حق میں اُس کی فیاضی کے آگے ضروری نہیں تھا۔

سولھواں باب

نائیجر کے گاؤں مشرق کی طرف نیچے ایسے جار ادبار آنا

اس طور سے جیسے کہ بیان ہوا۔ سیگو کو چھوڑنے کے لئے مجبور ہو کر۔ اُسی دن شام کے وقت وہ مجھے ایک گاؤں میں جو وہاں سے سات میل کے فاصلے پر تھا۔ لے گئے۔ اس گاؤں کے بعض باشندوں سے میرا بدرقہ واقف تھا۔ اُنھوں نے اُس کی بہت خاطر تواضع کی۔ یہ بدرقہ بہت دوست

مزاج اور ملنسار تھا۔ اور اپنے ہم وطنوں کی مہربانی کی بڑی تعریف کرتا تھا۔
لیکن باوجود اس کے وہ مجھسے کہتا تھا۔ کہ میرا منزل مقصود جینی ہے جس کے
بارے میں وہ ابھی تک شک کرتا معلوم ہوتا تھا۔ تو میں نے اُن سب خطرات
سے جن میں سے میں ہوکر نکلا ہوں۔ زیادہ خطرے میں پڑنے کا قصد کیا
ہے۔ کیونکہ گو جینی برائے نام شاہ بمبارا کی سلطنت میں تھا۔ اُس نے کہا کہ
واقعی وہ موروں کا شہر تھا۔ اور اُس شہر کے با اقتدار باشندے بشرین
تھے۔ اور گو وہاں کا حاکم مالنسنگ کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا۔ پر ہو بھی وہ
اُنہیں بشرینوں میں سے تھا۔ اس صورت میں پھر میں اپنے جانستان
دشمنوں کے ہاتھ میں پڑنے والا تھا۔ جوں جوں میں اپنے سفر میں آگے بڑھتا
جاتا تھا۔ توں توں میرے دل میں بہت خطرات پیدا ہوتے جاتے تھے۔
کیونکہ میں سنتا تھا۔ کہ جینی کے آگے جو مقامات ہیں۔ ان میں جینی سے
بھی موروں کا زیادہ زور ہے۔ اور ٹمبکٹو تو جہاں میرا جانے کا ارادہ تھا۔
اُن کے قبضے ہی میں تھا۔ لیکن شاید اس خبر سے جو شاید بودی اور کچھ
بھی وزن نہ رکھتی تھی۔ میں کہاں لوٹ سکتا تھا۔ پس میں نے آگے بڑھنے
کا ارادہ کرلیا۔ اور اپنے پدر رفیق کے ہمراہ ۲۴ کی صبح کو روانہ ہوا۔ آٹھ بجے
کے قریب ہم ایک بڑے گاؤں سے جس کا نام قبہ تھا۔ گزرے۔ یہ گاؤں
نہایت خوبصورت اور ایک سطح مرتفعہ مزروعہ پر آباد تھا۔ اور بجائے
وسط افریقہ میں اُس کے وقوع کا خیال کرنے کے انگلستان کے مرکز میں
میں اُسے خیال کرتا تھا۔ اس جگہ کے باشندے ہر کہیں ایک درخت کا پھل
جمع کرتے نظر آتے تھے۔ اس پھل سے یہ لوگ نباتاتی مکھن تیار کرتے ہیں۔ بمبارا
کے اس نواح میں یہ درخت کثرت سے ہوتے ہیں۔ یہاں کے باشندے
ان درختوں کو نہیں بوتے۔ بلکہ یہاں کے جنگلوں میں یہ درخت قدرتی طور
پر اُگے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ جب یہاں کے لوگ جنگل کو زراعت کے لئے
صاف کرتے ہیں۔ تو سوائے اس درخت کے سب کو کاٹ دیتے ہیں۔
یہ درخت زیادہ تر امریکہ کے شاہ بلوط سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور

اس کا پہل جس کے مغز کو دہوپ میں سکھا کر۔ پانی میں جوش دے کر مکھن تیار کیا جاتا ہے کسی قدر ہسپانیہ کے زیتون سے ملتا جلتا ہے۔ گری کے اندر شیریں دودھ ہوتا ہے۔ جو ایک پتلے سبز چھلکے کے اندر ہوتا ہے اور اُس سے جو مکھن نکلتا ہے۔ باوجودیکہ بلا نمک دیئے سال بھر رکھا رہے۔ سفید رہتا ہے۔ عمدہ ہوتا ہے۔ اور میں نے چکھہ کر بھی دیکھا ہے۔ بہت مزے دار ہے۔ بلکہ میرے خیال میں گائے کے مکھن سے ترجیح رکھتا ہے۔ اس علاقہ میں اور اُس علاقے کے آس پاس اس جنس کی بہت تجارت ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اندرونی تجارت کی بڑی اعلیٰ درجے کی چیز ہے۔

دن کے وقت ہم ایسے بہت سے گاؤں کے پاس سے گزرے جن میں ماہی گیر آباد تھے۔ اور پانچ بجے کے قریب ایک گاؤں میں جس کا نام سنسن ڈنگ تھا پہنچے۔ یہ گاؤں بہت بڑا تھا۔ اور جیسا کہ میں نے سنا۔ اس میں آٹھہ دس ہزار باشندے تھے۔ اس جگہ مور بہت آمدرفت رکھتے ہیں۔ جو بیرو سے نمک اور زیرہ کُرم سے منکے وغیرہ لاتے ہیں۔ اور یہاں کے سونے کے ذرات اور سوتی کپڑوں سے تبادلہ کر لیتے ہیں۔ اور پھر اُس کپڑے کو بیرو اور دیگر مور ملکوں میں لے جا کر بہت فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ اُن ملکوں میں بسبب کمی بارش کے یہ درخت اُگتا نہیں۔

میں نے اپنے بدرقے سے درخواست کی۔ کہ جس گھر میں ہم نے رہنا ہے۔ اُس گھر میں مجھے جہاں تک ممکن ہو۔ ایسے راستے سے لے چلے۔ کہ کوئی مجھے نہ دیکھے۔ اس لئے ہم دریا اور گاؤں کے درمیان گھوڑوں پر سوار ہوئے چلے گئے۔ اور ایک گھاٹ یا کھاڑی کے پاس سے گذرے جس میں میں نے تین بڑی کشتیاں دیکھیں۔ اُن میں سے اکثروں پر اس لئے چٹائیاں ڈالی ہوئی تھی۔ کہ اگر بارش ہو جائے۔ تو اس سے مال بھیگ کر خراب نہ ہو جائے۔ جب ہم آگے بڑھے۔ تو ہم نے تین کشتیاں اور دیکھیں۔ دو میں مسافر تھے۔ اور ایک میں مال تھا۔ میں اس بات کو معلوم کر کے کہ یہاں کے باشندوں نے مجھے مور سمجھا۔ بہت خوش ہوا۔

کیونکہ اس طور سے غالباً میں اُن سے بلا کسی قسم کے دکھ اُٹھانے کے سفر کر سکتا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک مور لے جو دریا کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کی غلطی اُن پر ثابت کر دی۔ اور بآواز بلند بول کر کئی ایک آدمیوں کو جمع کر کے میرے پاس لے آیا۔ جب میں کونتی ماما دو می کے گھر جو اس قصبے کا حاکم تھا۔ گیا۔ تو میرے اردگرد کئی سو ایسے آدمی کے قریب جمع ہو گئے جو مختلف زبانیں بولتے تھے جن میں سے کلھم کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ آخر اپنے بدرقے کے ذریعے جو ترجمان کا کام بھی کرتا تھا۔ میں نے سنا کہ ایک مور کہتا تھا۔ کہ اُس نے مجھے کہیں دیکھا ہے۔ اور ایک مور عورت نے قسم کھا کر کہا۔ کہ وہ تین سال گالم میں جو دریائے سینیگال کے کنارے پر ہے میرے گھر میں رہا ہے۔

یہ بات ظاہر تھی کہ اُنہوں نے مجھے کسی اور شخص کی بجائے سمجھ لیا تھا۔ اُن میں سے دو مور جنہیں اس بات پر پختہ یقین تھا میں نے پوچھا کہ اُس جگہ کی طرف جہاں اُنہوں نے مجھے دیکھا ہے اشارہ کریں۔ اُنہوں نے جنوب کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے مجھے خیال ہوا۔ کہ غالباً وہ کیپ کوسٹ سے آئے ہیں۔ جہاں اُنہوں نے بہت سفید آدمی دیکھے ہونگے۔ اُن کی زبان اُن سب زبانوں سے جواب تک میں نے سنی تھیں۔ اختلاف رکھتی تھیں۔ اب بہت مور جمع ہو گئے اور اپنے معمولی تکبر سے حبشیوں کو دھمکا کر میرے گرد کھڑا کرنے لگے۔ وہ فوراً مجھ سے میرے مذہب کی نسبت سوالات پوچھنے لگے۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ میں عربی زبان نہیں جانتا تھا۔ اُنہوں نے دو آدمی جنہیں وہ یہودی کہتے تھے۔ بلوائے تاکہ وہ میرے ساتھ گفتگو کریں۔ یہ یہودی کیا لباس اور کیا شکل صورت میں عربوں سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ لیکن باوجودیکہ وہ مذہب اسلام سے اس قدر تھوڑی تعلق رکھتے ہیں۔ کہ قرآن (شریف) کو عام نمازوں میں پڑھتے ہیں

لیکن یہودی اُن کی بہت عزت نہیں کرتے۔ حتےٰ کہ مور بھی اس بات کے معترف تھے۔ کہ گو میں عیسائی تھا۔ مگر یہودی سے اچھا تھا۔ انہوں نے اس بات پر بہت اصرار کیا۔ کہ میں بھی یہودیوں کی طرح نماز پڑھوں۔ جب میں نے یہ بات کہی کہ میں عربی زبان نہیں جانتا۔ اس مضمون کو ٹالنا چاہا۔ تو ان میں سے ایک شریف جو توت کلبو صحرائے اعظم میں ہے۔ رہنے والا تھا۔ اٹھا اور قسم کھا کر کہنے لگا۔ کہ اگر میں نے مسجد میں جانے سے انکار کیا۔ تو وہ مجھے جبراً وہاں لے جائیگا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اگر وہ شخص جس کے گھر میں میں اُترا ہوا تھا۔ بیچ میں نہ آتا۔ تو وہ دھمکی پوری ہوگئی ہوتی۔ اُس نے انہیں کہا کہ میں بادشاہ کا مسافر ہوں۔ اور جب تک میں اس کی حفاظت میں تھا۔ وہ مجھے بدسلوکی ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے اُس نے انہیں صلاح دی۔ کہ وہ مجھے رات بسر کر لینے دیں۔ اور انہیں یقین دلایا۔ کہ وہ صبح کے وقت جس کام کے لئے میں آیا ہوں۔ اُس کام کے لئے مجھے روانہ کر دیگا۔ اس بات سے اُن کے شور کی آگ کسی قدر فرو ہوئی۔ لیکن انہوں نے مجھے مسجد کے دروازے کے پاس ایک اونچی جگہ پر کھڑا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ کیونکہ لوگ اس قدر اکٹھے ہوگئے تھے۔ کہ انتظام رکھنا مشکل ہوگیا تھا۔ حتےٰ کہ گھروں کی چھتوں پر لوگ چڑھے ہوئے اور ایسی طور سے کھینچ کر کھڑے ہوئے تھے۔ کہ جیسے کسی کے یہاں سے ملنے کے وقت جمع ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ پر میں شام تک رہا۔ اس کے بعد میزبان مجھے ایک چھوٹے سے گھر میں جس کے آگے تھوڑا سا احاطہ تھا۔ لے گیا۔ اور اُس گھر کے دروازے کو اس لئے کہ کوئی شخص آکر مجھے تکلیف نہ دے۔ بند کر دیا۔ لیکن اس احتیاط سے بھی موروں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔ اور گروہ در گروہ احاطے کے اندر آ جمع ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں شام کی نماز ادا کرتے اور انڈے کھاتے ہوئے دیکھیں۔ نماز پڑھنے کو تو میں نے مناسب نہ جانا۔ لیکن میں نے انہیں کہا۔ کہ انڈے کھانے میں مجھے کوئی اعتراض

نہیں ہے۔ بشرطیکہ تم انڈے میرے پاس لے آؤ۔ میرا میزبان میرے پاس سات مرغی کے انڈے لے آیا۔ اور یہ بات معلوم کرکے کہ میں اُن کو کچے نہیں کھاتا۔ بہت متعجب ہوا کیونکہ اس برّ اعظم کے اندرونی حصوں میں یہ رائے بہت پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کہ یورپین زیادہ تر انڈوں پر گزارہ کرتے ہیں جب میں نے مالک مکان کو اس بات کا یقین دلایا۔ کہ یہ رائے بے بنیاد ہے۔ اور میں ہر ایک کھانا جو وہ مجھے بھیجے۔ کھانے کو تیار ہوں۔ تو اُس نے ایک بھیڑ کے ذبح کرنے اور اُس میں سے کچھ میرے رات کے کھانے کے لئے تیار کرنے کا حکم دیا۔ آدھی رات کے وقت جب مور میرے پاس سے چلے گئے۔ تو وہ میرے پاس آیا۔ اور بڑی منت سے کہنے لگا۔ کہ میں اُسے تعویذ لکھدوں اور یہ کہا۔ کہ اگر موروں کا تعویذ موثر ہوتا ہے۔ تو سفید آدمیوں کا تعویذ اُن سے زیادہ موثر ہوگا۔ میں نے اُسے فوراً ایک تعویذ لکھکر حوالے کیا۔ اُس میں وہ سب تاثیرات تھیں۔ جو میں خیال کرتا تھا۔ کیونکہ میں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دعا اُس تعویذ میں لکھدی۔ جس قلم سے میں نے یہ دعا لکھی۔ وہ سرکنڈے کی تھی۔ تھوڑے سے کوئلے اور گوند سے سیاہی خوب بنالی تھی۔ اور ایک پتلا تختہ بجائے کاغذ کے تھا۔

۲۵ جولائی۔ علی الصباح پیشتر اس کے کہ مور جمع ہوں۔ میں سُنڈنگ سے روانہ ہوا۔ اور آئندہ رات ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کا نام سبلی تھا۔ رات بسر کی۔ اس جگہ سے اگلے دن میں نیارا میں جو دریا سے کسی قدر فاصلے پر ہے پہنچا۔ اور اس جگہ ہم کو اپنے کپڑے دھونے کے لئے اور اپنے گھوڑے کو تروتازہ کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔ یہاں کے دوتی کا گھر بہت عمدہ تھا۔ اس کی دیواریں چپٹی اور بہت اونچی تھیں۔ اُس نے مجھے کچھ بارود جو اُس نے آپ بنائی تھی۔ دکھلائی۔ اور ایک بڑے بندر کی طرف جو اُس کے دروازے کے پاس بند ہوا تھا۔ اشارہ کیا۔ اور مجھ سے کہا۔ کہ یہ جانور بہت دور شہر سے جس کا نام کونگ ہے۔ آیا ہے۔

۲۸ جولائی۔ میں نیارا سے روانہ ہوا۔ اور دوپہر کے وقت نیامی میں پہنچا۔ اس قصبے میں زیادہ تر فولاہ آباد ہیں۔ جو مسینا کے ملک سے یہاں آبسے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ کہ یہاں کے دوتی نے کیوں مجھے اپنے ہاں نہ رہنے دیا۔ لیکن اُس نے اپنے بیٹے کو میرے ساتھ اس لئے کردیا۔ کہ وہ مجھے مدیبولے چلے۔ اور مجھے یقین دلایا۔ کہ وہ جگہ تھوڑے فاصلے پر ہے۔ ہم ایک سیدھے خط پر جنگلوں میں سے چلتے گئے۔ لیکن عموماً بہت پھیر کھا گئے۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ میرا بدرقہ بار بار ٹھہر جاتا تھا۔ اور جھاڑیوں کے درمیان دیکھتا تھا۔ جب میں نے اس کی وجہ پوچھی۔ تو اُس نے کہا۔ کہ اس نواح میں شیر بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور اکثر اُن لوگوں پر جو جنگل میں سفر کرتے ہیں۔ حملہ کرتے ہیں۔ ابھی وہ بول ہی رہا تھا۔ کہ میرا گھوڑا چونکتا ہوا۔ اور ادھر اُدھر دیکھکر میں نے زرافہ کی قسم کے ایک حیوان کو تھوڑے فاصلے پر کھڑے دیکھا۔ اُس کی گردن اور اگلی ٹانگیں بہت لمبی تھیں۔ سر پر دو چھوٹے کالے سینگ تھے جو پیچھے مڑے ہوئے تھے۔ اُس کی دم جو ران کے نیچے تک تھی۔ سر پر بالوں کا ایک گچھا رکھتی تھی۔ اُس کا رنگ چوہیا کے رنگ کا سا تھا۔ اور وہ ہمارے سامنے سے نہایت بے ڈھنگی چال سے چلا گیا۔ اپنا سر ادھر اُدھر پھیرتا تھا۔ اور دیکھتا جاتا تھا۔ کہ ہم اُس کا تعاقب تو نہیں کرتے۔ اس سے تھوڑی دیر کے بعد جب ہم ایک کشادہ میدان میں سے جہاں تھوڑی تھوڑی جھاڑیاں بھی تھیں۔ جا رہے تھے۔ میرے بدرقے نے جو مجھسے ذرا آگے تھا۔ اپنے گھوڑے کو ناگہاں پھیر اور فولاہ زبان میں کچھ کہا۔ جسے میں نہ سمجھا۔ میں نے مینڈنگو میں اُس سے پوچھا۔ کہ کیا ہے۔ تو اُس نے کہا۔ وارا بلی بلی۔ یعنے بہت بڑا شیر ہے۔ اور مجھے اشارہ کرکے کہا۔ کہ اپنے گھوڑے کو اڑا لے جاؤں۔ لیکن میرا گھوڑا بہت تھکا ہوا تھا۔ پس ہم آہستگی سے اُس جھاڑی کے پاس سے جس میں وہ جانور معلوم ہوا تھا۔ گزر گئے۔ مگر چونکہ میں نے کچھ نہ دیکھا۔ اس لئے میں نے خیال کیا۔ کہ میرے بدرقے نے غلطی کھائی ہے۔ لیکن فولاہ نے اچانک اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھکر کہا۔ سوبہ ایں اللہ ہے۔ یعنے خدا میں

بچائے لیکن جب میں نے بھی ایک بڑا سرخ شیر جو جھاڑی سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ دیکھا۔ تو حیران رہ گیا۔ چونکہ وہ سر اپنے اگلے پاؤں میں دبکائے پڑا تھا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ وہ ناگہاں مجھ پر حملہ کریگا۔ اور میں نے آپے سے باہر ہو کر اپنے گھوڑے سے اس لئے کہ بجائے اس کے کہ میں اس کا شکار ہوں۔ وہ میرا شکار ہو۔ اترنے کی کوشش کی۔ لیکن غالباً وہ شیر بھوکا نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے ہمیں اپنے پاس سے گزر جانے دیا۔ اور چپ چاپ بیٹھا رہا۔ حالانکہ ہم اس سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے تھے۔ میری آنکھیں اس جانوروں کے بادشاہ کی طرف ایسے طور سے لگی رہیں۔ کہ جب تک کہ میں اس جگہ سے بہت فاصلے پر نہ چلا گیا۔ میں نے اپنی آنکھیں اس جانور سے نہ ہٹائیں۔ اب ہم نے دلدل والی زمین سے روانہ ہونے کا قصد کیا۔ تاکہ ہمیں راستے میں پھر کوئی شیر نہ مل جائے شام کے وقت ہم مدیبو میں پہنچے۔ یہ بہت خوبصورت مقام ہے۔ اور نائیجر کے کنارے پر آباد ہے۔ اور اس جگہ کھڑے ہو کر آدمی کیا مشرق کی طرف اور کیا مغرب کی طرف دور دور تک دیکھ سکتا ہے۔

چھوٹے چھوٹے سر سبز جزیرے۔ جو بعض بختی فولاہ کی پُرامن جگہیں ہیں۔ اور جن کے مویشی جنگلی جانوروں کی دست برد سے آزاد ہیں۔ اور دریا کا عرض جو یہاں سیگو کی نسبت زیادہ فراخ ہے۔ اس مقام کو عجب دلفریب بنا ہوئے ہے۔ اس جگہ سوتی جال سے جسے یہاں کے باشندے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں بہت مچھلیاں پکڑی جا سکتی ہیں۔ ان جانوروں کو قریب قریب ویسا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا یورپ میں کیا جاتا ہے ایک گھر کی چھت پر میں نے ایک گھڑیال کا سر پڑا ہوا دیکھا۔ لوگوں سے سوال کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ بعض گڈریوں نے اس جوہڑ سے جو قصبے کے قریب ہے۔ اسے مارا تھا۔ یہ جانور دریائے نائیجر میں بھی بہت ہیں لیکن میں خیال کرتا ہوں۔ کہ وہ اکثر خطرناک نہیں معلوم ہوتے۔ جب مچھروں کے بے شمار انبوہ سے اُن کا مقابلہ کیا جائے۔ تو وہ مسافر کو پریشان بھی معلوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ ننھے ننھے جانور جوہڑوں اور کھاڑیوں سے

اس قدر انبوہ در انبوہ نکلتے ہیں کہ زبردست سے زبردست باشندے اُن سے ڈر جاتے ہیں۔ چونکہ اب میرے کپڑے بہت پھٹ گئے تھے۔ اس لئے اُن کے حملوں سے میں اپنے تئیں نہیں بچا سکتا تھا۔ میں رات بھر جاگتا رہا۔ ادھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اور اپنی ٹوپی سے اپنے تئیں سنبھالتا رہا۔ ان کے ڈنکوں سے میری ٹانگوں اور بازؤں پر آبلے پڑ گئے جن سے علاوہ بے آرامی کے مجھے بخار چڑھ گیا۔ اور بڑی تکلیف اٹھائی۔

۲۹ جولائی صبح سویرے میزبان نے یہ بات معلوم کر کے کہ میں بیمار ہوا میرے ساتھ اپنا ایک نوکر بدرقہ کے طور پر کر دیا۔ جو مجھے کیاتک پہنچانے کے لئے ساتھ آیا۔ لیکن میں ضعف کی وجہ سے نہیں چل سکتا تھا۔ اور میرا گھوڑا مجھ سے بھی زیادہ چلنے کا ناقابل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ مدیبو سے چھ میل مشرق کی طرف سفر کر کے۔ اور بعض دلدل دار زمین سے عبور کرتے وہ گر گیا۔ اور باوجود اس کے کہ بدرقہ نے اور میں نے مل کر کوشش کی تھی مگر اُسے اُس کی ٹانگوں کے بل کھڑا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ میں کچھ دیر تک اپنے مہمات کے اُس ساتھی کے پاس بیٹھ گیا۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ وہ اُٹھنے کے بالکل ناقابل ہے۔ میں نے زین اور لگام کو اُس سے اُتار لیا۔ اور اُس کے سامنے کچھ گھاس لاکر رکھ دی۔ جب وہ بیچارا جانور زمین پر ہانپتا ہوا پڑا تھا۔ میں نے اُسے بغور دیکھا جس پر میرا دل بھر آیا۔ کیونکہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ میرا بھی یہی حال ہو گا۔ کہ کبھی کسی دن میں بھی تکان اور بھوک کے مارے اُس کی طرح جنگل میں گر جاؤنگا۔ اور ہلاک ہو جاؤنگا۔ اس دل کو بھیدنے والے خیال سے میں نے اپنے ایسے رفیق حیوان کو چھوڑا۔ اور دوپہر تک اپنے بدرقہ کے پیچھے پیچھے دریا کے کنارے کنارے ہو لیا۔ جب میں کیا میں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ فقط ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں ماہی گیر رہتے ہیں۔ دوتی نے جو سنت سالبوڑھا آدمی تھا مجھ سے بڑی سرد مہری کے ساتھ سلوک کیا۔ اور جب میں نے اُسے اپنی حالت سے کسی سے مطلع کیا۔ اور اُس سے امداد کی درخواست کی۔ تو اُس نے

بڑی بے توجہی سے مجھے کہا۔ کہ وہ ایسی چکنی چپڑی باتوں کی طرف توجہ
نہیں کرتا۔ اور مجھے اپنے گھر میں بھی داخل ہونے سے روک دیا۔ میرے بدرقے
نے میری سفارش کی۔ لیکن اُس نے نہ مانا۔ میں سخت حیران تھا۔ کہ کہاں
لیٹ کر تکان سے آرام پاؤں۔ کہ خوش قسمتی سے ایک کشتی میں جو سلا کی تھی
اور اُس وقت دریا کے بہاؤ پر بہ رہی تھی۔ سوار ہونے کو تیار ہوا۔ دو قی
نے ماہی گیر سے کہا۔ کہ نزدیک آئے۔ اور اُسے تاکید کی۔ کہ موزن گاؤں تک
مجھے لے جائے۔ ماہی گیر کچھ دیر تامل کرنے کے بعد مجھے لے چلنے کے لئے راضی ہو گیا
اور میں ماہی گیر اُس کی بیوی اور بچے کے ہمراہ اُس کی کشتی میں جا بیٹھا۔ دو قی
جو اب مجھے سیو سے لایا تھا۔ چلا گیا۔ میں نے اُس سے درخواست کی۔ کہ جب
وہ میرے گھوڑے کے پاس سے گزرے۔ تو اُس کی خبرداری کرے۔ اُس نے
مجھ سے اُس کی خبرداری کرنے کا اقرار کیا۔ سیو سے روانہ ہو کر ہم ایک میل
تک دریا کے بہاؤ پر چلتے رہے۔ پھر ماہی گیر نے کشتی کو کنارے پر لے جا کر مجھے
اُتر جانے کے لئے کہا۔ پھر کشتی کو ایک لکڑی سے باندھ کر اُس نے کپڑے اُتارے
اور دریا میں اس قدر دیر تک غوطہ لگائے رہا۔ کہ میں نے یقین کر لیا۔ کہ
وہ ضرور ڈوب گیا ہے۔ اور اُس کی جورو کو ایسی حالت میں بے توجہ دیکھ کر
سخت حیران ہوا۔ لیکن جب میں نے اُسے پھر سر نکالے اور رسا تھامے ہوئے
دیکھا۔ تو میری حیرانی دور ہوئی۔ اس رسے کو لے کر اُس نے دوسری دفعہ
غوطہ مارا۔ پھر کشتی میں سوار ہوا۔ اور لڑکے کو اُس رسے کے کھینچنے میں مدد
دینے کے لئے کہا۔ آخر اُنہوں نے ایک بڑا ٹوکرا جس کا قطر کوئی دس فٹ ہوگا۔
نکالا۔ اس میں دو بہت عمدہ مچھلیاں تھیں۔ اور پھر ٹوکرے کو پانی کی طرف
پھینک کر وہ جلدی اُن مچھلیوں کو کنارے پر لے گیا۔ اور گھاس میں انہیں
چھپا ڈالا۔ ہم پھر کشتی میں سوار ہوئے۔ اور کچھ دیر تک سفر کرتے رہے۔ اور
ایک اور ٹوکرا جس میں ایک مچھلی تھی نکالا۔ اب ماہی گیر اُن مچھلیوں کو لے کر
کسی پاس کے گاؤں میں بیچنے کے لئے لے گیا۔ اور وہ عورت اور لڑکا میرے
ساتھ کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔

چار بجے کے وقت ہم موزن میں پہنچے۔ یہ گاؤں ماہی گیروں کا ہے۔ اور شمالی کنارے پر واقع ہے۔ اس جگہ سے دریا کے اوپر اوپر میں سلا میں جو بڑا شہر ہے۔ پہنچا۔ جہاں میں اندھیرا پڑنے تک رہا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اور سینکڑوں لوگ میرے گرد جمع تھے۔

بڑی منتوں کے بعد دوتی نے بارش سے بچنے کے لئے مجھے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی۔ لیکن اس کا گھر بھی بہت میلا تھا۔ چنانچہ رات بھر مجھے بخار چڑھا رہا۔ بیماری سے لاغر ہو کر اور بھوک اور تکان سے تنگ آکر نیم برہنہ بن کر اور اپنے پاس کوئی ایسی قیمتی چیز نہ پا کر جس سے کھانا کپڑا خرید دوں۔ یا رہنے کے لئے مکان کرائے لے لیا کروں میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی حالت پر غور کرنا شروع کیا۔ اتنی تکلیفیں اٹھا کر اب مجھے اس بات کا تجربہ ہو گیا تھا۔ کہ میرے آگے جانے میں اس قدر تکالیف ہیں کہ میں ان پر غالب نہ آسکوں گا۔ برسات اپنے تمام زور کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ دھانوں کے کھیت اور جوہڑ اپنے کناروں سے باہر ابلے پڑتے تھے اور چند اور دن کے بعد خشکی کے راستے چلنا بالکل بند ہو جانے والا تھا۔ گویا دریا کے راستے مسافر جا سکتا تھا۔ لیکن بمبارا کے بادشاہ نے جو کوڑیاں ہدیتہً مجھے ارسال کی تھیں۔ وہ کشتی کے کرایہ کرنے کے لئے کافی نہیں تھیں اور مجھے ان ملکوں میں جہاں مور آباد تھے۔ خیرات پر گزارہ ہونے کی امید نہیں تھی۔ لیکن سب سے مقدم بات یہ ہے۔ کہ مجھے موروں سے بہت خطرہ تھا۔ اور سیگو اور سنسنڈنگ میں جا کر مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اگر میں جنی میں جانے کی کوشش کروں گا۔ اور کسی معتبر آدمی کے زیر حفاظت نہ جاؤں گا۔ اور ایسے آدمی کی حفاظت حاصل ہونا بڑا محال ہو گیا تھا۔ تو یقینی میں بے فائدہ اپنی جان عزیز کو ہلاک کر دوں گا۔ اور جو کچھ میں نے دریافت کیا ہے۔ اسے اپنے سینے ہی میں لے کر مر جاؤں گا۔ ہر دو راستوں پر سفر کرنے سے آگے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی تھی۔ اگر گیمبیا کی طرف جانے کے اوپر سوچتا۔ تو سینکڑوں میلوں کا سفر میری چشم تصور کے آگے آجاتا۔ اور تین ایسے ملکوں میں سفر

کرنا پڑتا۔ جو مجھے بالکل معلوم نہیں تھے۔ پھر بھی مجھے یہی بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ آگے بڑھنا خواہ مخواہ اژدہے کے منہ میں پڑنا تھا۔ اس سبب سے میں خیال کرتا ہوں۔ کہ ناظرین مجھے یہ خیال کرکے کہ میں نے آگے نہ جانے میں درست کام کیا۔ مجھے ملامت نہ کرینگے۔

بہت تھکنے اور گھبراہٹ کے بعد اپنے دل کو اس بات پر آمادہ کرکے اور مغرب کی طرف مڑنے کا ارادہ کرکے میں نے یہ ضروری سمجھا۔ کہ پیشتر اس کے کہ سلا سے روانہ ہوں۔ مور اور حبشی سوداگروں سے دریائے نائجر کے مشرق کی راستے کی نسبت اور اس کے آس پاس کے قطعات اور ممالک کی نسبت دریافت کروں چنانچہ اس تحقیقات سے مجھے مندرجہ ذیل بیان میسر آیا ہے۔ جو میں خیال کرتا ہوں۔ کہ خالی از دلچسپی نہیں۔

سلا کے مشرق کی طرف دو دن تھوڑا تھوڑا سفر کرنے کے بعد جینی آ جاتا ہے۔ جو ایک چھوٹے سے جزیرے پر جو اس دریا میں ہے۔ واقع ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اس میں سیگو بلکہ بمبارا کے ہر ایک شہر سے زیادہ باشندے ہیں۔ دو دن اور سفر کریں۔ تو آگے دریا ایک عریض جھیل میں جس کا نام ڈبی ہے پھیل جاتا ہے۔ اس کی وسعت کی نسبت مجھے معلوم ہوا۔ کہ جو کشتیاں اس پر سے سفر کرتی ہیں۔ ایک دن بالکل غائب رہتی ہیں۔ اس جھیل سے اس دریا کی بہت شاخیں نکلتی ہیں جن میں سے ایک شاخ شمال مشرق کو اور دوسری مشرق کو جاتی ہے۔ لیکن یہ شاخیں کبرا میں جو ٹمبکٹو کے جنوب کی طرف ہے۔ اور اس سے ایک دن کی راہ ہے۔ مل جاتی ہیں۔ کبرا بندرگاہ ہے۔ یا یوں سمجھو کہ اس میں کشتیاں اکٹھا کرتی ہیں۔ وہ قطعہ جو یہ دونوں شاخیں گھیرے ہوئے ہیں جنبالہ کہلاتا ہے۔ اور اس میں حبشی آباد ہیں۔ اور جینی سے ٹمبکٹو تک جس قدر فاصلہ ہے وہ کامل بارہ روز کی راہ ہے۔ کبرا سے گیارہ دن کی راہ پر یہ دریا ہوسا کے جنوب کی طرف جو دریا سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ بہتا ہے۔ اس شہر سے دریا کے آیندہ راستے کی نسبت اور آخر ہی خروج کی نسبت تمام باشندے جن سے میری گفتگو ہوئی۔ ناواقف تھے۔ اپنی تجارتی مہموں میں

وہ ٹمبکٹو اور ہوسا سے کبھی آگے نہیں بڑھتے۔ اور چونکہ اُن کے سفر کرنے
کا مدعا روپیہ کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ دریاؤں کے راستے یا ملکوں
کے جغرافیہ کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ مگر یہ بات بہت اغلب ہے۔ کہ نائیجر کے
ذریعہ بہت دور دراز کے مختلف قوموں کے ساتھ راہ رسم ہو سکتی ہے۔ تمام
سوداگر اس بات میں بالکل متفق تھے۔ کہ بہت سے حبشی سوداگر جو ٹمبکٹو اور
ہوسا میں مشرق سے آتے ہیں۔ بمبارا کی زبان سے علیحدہ زبان بولتے ہیں
لیکن وہ حبشی سوداگر بھی اس دریا کے اختتام سے آگاہ نہیں۔ کیونکہ
اُن میں سے وہ جو عربی زبان بول سکتے ہیں۔ عام الفاظ میں اس کا ذکر کرتے
ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ دریا دنیا کے آخیر تک بہتا ہے۔
اکثر ملکوں کے نام جو ہوسا کے مشرق کی طرف ہیں۔ بمبارا کے باشندوں
کو معلوم ہیں۔ مجھے انہوں نے بہت عجیب عجیب تیر اور ترکش جن پر عجیب کام ہو رہا
تھا۔ دکھلائے اور کہا۔ کہ یہ سب ملک کسینا سے آیا کرتے ہیں۔
نائیجر کے شمالی کنارے پر ساتا سے تھوڑی دور مسینا کا ملک ہے۔ جس میں فولاہ
آباد ہیں۔ وہ اس جگہ بھی مثل اور شہروں کے زمینداری کرتے ہیں۔ اور ان زمینوں کے
جن پر وہ زراعت کرتے ہیں۔ شاہ بمبارا کو خراج دیتے ہیں۔
مسینا کے شمال مشرق کی طرف ٹمبکٹو واقع ہے۔ جو یورپینوں کی تلاش
کا بڑا مدعا ہے۔ اس ملک کے دارالخلافے میں وہ بڑی عجاری تجارت ہوتی ہے
جس میں مور حبشیوں کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ ان تعقبات میں دولت کمانے
کی اُمیدیں اور اپنے مذہب کو پھیلانے کی سرگرمی نے اس وسیع ملک کو موروں
اور نو مسلمانوں سے بھر دیا ہے۔ خود بادشاہ اور تمام بڑے بڑے حکام مور ہیں
اور کہتے ہیں۔ کہ اس براعظم کے اور سب موروں سے یہ لوگ معتقدات میں
بہت سخت ہیں۔ مجھے ایک معزز بوڑھے حبشی نے بتایا۔ کہ جب وہ اوّل دفعہ
ٹمبکٹو گیا۔ تو اُس نے ایک سرائے میں جاکر رہائش اختیار کی۔ تو اُس سرائے
کے مالک نے ایک کوٹھڑی میں لے جا کر فرش پر چٹائی بچھائی۔ اور ایک رسہ
رسا اُس پر رکھ دیا۔ کہ اگر تم مسلمان ہو۔ تو تم میرے دوست ہو۔ بیٹھ جاؤ لیکن

اگر تم کافر ہو۔ تو تم میرے غلام ہو۔ اور اس رستے سے باندھکر میں تمہیں بازار لے جاؤنگا
ٹمبکٹو کے شاہ حال کا نام ابو ابراہیم ہے۔ کہتے ہیں۔ وہ بڑا دولت مند بادشاہ ہے
اُس کی بیویاں اور لونڈیاں ریشمی لباس سے ملبوس رہتی ہیں۔ اور حکام ملک
بڑی شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے سنا۔ اُس
کی سلطنت کا تمام کاروبار اُس محصول تجارت سے سرانجام پاتا ہے۔ جو شہر کے
دروازوں پر وصول کیا جاتا ہے۔ شہر ہوسا جو صوبہ ہوسا کا دارالخلافہ ہے۔
ٹمبکٹو کے مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس میں موروں کی سوداگری کی
بڑی منڈی ہے میں نے بہت سے ایسے سوداگروں کے ساتھ جنہوں نے
یہ شہر دیکھا ہے۔ ملاقات کی۔ وہ سب اس بات میں یک زبان تھے۔ کہ ٹمبکٹو کی
نسبت وہ شہر بہت بڑا اور زیادہ آباد تھا۔ تجارت پولیس اور سلطنت دونوں
جگہوں میں یکساں ہے لیکن ہوسا میں موروں کی نسبت حبشی زیادہ آباد
ہیں۔ اور سلطنت میں بھی اُن کا کچھ دخل ہے۔

جنبالا کی چھوٹی سلطنت کی نسبت میں بہت باتیں دریافت نہ کر سکا۔
کہتے ہیں۔ کہ اس کی زمین کا بہت حاصل ہے۔ اور تمام ملک جوہڑوں اور دلدلوں
سے پُر ہے۔ موروں نے باوجود اس کے کہ اس کے لینے کی بہت کچھ کوشش کی
ہے۔ مگر اب تک ناکام رہے ہیں۔ یہاں کے باشندے حبشی ہیں۔ اور بعض اُن
میں سے بڑے دولت مند ہیں۔ خاص کر وہ جو دارالخلافے کے پاس آباد ہیں۔
جہاں وہ سوداگر جو ٹمبکٹو سے افریقہ کے مغربی حصوں کی طرف مال لے جاتے
ہیں۔ آرام کرنے کے لئے ٹھیرا کرتے ہیں۔

جنبالا کے جنوب کی طرف سلطنت گاٹو ہے۔ جو حبشیوں سے متعلق ہے۔
کہتے ہیں۔ کہ یہ ملک بہت وسیع ہے۔ سابق میں یہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں
میں منقسم تھا۔ اور ہر ایک ریاست کا علیحدہ علیحدہ حاکم تھا۔ لیکن اُن کی خانہ
جنگیوں کے سبب سے اس ملک پر دوسروں کے حملے ہونے شروع ہوئے
آخیر ایک زبردست سردار نے جس کا نام موسی تھا۔ ہمسایوں پر حملہ کرنے اور اُس
سے انتقام سابق دشمنیوں کا لینے کے لئے سب کو متفق کرنا چاہا۔ اس موقع

پر سب نے متفق ہو کر اُسے اپنا سپہ سالار منتخب کیا۔ اور بہت سے سرداروں نے اُس کے زیر فرماں رہ کر کام کرنے کے لئے اتفاق کر لیا۔ موسی نے فوراً کشتیوں کا ایک بیڑہ جن میں بہت سی رسد لدی ہوئی تھی۔ دبی کے کناروں سے جینی کی طرف روانہ کیا۔ اور اپنی تمام فوج لے کر بمبارا پر چڑھ گیا۔ وہ نایجر کے اُس کنارے پر جو جینی کے مقابل ہے پہنچا۔ اور وہاں کے لوگوں کو اُس کی آمد کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ اُس کی کشتیوں کا بیڑہ اُسی دن مقام مقصود پر پہنچ گیا۔ اور رسد کو خشکی سے اُتار کر اُس نے اپنی کچھ فوج ساتھ لی۔ اور رات کے وقت دھاوا کر کے جینی کو فتح کر لیا۔ اس واقعہ سے بمبارا کا بادشاہ اس قدر خائف ہوا۔ کہ اُس نے صلح کے لئے قاصد بھیجے۔ اور ہر سال اُسے کچھ غلام دینے کر کے صلح کی۔ اور گالوٹو کے باشندوں سے جو کچھ حملہ کر کے لیا تھا۔ اُس کے لوٹا دینے کا عہد کیا۔ موسی اس طور سے فتح یاب ہو کر گالوٹو کو لوٹ آیا۔ جہاں اُسے بادشاہ بنایا گیا۔ اور اُس ملک کے دارالخلافہ کا نام اُس کے نام پر موسی مشہور ہو گیا۔

گالوٹو کے مغرب کی طرف ملک بیدو ہے۔ جسے سات سال کا عرصہ ہوا۔ بمبارا کے حال کے بادشاہ نے فتح کیا تھا۔ جو اس وقت سے اب تک اُس کا باجگذار چلا آتا ہے۔

بیدو کے مغرب کی طرف منیا ہے۔ یہاں کے باشندے جیسا کہ میں نے سُنا۔ بہت تند مزاج اور بے رحم ہیں۔ اپنے ادنے دشمنوں سے یہاں تک کینہ رکھتے ہیں۔ کہ انہیں کہیں آرام نہیں لینے دیتے۔ حتیٰ کہ اگر اُن کا قابو چڑھ جاتا ہے۔ اُن کے گوشت کو پکا کر کھا جاتے ہیں۔

سترہواں باب
مورزن سے تفار آنک

اس وجہ کے سبب سے جسے میں نے اس باب سے پہلے باب میں بیان کیا

ہے۔ کہ سلا سے آگے مشرق کو نہیں جاؤنگا۔ میں نے دوتی سے سیگو کو واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور دریا کے جنوبی کنارے کے برابر برابر سفر کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن اُس نے کہا کہ اس راستے میں اس قدر جوہڑ آتے ہیں۔ اور پانی ہوتا ہے۔ کہ مسافر کو سخت مصیبت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ بجز شمالی کنارے کے کسی اور راستے سفر کرنا ممکن ہی نہیں۔ اور پھر کہا کہ یہ راستہ بھی آج کل دریا کے چڑھ جانے کے سبب بند ہو جائیگا۔ مگر چونکہ میں نے مغرب کی طرف چلنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اُس نے کسی ماہی گیر سے موزن تک مجھے پہنچانے کا عہد کیا۔ اس لئے ۳۰ جولائی کو میں ایک کشتی میں نو بجے کے وقت سوار ہوا۔ اور قریب ایک گھنٹے کے موزن میں آ اترا۔ اس جگہ ساٹھ کوڑی کے عوض میں نے ایک کشتی کرایہ کی۔ اور سہ پہر کے وقت کیا میں پہنچا۔ جہاں چالیس کوڑی کے عوض میں دوتی نے مجھے اپنے غلام کے ساتھ ایک کوٹھڑی میں سونے کی اجازت دی۔ اس بچارے غلام نے معلوم کر کے کہ میں بیمار ہوں۔ اور میرے کپڑے جیتھڑے جیتھڑے ہو رہے ہیں۔ ہمدردی سے رات کے وقت اوڑھنے کے لئے مجھے ایک بھاری کپڑا دیا۔ جسے اوڑھ کر آرام سے رات بسر کی۔

۳۱ جولائی۔ چونکہ دوتی کا بھائی مدیبو کو جانے والا تھا۔ میں نے اس موقع کو کہ اس کے ساتھ جاؤں۔ ضائع کرنا نہ چاہا۔ کیونکہ اُس گاؤں کو جانے کے لئے کوئی مشہور آمد رفت کا صاف رستہ نہیں تھا۔ اُس نے میری زین کو بھی لے جانے کا اقرار کیا۔ جسے میں کیا میں چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ میرا گھوڑا بیمار ہو گیا تھا۔ اب میں یہ زین شاہ بمبارا کو بطور تحفے کے دینا چاہتا تھا۔

ہم کیا سے آٹھ بجے روانہ ہوئے۔ اور کچھ فاصلے پر مغرب کی طرف دریا کے کنارے پر کئی مٹی کے برتن ایک دوسرے کے اُوپر چنے ہوئے دیکھے۔ وہ برتن بڑے عمدہ بنے ہوئے تھے۔ لیکن اُن پر روغن نہیں ہو رہا تھا۔ اور بظاہر اُس قسم کے برتن تھے۔ جو ڈوری میں بنائے جاتے ہیں۔ اور بمبارا کے مختلف مقامات میں بڑے مہنگے داموں بکتے ہیں۔ جب ہم اُن برتنوں کے قریب پہنچے۔ تو میرے ساتھی نے گھاس کا مٹھا توڑا۔ اور اُن برتنوں پر ڈالا۔ اور مجھے بھی ایسا کرنے کا

اشارہ کیا۔ جو میں نے بھی کیا۔ پھر اُس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے بیان کیا۔ کہ یہ برتن کوئی فوق العادۃ طاقت رکھتے ہیں۔ دو سال کا عرصہ گذرا کہ یہ برتن اس طور سے اس جگہ پائے گئے۔ اور چونکہ ابھی تک کسی نے اُن کا دعوے نہیں کیا۔ اس لئے ہر ایک مسافر اُس نامعلوم مالک کی عزت کی خاطر ان برتنوں پر گھاس کا گٹھا یا درختوں کی شاخیں اس لئے ڈالتا ہے کہ بارش انہیں خراب نہ کر ڈالے۔ اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے ہم دوستانہ طریق سے سفر کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بدقسمتی سے ہمیں ایک شیر کے نقش پا معلوم ہوئے اور آخر چلتے چلتے جب ایک گھنے جنگل میں پہنچے۔ تو اُس نے اصرار کیا۔ کہ میں آگے آگے چلوں۔ میں نے اپنے تئیں معذور رکھنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ مجھے راستہ معلوم نہیں ہے لیکن اُس نے ضد کے ساتھ اصرار کرنا شروع کیا۔ اور بہت اونچی آواز اور دہمکانے والی نظر سے زین کو پھینک کر چلا گیا۔ لیکن چونکہ گھوڑا ملنے کی مجھے کوئی اُمید نہیں رہی تھی۔ میں نے زین کا بوجھ اُٹھانا نہ چاہا۔ چنانچہ لگام اور رکابیں اُتار کر میں نے اُسے دریا میں ڈال دیا۔ جونہی اُس حبشی نے مجھے وہ زین دریا میں پھینکتے ہوئے دیکھا۔ فوراً وہ اُن جھاڑیوں میں سے جن میں وہ چھپا ہوا تھا۔ بھاگا ہوا آیا۔ اور جھٹ دریا میں کود پڑا۔ اور اپنی برچھی کی امداد سے زین کو نکال لے چلا گیا۔ میں دریا کے کنارے آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ لیکن چونکہ جنگل بہت گھنا تھا۔ اور مجھے یقین ہوتا تھا۔ کہ کہیں قریب ہی شیر ہوگا۔ میں بہت ڈر جاتا تھا۔ اور بہت پھیر کھا کر جاتا تھا۔ مگر شکر ہے خدا کا مجھے کسی شیر سے یا اور گزند پہنچانے والے جانور سے مقابلہ نہ کرنا پڑا۔

سہ پہر کے وقت چار بجے میں مدیبو میں پہنچا۔ یہاں میں نے اپنا زین پایا۔ وہ حبشی جو مجھ سے پہلے وہاں پہنچا تھا اس بات سے ڈر کر کہ میں اُس کی اس کارروائی کی بادشاہ کو خبر کر دونگا۔ اُس زین کو اپنے ساتھ کشتی میں لایا تھا۔

جب میں دوتی سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اپنے ساتھی کے جنگل میں اکیلے چھوڑ آنے کے واقعہ کو بیان کر رہا تھا۔ تو میں نے ایک کوٹھڑی میں ایک گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ اور دوتی نے ہنس کر مجھ سے سوال

کیا۔ کہ آیا میں جانتا ہوں۔ کون مجھ سے بول رہا ہے۔ اُس نے خود میرے آگے بیان کیا۔ کہ میرا گھوڑا ابھی تک زندہ تھا۔ اور تکان سے اُسے کسی قدر آرام ہو گیا ہے لیکن اُس نے اس بات پر اصرار کیا۔ کہ میں اُسے اپنے آگے ہانک کر لے جاؤں۔ اور سوار ہو کر اُس پر اُس وقت تک سفر نہ کروں۔ کہ جب تک پوری توانائی اُس میں آ جائے۔ اور اس کے بعد کہا۔ کہ میں نے ایک مور کا گھوڑا چار ماہ تک رکھا۔ اور اُس کی خوب خدمت کی۔ مور نے واپس آ کر اُس کا دعوےٰ کیا۔ اور اُس کی خدمت اور محنت کا کوئی حق خدمت اُس نے نہ ادا کیا۔

یکم اگست۔ میں مدیبو سے اپنے گھوڑے کو اپنے آگے آگے ہانکتا ہوا روانہ ہوا اور سہ پہر کے وقت نیامے میں پہنچا۔ اس جگہ چونکہ بارش علی الاتصال شروع ہو گئی۔ میں تین دن تک رہا۔ بارش ایسے زور سے برستی تھی۔ کہ کوئی شخص باہر جانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

پانچ اگست۔ میں نیامی سے روانہ ہوا۔ لیکن راستے میں اس قدر پانی آ جاتا تھا۔ کہ مجھے راستہ بھول جانے کا خطرہ پڑ جاتا تھا۔ اور میلوں تک مجھے گھٹنے تک پانی میں چلنا پڑتا تھا۔ نیز کھیتوں کی زمین جو ملک میں خشک سے خشک زمین ہے اس قدر پانی سے بھری ہوئی تھی۔ کہ دو دفعہ میرا گھوڑا کیچڑ میں پھنس گیا۔ اور بہت مشکلوں میں جا کر کیچڑ سے نکلا۔

اُسی دن کی شام کو میں نیارا میں پہنچا۔ اُس جگہ کے دوتی نے میری بہت خاطر کی۔ چونکہ ۶ تاریخ کو مینہ برستا رہا۔ سات کو میں روانہ ہوا لیکن پانی اس قدر اونچا چڑھ گیا تھا۔ کہ اکثر مقامات میں سڑک ناقابل گذر تھی۔ چنانچہ گر دن تک پانی میں چلتے چلتے میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں جس کا نام نیمبو تھا پہنچا۔ جہاں ایک سو کوڑی کی عوض میں نے ایک تولا سے اپنے اور اپنے گھوڑے کے لئے کافی اناج خریدا۔ اور دودھ پیا۔

۸ اگست۔ جو مشکلات مجھے پہلے دن پیش آئی تھیں۔ اُن سے ڈر کر میں اس بات کی فکر میں ہوا۔ کہ کہیں کوئی ساتھی مل جاتے۔ خاص کر اس وجہ سے کہ مجھے یقین ہو گیا تھا۔ کہ چند روز کے عرصے میں ان جنگلوں میں پانی اس کثرت سے ہو جائیگا

کہ سڑک بالکل ناقابل گزر ہو جائیگی۔ لیکن باوجودیکہ میں نے بدرقے کے لئے دو سو کوڑی بھی دینی چاہیں کسی نے میرے ساتھ جانا پسند نہ کیا۔ مگر اگلے دن ایک مور اور اُس کی بیوی بیلوں پر جن پر نمک لدا ہوا تھا۔ سوار ہو کر سیگو کو جانے والے تھے۔ اُس گاؤں کے پاس سے گزرے۔ لیکن میں نے انہیں بالکل راستے سے ناواقف پایا۔ اور چونکہ وہ ریتلی زمین پر سفر کرنے کے عادی تھے۔ اس لئے چلنے کے حق میں بہت بزدل مسافر تھے۔ بجائے اس کے کہ بیلوں سے اُتر کر پاؤں چلیں یا راستہ معلوم کریں۔ اور دیکھیں۔ کہ راستہ سخت ہے۔ یا نرم ہے۔ عورت جرأت کرکے جو دلدل آتی تھی۔ اُس میں بیل پر سوار جا داخل ہوتی تھی۔ لیکن جب وہ گاؤں سے دو سو گز کے فاصلے پر پہنچے۔ تو بیل کا پاؤں ایک سوراخ میں پھنس گیا۔ اور آخر وہ بیل گر گیا۔ دہشت زدہ جانور کچھ دیر تک گھبرایا ہوا کھڑا رہا۔ اور شوہر اس کے کہ اُس کی امداد کے لئے جائے۔ اپنی جورو کو خوب غوطے کھانے دیئے۔

غروب آفتاب کے وقت ہم بستی میں پہنچے۔ لیکن دوتی نے مجھ سے بہت بڑی سرد مہری سے سلوک کیا۔ اور جب میں نے اُس سے درخواست کی کہ سن سنڈنگ تک میرے ساتھ ایک بدرقہ کر دے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ اُس کے آدمی اور اور کاموں میں مشغول ہیں۔ رات کو اُس نے مجھے ایک میلا کوٹھڑی میں اُتارا۔ جہاں میں نے بہت بے چینی سے رات کاٹی۔ کیونکہ مٹی کی دیواریں بارش کے سبب بہت گیلی ہو جاتی ہیں۔ تو پھر وہ چھت کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ میں نے رات کو تین گھروں کے گرنے کی آواز سنی جس پر مجھے اپنے گھر کا خدشہ لگا۔ کہ وہ چوتھا گرنے والا گھر ہوگا۔ صبح کے وقت جب میں اپنے گھوڑے کے لئے کچھ گھاس اکھیڑنے کے لئے گیا۔ میں نے چودہ گھر دیکھے۔ جو اُس وقت سے کہ تب سے بارش شروع ہوئی تھی گرے تھے۔

دس تاریخ کو بڑے زور و شور سے بارش ہوتی رہی۔ چونکہ دوتی مجھے کھانا کھانے کے لئے کچھ نہیں دیتا تھا۔ میں نے کچھ اناج خریدا۔ اور اپنے گھوڑے سے بانٹ کر کھایا۔

۱۱ اگست۔ دوتی نے مجھے گاؤں سے روانہ ہونے کے لئے مجبور کیا۔

اور میں سان سنڈنگ کی طرف روانہ ہوا۔ مجھے اس بات کی کوئی امید نہ تھی کہ وہاں میرے ساتھ سیٹی سے زیادہ عمدہ سلوک ہوگا کیونکہ مجھے ان لوگوں سے جو مجھے ملنے آئے معلوم ہوا۔ کہ عام طور پر یہ خبر مشہور ہو رہی ہے۔ کہ میں بمبارہ کو بطور جاسوس جا رہا ہوں اور وہاں کے حالات خفیہ طریقہ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں چونکہ منسونگ نے مجھے دربار میں آنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اسلئے گاؤں کے دوتی بلاروک۔ لوگ میرے ساتھ جیسا سلوک چاہتے۔ روا رکھتے۔ ان سے کوئی پوچھنے نہ تھا۔ جب بار بار میں نے یہی داستان سنی کہ لوگ مجھے جاسوس خیال کرتے ہیں تو مجھے اس خبر کی صحت میں کوئی شک نہ رہا لیکن اسکے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ میں آگے بڑھوں۔ چنانچہ غروب آفتاب سے تھوڑی دیر پیشتر میں سان سنڈنگ میں پہونچ گیا۔ میرے ساتھ وہی سلوک ہوا جسکی مجھے توقع تھی کونٹی ممادی جسنے اس سے پیشتر تپاک اور خلوص دلی سے سلوک کیا تھا۔ بڑی بے اعتنائی سے پیش آیا۔ ہر ایک آدمی مجھ سے دور بھاگتا اور میری صورت دیکھنے سے اجتناب کرتا تھا۔ مالک سرائے نے میرے پاس ایک آدمی بھیجا کہ تمہاری بابت سیگو سے ایک ناخوشگوار خبر پہونچی ہے۔ اسلئے تم علی الصباح یہاں سے چلے جاؤ۔ دس بجے رات کے کونٹی ممادی چپکے سے میرے پاس آیا۔ اور مجھے مطلع کیا کہ من سانگ نے میرے پاس ایک ڈونگی بھیجی ہے اور آپ کو واپس طلب کیا ہے۔ اگر آپ مغربی حصہ کی طرف جائینگے تو آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ ساتھ ہی کونٹی ممادی نے یہ بھی کہا۔ کہ طلوع آفتاب سے پہلے ہی یہاں سے چلے جاؤ۔ وکلانی میں مت ٹھہرنا اور نہ سیگو سے اس طرف کسی گاؤں یا قصبہ میں۔

۱۴۔ اگست میں سان سنڈنگ سے روانہ ہو گیا اور سہ پہر کے وقت کابہ میں پہونچا میں قصبہ کے نزدیک پہونچا تو بہت سے آدمیوں کو دروازہ پر جمع دیکھکر میں حیران ہو گیا جب میں انکے قریب تر جا پہونچا۔ تو ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور اسنے میرے گھوڑے کی لگام پکڑ لی مجھے قصبہ کے دیوار کے اردگرد پھرایا پھر مغرب کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ اسطرف فوراً روانہ ہو جاؤ ورنہ یہاں خیر نہیں میںنے اس سے کہا کہ کبھی راستہ میں جنگل اور بن میں ہو خطرہ سے خالی نہیں ہیں۔ موسم آندھی طوفان

اور بارش سے بہت تکلیف اٹھانی پڑیگی - اور راستہ میں جنگلی درندوں سے
کچھ کم اندیشہ نہیں ہے لیکن اوسنے میری ایک نہ سُنی - صرف یہی کہتا "چلے جاؤ"
اتنے میں چند آدمی اور آ گئے - انہون نے بھی مجھے وہان سے چلے جانے کی
سخت تاکید کی - اسوقت میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ بادشاہ کے پیادے
جو میری تلاش میں بھیجے گئے ہیں - شہر میں موجود ہیں اور یہ حبشی لوگ از راہ
مہربانی مجھے یہان سے چپکے سے بھاگنے کی تاکید کرتے ہیں اور اسی وجہ سے مجھے
شہر کے اندر گھسنے سے روکا - اسلئے میں سیگو کی سڑک پر روانہ ہو گیا - ولیکن
یہ خیال تھا کہ رات کسی درخت کی شاخون پر بے آرامی سے کاٹنا پڑے گی
تین میل کے فاصلہ پر اس سڑک کے کنارہ پر ایک گاؤں تھا میں وہاں
پہونچ گیا - ودقی دروازہ پر کھڑا لکڑیاں چیر رہا تھا - اوسنے بھی مجھے وہان
ٹھہرنے کی اجازت ندی جب میں نے گاؤں کے اندر داخل ہونا چاہا - تو وہ
ہاتھ میں لکڑی لئے ہوئے آیا کہنے لگا اگر تم نے آگے قدم بڑھایا تو میں تمکو گھوڑے
سے نیچے گرا دونگا - اس گاؤں کے آگے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور چھوٹا گاؤں
ہے میںنے خیال کیا کہ چونکہ یہ گاؤں سڑک سے قدرے دور ہے - لوگ مجھے بلا
پس وپیش ایک رات رہنے دینگے اسلئے اودھر کا رُخ کر لیا - چند کھیت گزر کر میں
ایک درخت کے نیچے جو ایک کنوئیں کے پاس تھا بیٹھ گیا - دو تین عورتیں
کنوئیں سے پانی بھرنے آئیں - ایک عورت نے مجھے اجنبی سمجھکر دریافت کیا -
تم کہاں جا رہے ہو ؟ میں نے کہا کہ میں سیگو جانا چاہتا ہون - لیکن اب اندھیرا
ہوتا جاتا ہے میں رات بھر اس گاؤں میں ٹھہر کر صبح کے وقت یہانسے چلا جاؤنگا
تم مہربانی کر کے ودقی کو اطلاع دیدینا - جب ودقی کو خبر ملی - تو اوسنے مجھے بُلوا بھیجا
اور ایک بڑے غبارہ میں سونے کا انتظام کر دیا -

۱۳ - اگست دس بجے صبح کے وقت میں ایک چھوٹے گاؤں میں پہونچا
جو سیگو کے قریب ہی ہے میں نے وہان کچھ اشیاء خوردنی خریدنا چاہا مگر اسمیں
ناکام رہا صرف ایک آدمی مجھ سے دور بھاگتا تھا - باشندون کے رویہ سے پایا
جاتا تھا کہ میری نسبت بہت ہی مکروہ غلط قصیان پھیلائی گئی تہین - وہان مجھے

خبر جو ملی کہ من سانگ نے میرے گرفتار کرنے کے واسطے ادھر اُدھر آدمی بھیجے ہوئے تھے۔ وہ تی کے بیٹے نے مجھ سے کہا اگر تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو بلا توقف بھاگ جاؤ۔ اسوقت مجھے معلوم ہؤا کہ میں سخت خطرہ میں ہوں۔ اسلئے سیگو سے باہر باہر چلے جانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ میں گھوڑے پر سوار ہؤا اور دکانی کی سڑک پر جلدی جلدی چل نکلا اور گاؤں والوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے بعد ایک مقام پر جاکر میں نے مغرب کا رُخ کیا اور لمبی گھاس اور دلدلی زمین سے گذر گیا۔ دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے ٹھہر گیا اور سوچنے لگا۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ مجھے صحیح طور پر معلوم ہوگیا تھا کہ مُور لوگوں نے بادشاہ کو میرے آنے کی غرض کی نسبت غلط اطلاع دی تھی۔ اور مجھے گرفتار کرنے کے واسطے چاروں طرف آدمی پھرتے تھے تاکہ وہ مجھے سیگو میں لیجائیں۔ کبھی یہ جی میں آتی۔ کہ دریائے نائگر میں گھوڑا ڈالدوں۔ اور تیر کر دوسری طرف جا پہونچوں اور وہاں سے جنوب کا رُخ کرکے راس ساحل کو چلا جاؤں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ کانگ تک میں پہونچنے سے پیشتر دس روز تک ایک ایسے علاقہ سے گزرنا پڑیگا۔ جہاں کے باشندوں کی زبان اور اطوار سے میں ناواقف ہوں اور ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔ اس لئے اس تجویز کو ترک کردیا۔ اور یہی مناسب سمجھا کہ اپنے یہاں آنے کی غائت کو پورا کرنا چاہئے اور نائگر کے ساتھ مغرب کی طرف جاکر دیکھنا چاہئے کہ کہاں تک قابل جہاز رانی ہے۔ یہ دل میں ٹھان کر میں روانہ ہوگیا شام کے وقت ایک گاؤں میں پہونچا جو شو بو کے نام سے مشہور ہے۔ اور دو سو کوڑیاں دے کر ایک مکان شب باشی کے واسطے کرایہ پر لے لیا ۔

۱۴۔ اگست میں دریا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا وہ علاقہ خوب آباد اور زرخیز تھا۔ قصبہ کما لیہ کے پاس سے گذر گیا اور دوپہر کے وقت قصبہ سامی سے گزرا۔ وہاں ایک منڈی تھی وہاں بہت سے لوگ ایک جگہ جمع تھے اور خرید و فروخت کر رہے تھے میں اُن کے درمیان سے گذر گیا۔ ہر ایک آدمی نے مجھے مُور خیال کیا۔ سہ پہر کے وقت میں ایک گاؤں میں پہنچا۔

جو ہتنی کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں ودتی کے بیٹے نے مجھ سے ایک سو کوڑی لیکر مگر قیام شب کی اجازت دیدی۔ لیکن جب اوس کا باپ آیا۔ تو اوسنے مجھے وہاں سے فی الفور چلے جانے کی تاکید کی۔ اگر اوسکی بیوی اور بیٹی اسے باز نہ رکھتے تو مجھے اسیوقت وہان سے چلنا پڑتا۔

۱۵۔ اگست نو بجے صبح کے وقت میں ایک بڑے قصبہ کے قریب سے گزرا جس کا نام سائی ہے میں وہاں کئی چیزیں دیکھکر حیران ہوا۔ اسکے ارد گرد دو گہری خندقیں تہیں۔ جو دیوار شہر سے دو سو گز کے فاصلہ پر تہیں۔ ان خندقوں پر برج بنے ہوئے ہیں جنکی وجہ سے شہر قلعہ معلوم ہوتا ہے۔ دوپہر کے وقت میں موضع قائمو میں پہونچا جو دریا کے کنارہ پر واقع ہے۔ وہاں میں نے کچھ غلہ خریدنا چاہا۔ مگر لوگوں نے کہا کہ غلہ بہت گران ہوگیا ہے۔ اگرچہ میں نے تہوڑی مقدار نمک کیواسطے پچاس کوڑیاں دیں۔ لیکن لوگوں نے غلہ فروخت کرنے سے صاف انکار کیا۔ لیکن جسوقت میں وہاں سے چلنے لگا۔ تو ایک آدمی کچھ اناج لیکر آیا کیونکہ مجھے مور شریف خیال کیا تھا اور مجھ سے برکت چاہی۔ میں نے انگریزی میں اسے برکت دی۔ اور اوسنے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں مجھے بہوک لگی ہوئی تھی میں نے اس اناج کو چبانا شروع کردیا پچھلے تین روز سے مجھے کچا اناج کہا کر اشتہا کو سیر کرنا پڑا تھا۔

شام کے وقت میں ایک گاؤں میں پہونچا۔ جو سونگ کے نام سے مشہور ہے اس موضع کے ترش رو اور غیر مہمان نواز باشندوں نے مجھے دروازہ کے اندر بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ چونکہ اس علاقہ میں شیر بکثرت ہوتے ہیں اور میں نے اُن کے پاؤں کے نشان اثنائے مسافت میں دیکھے تھے۔ اسلئے میں نے اس گاؤں کے قریب ہی بسیرا کرنے کی ٹھان لی۔ گھوڑے کے واسطے گہاس جمع کرکے میں گاؤں کے دروازہ کے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ رات کے دس بجے کے قریب میں نے تہوڑے فاصلہ پر ایک شیر کے دہاڑنے کا شور سنا مجھے دروازہ کہولنے کی کوشش کی لیکن باشندوں نے کہا کہ ودتی ڈپٹیل (؟) کی اجازت کے بغیر کوئی اجنبی آدمی اندر نہیں آسکتا۔ میں نے اُنسے درخواست

کی کہ وہ ودتی کو اطلاع دیدیں کہ ایک شیر دہاڑ رہا ہے اور میں اندر آنا چاہتا ہوں
میں بڑے صبر سے جواب کا منتظر دروازہ پر کھڑا رہا اور شیر گاؤں کے ارد گرد
منڈلا رہا تھا بلکہ ایک دفعہ تو میرے قریب ہی گھاس میں کچھ سرسراہٹ بھی
ہوئی اور میں خائف ہو کر درخت پر چڑھ گیا آدھی رات کے وقت ودتی چند
آدمیوں کی ہمراہ آیا اور دروازہ کھولکر مجھے اندر آنے کو کہا۔ انہوں نے مجھسے
کہا کہ کوئی مُور دروازہ پر دیر تک انتظار نہیں کرسکتا بلکہ بد دعائیں دینا شروع
کردیتا ہے۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ اسلئے ہم نے خیال کیا کہ تم وہ نہیں ہو
۱۶۔ اگست میں صبح کے وقت دس بجے ایک گاؤں کے پاس سے گزرا
جو جلبی کے نام سے مشہور تھا۔ اس علاقہ میں پہاڑ ہیں میں نے مغرب کی طرف
بلند پہاڑوں کی چوٹیاں دیکھیں۔ دوپہر کے وقت میں میمنیا کے قریب ایک
گاؤں میں ٹھیرا وہاں میں نے کچھ ملی خریدی اور کاغذات و کپڑے سکھائے
قصبہ میمنیا خوبصورت مقام ہے۔ ایک وسیع رقبہ پر آباد ہے مگر شاہ
کارخانہ نے اسے لوٹ کر برباد کردیا یہ چار سال کا واقعہ ہے اسکے بعد یہ
قصبہ اپنی سابقہ خوشحالی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے لیفصف
رقبہ صرف کھنڈرات اور بربادی کا ڈھیر ہے۔ مُور وہاں اکثر آتے جاتے
ہیں۔ اسلئے میں نے وہاں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر اسکی وسعت اور
آبادی کا جائزہ لینے کی نیت سے میں اسکے بازاروں سے گزرا مُور لوگ
بکثرت بیٹھے رہے تھے۔ ہر ایک آدمی حیرت کے ساتھ میری طرف دیکھتا تھا۔
مگر میں بڑی تیزی کے ساتھ بازاروں سے نکل گیا۔ اسلئے کسی آدمی کو میری
نسبت ایک دوسرے سے سوال پوچھنے کا موقع نہ ملا۔

شام کے وقت میں موضع فارہ میں پہونچا جسکے گرد ایک دیوار ہے
وہاں آسانی سے میں نے قیام شب کے واسطے مکان حاصل کرلیا۔

۱۷۔ اگست میں علے الصباح اٹھکر سفر پر روانہ ہوگیا۔ آٹھ ایک
جرنے قصبہ کے قریب سے گزرا اس کا نام بلنبہ ہے اس قصبہ کے آگے راستہ
پہاڑوں اور گھاٹیوں سے گزرتا ہے اثنائے راہ میں تین آباد قصبوں کے

پاس سے گزرا جسکے باشندوں کو شاہ کا رتہ قید کرکے لے گیا تھا میں ایک برباد قصبہ کے قریب جا کر ایک املی کے درخت پر چڑھ گیا۔ اسکی پھلیاں بالکل سبز اور ترش تہیں۔ اس درخت پر سے اردگرد کے علاقہ کی صورت خوشگوار نظر نہ آئی سڑک کے اردگرد بلند گھاس تہی اور نشیب حصوں پہ پانی تہا جو دریا کی طغیانی کے باعث کناروں سے باہر نکل کر میدانوں اور کھیتوں میں بہ رہا تھا۔ اور دریائے ناگر ایک وسیع جہیل معلوم ہوا ۔

شام کیوقت میں موضع کینے کا میں پہونچا وہ تی چوپال میں ہاتھی کا چمڑہ بچھا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اوسنے میرے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا۔ اور رات کے کہانیکے واسطے دودہ اور چند دیگر چیزیں دیں۔ جن کو میں نے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ سمجھا۔ کیونکہ ایسے ملک اور مسافرت میں وہی چیزیں عیش کے لوازم سمجھی جاتی ہیں

۱۵۔ اگست غلطی سے میں ایک دوسری سڑک پہ ہولیا۔ جب چار میل چلے جانے کے بعد ایک بلند مقام پر پہونچا تو دریائے ناگر بائیں جانب فاصلہ پر دکہائی دیا۔ اسلئے وہاں سے لمبی لمبی گھاس سے بصد مشکل دریا کی طرف بڑھا۔ دو بجے کے قریب میں ایک تیز رو نالہ کے قریب پہونچا جسے میں نے ناگر کا معاون سمجھا لیکن جب بغور دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور ہی دریا ہے۔ سڑک اس نالہ سے گزرتی تھی۔ کیونکہ دوسرے کنارہ پہ پاؤں کے نشانات دکہائی دیتے تھے میں کنارہ پہ بیٹھ گیا۔ تاکہ اگر کوئی مسافر آئے تو مجھے دریا عبور کرنے کے متعلق کچھ بتائے کہ کہاں اور کس مقام سے دریا سے گزرتے ہیں۔ مگر وہاں کوئی آدمی نہ آیا۔ اور آسمان کی صورت سے ایسا ظاہر ہوا کہ مینہ موسلادہار برسنا شروع ہو جائیگا۔ اسلئے دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ بالائی حصہ کی طرف گیا۔ تاکہ جس طرح بن پڑے اس سے پار ہو جاؤں میں نے تمام کپڑے گھوڑے کی زین سے باندہ دئے اور دریا میں اتر گیا۔ پانی میری گردن تک آگیا اور میں گھوڑے کو آگے کی طرف کہینچنے لگا اتنے میں ایک آدمی آگیا اور اوسنے بڑے زور سے کہا کہ دریا سے باہر نکل آؤ ورنہ مگرمچھ یا گھڑیال تم دونوں کو کہا جائینگے۔ جب میں پانی سے باہر نکل آیا تو وہ آدمی جسنے پیشتر کسی سفید آدمی کو نہیں دیکھا تھا مجھے دیکھکر

حیران ہُوا - اور کہنے لگا "یا خدا یہ کون آدمی ہے؟" - لیکن جب میں نے اوس سے بمبارہ کی زبان میں گفتگو کی تو معلوم ہُوا کہ وہ بھی اسی طرف جانے والا ہے - جسطرف میں جارہا تھا - اوسنے مجھے ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ کیا - اُس دریا کا نام فرینہ تھا - وہ آدمی ساحل کے ساتھ ساتھ گیا اور زور سے کسی آدمی کو آواز دی جسنے دوسرے کنارہ سے جواب دیا تھوڑی دیر میں ایک ڈونگی پانی پر تیرتی ہوئی آئی - کشتی بان نے پچاس کوڑیاں لیکر مجھے اور میرے گھوڑے کو کشتی پر بٹھالیا - آسانی سے دریا عبور کیا اور شام کے وقت میں تفارہ میں پہونچا - اس قصبہ کے اردگرد ایک دیوار تھی - وہاں کے لوگون کی زبان خالص مانڈنگو ہے ؛

اٹھارہوان باب

مایوسی سبھی ڈوڈو

جب میں تفارہ میں پہونچا تو میں نے دوتی کو تلاش کرنا شروع کیا - لوگون نے مجھے کہا کہ وہ میرے پہونچنے سے چند پیشتر ہی مرگیا تھا اور سردارون کا ایک جلسہ ہونیوالا ہے جس میں دوسرا ایٹیل چنا جائیگا کیونکہ جانشینی کی بابت کچھ تنازع تھا - شاید اسی وجہ سے مجھے تکلیف اور بے آرامی برداشت کرنی پڑی - گو میں نے باشندون سے کہا کہ میں صرف ایک رات قیام کرنا چاہتا ہون مگر کسی نے اپنے گھر میں جگہ ندی - اور مجھے ایک درخت کے نیچے بیٹھنا پڑا اسوقت سخت آندھی تھی اور مینہ موسلا دھار برس رہا تھا - آدھی رات کے وقت وہی اجنبی میرے پاس آیا جسنے مجھے دریا سے پار اتارا تھا - اوسنے کہا کہ میرے ساتھ چلکر کھانا کھاؤ جو وہ بھی مہمان تھا - اسلیئے مالک سرائے کی مرضی کے بغیر وہ مجھے کھانے کی دعوت نہیں دے سکتا تھا اسلیئے کھانا لیکر جھونپڑے کے دروازہ پر آگیا جب طعام شب تر ہو گیا تو میں احاطہ کے ایک کونہ میں گیلی گھاس پر پڑ رہا میرے گھوڑے کی حالت مجھ سے بھی بدتر تھی جسقدر اناج

مینے لیا تھا وہ ختم ہوگیا تھا اور میسر نہ ہوسکتا تھا +

۴- اگست میں قصبہ جا سے گزر کر خیدمنٹ تک موضع سومینو میں ٹھہرا۔ وہان سے مین نے کچھ ردی سا کھانا خریدا جو اناج کے بھوسہ کا تھا۔ بارہ بجے کے قریب میں موضع سوہامیں پہونچا۔ اور ٹیل سے کچھ اناج خریدنا چاہا۔ مگر اُسنے دینے سے انکار کیا۔ پھر مینے روٹی بطور خیرات مانگی مگر اُس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی جسوقت میں اس ترشرو آدمی کے چہرہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ تاکہ میں اس کی بدخوئی اور ناراضی کی وجہ معلوم کردن۔ اوسنے ایک غلام کو بلایا جو کھیت میں کام کر رہا تھا اور اسکی ہاتھ میں پھاوڑا تھا جب وہ قریب آگیا۔ تو اُسے ایک گڑھا کھودنے کی ہدایت کی۔ غلام نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی جو برابر بڑبڑاتا رہا "کسی کام کا نہیں" "بالکل ویلا ہے" مینے سنکر کہا کہ یہ شخص اس قسم کے فقرے میرے سوا اور اس کی بابت استعمال کرسکتا ہے؟ اور چونکہ گڑھا بھی ایک قسم کی قبر معلوم ہوتا۔ اسلئے مین نے اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر وہان سے رفوچکر ہونا مناسب سمجھا میں فوراً اپنے گھوڑے پر چڑھ کر ایڑی لگانا چاہتا تھا کہ اتنے مین غلام بستی کی طرف سے ایک نوسالہ حبشی لڑکے کو ہاتھ اور ٹانگ سے پکڑ کر لایا اور اسے بڑی بے پروائی سے گڑھے میں ڈال دیا۔ جسوقت غلام گڑھا پر کر رہا تھا۔ تو اس کا آقا "روپیہ ضائع گیا" بڑبڑا رہا تھا۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا۔ کہ لڑکا اس کا ایک غلام تھا۔ میں وہان سے چلا یا اور غروب آفتاب تک دریا کے کنارہ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور میں کونی کرو میں جو ایک بڑا قصبہ اور غلاموں کی تجارتگاہ ہے پہونچا وہان میں نے ایک اہل سمبارہ کے گھر میں شب باشی کا انتظام کر لیا۔ یہ شخص پہلے ایک مور کا غلام تھا۔ صحرائے اعظم کے اکثر مقامات مثلاً ارون ٹوڈینی وغیرہ میں دیکھ چکا تھا۔ جب اُس کا آقا جینی میں مر گیا اور اسنے اسلام قبول کر لیا۔ تو اس شخص کو آزادی مل گئی۔ اور کونی کرو میں سکونت اختیار کر لی۔ نمک اور روئی کے کپڑون کی تجارت شروع کردی۔ گو اسنے بہت سیاحت کی تھی مگر تعویذ و گنڈے کی تاثیر کا معتقد تھا۔ جب سے اسنے یہ [illegible]

مسیحی ہوں۔ تو وہ میرے پاس ایک لوح لایا کہا اگر اسکے اوپر ایسا تعویذ لکھدو جس سے بدمعاش آدمی میرے اوپر غالب نہ آسکے تو میں تمکو عمدہ کھانا کھلاؤنگا۔ مینے بھی اسکی درخواست کو رد کرنا نامناسب سمجھا۔ لوح کی ہر دو جانب لکھدیا۔ وہ شخص آیا۔ اسے دھوکر ایک پیالہ میں ڈال لیا۔ اسکے اوپر کچھ پھونک کر پی گیا۔ پھر لوح کو زبان سے چاٹنا شروع کردیا۔ حتےکہ وہ بالکل صاف ہوگئی تھوڑی ہی دیر میں یہ مشہور ہوگیا کہ میں تعویذ وغیرہ لکھتا ہوں۔ ودقی نے اپنے لڑکے کے ہاتھ نصف تختہ کاغذ کا بھیجا اور تعویذ لکھنے کی درخواست کی۔ بطور نذرانہ ادسنے کچھ دودھ اور کھانا بھیجا۔ جب میں لکھ چکا تو باآواز بلند پڑھ کر سنا دیا۔ وہ سنکر بہت خوش ہوا اور تعویذ لیکر خوشی خوشی گھر چلا گیا۔ اور صبح کے وقت دودھ دینے کا وعدہ کر گیا رات کا کھانا کھاکر سو گیا۔ بیل کا چمڑا بستر کا کام دیتا رہا۔ رات کے وقت خوب گہری نیند سویا۔ کیونکہ مدت کے بعد عمدہ کھانا ملا تھا۔ اسلئے صبح کے وقت جسم میں نئی طاقت معلوم ہوئی۔

۲۱۔ اگست صبح اس قصبہ سے روانہ ہوگیا۔ دوپہر کے وقت موضع کانو اور ٹولمبو کے قریب سے گزرا۔ سہ پہر کے وقت قصبہ مرالو میں پہونچا۔ وہاں نمک کی عمدہ منڈی ہے مجھے لوگ ایک اہلکار کے مکان پر لے گئے جسنے میرا استقبال عمدہ طور پر کیا۔ غلاموں کی تجارت سے اس شخص کے پاس بہت مال جمع ہوگیا تھا۔ چونکہ مہمان نواز آدمی تھا۔ اسلئے جاتی یعنی مالک سرا کے کہلاتا تھا۔ اس کا مکان مسافروں کے ٹھہرنے کیواسطے مخصوص تھا۔ جن مسافروں کے پاس روپیہ ہوتا اونکو اچھی طرح رکھا جاتا کیونکہ وہ اسکو معقول معاوضہ دیتے تھے۔ لیکن غریبوں کو معمولی مکان میں رکھا جاتا۔ چونکہ میرے پاس روپیہ نہ تھا اسلئے مجھے اون سات غریب آدمیوں کے ساتھ سونا پڑا۔ جو ایک ٹولی بنکر کانقبا سے آئے تھے مگر ہمارے میزبان نے ہمارے واسطے کچھ کھانا بھیجا۔

۲۲۔ اگست صاحب خانہ کا ایک خادم میرے ساتھ شہر سے باہر گیا تاکہ مجھے راہ دکھادے۔ لیکن اوسنے مجھے ایک اور ہی سڑک پر ڈالدیا۔ یہ نہیں جانتا۔ آیا اوسنے یہ کام ارادۃً کیا یا محض لاعلمی سے جب میں بہت دور نکل گیا اور ایک نالہ کے کنارہ

پر پہونچا۔ اوسوقت مجھے معلوم ہوا کہ خادم نے مجھے غلط راہ پر ڈال دیا ہے مجھے واپس لوٹنے کا خیال گزرا لیکن اوسوقت دن تھوڑا رہ گیا تھا۔ اور قصبہ بماکو میں پہونچنا محال تھا۔ اسلئے میں نے اس نالہ کو عبور کرنے کا پختہ ارادہ کرکے گھوڑے کو ندی میں ڈھکیل دیا۔ اور اوسکی لگام پکڑ کر میں بھی دوسری طرف جا پہونچا۔ شام کے چار بجے میں نے اپنا رخ بدل ڈالا۔ دریا کی طرف سے مڑ کر پہاڑوں کی طرف چلا یا۔ اور ایک راستہ پر جا نکلا جس سے میں ایک گاؤن موسوم فرو کا تو میں جا پہونچا رات کو میں نے وہان بسیرا کیا ❊

۲۳۔ اگست علے الصباح اٹھکر میں قصبہ بماکو کی طرف روانہ ہوا شام کے پانچ بجے میں وہان جا پہونچا میں نے لوگون سے سنا تھا کہ یہ قصبہ نمک کی ایک بڑی منڈی ہے لیکن جب وہان پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک بالکل معمولی قصبہ ہے اور یمرا ئو سے بھی چھوٹا ہے۔ لیکن باوجود اسکے اسکے بھی باشندے بہت مالدار ہیں۔ مور لوگ جب تکارتہ یا بمبارا سے نمک لیکر آتے ہیں۔ تو چند روز تک اس قصبہ میں ٹھہرتے ہیں حبشی تاجر اونسے تمام نمک ایک ساتھ خرید لیتے ہیں اور مختلف علاقوں میں لیجا کر تھوڑا تھوڑا بیچ ڈالتے ہیں۔ میں اس قصبہ میں ایک سیرا وولی حبشی کے گھر میں قیام کیا۔ بہت سے مور مجھے ملنے کے واسطے آئے یہ مینڈنگہ زبان صفائی اور صحت سے بولتے تھے۔ اور مجھ سے اپنے ہموطنوں کی نسبت زیادہ خوش اخلاقی اور شائستگی سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک آدمی ریو گرانڈ ہی میں بھی ہو آیا تھا۔ اور عیسائیوں کی نسبت بڑی عزت اور ادب سے ذکر کرتا تھا۔ اس شخص نے شام کے وقت میرے واسطے ابلے چاول اور دودھ بھیجا۔ میں نے ایک حبشی تاجر سے جو چند برس تک سنی ٹمبیا میں رہ چکا تھا مغرب کے راستہ کی کچھ کیفیت دریافت کی۔ کیونکہ مجھے بھی اسیطرف جانا تھا۔ اوسنے فاصلہ اور مسافت کی بابت کوئی صحیح اطلاع نہیں دی۔ بلکہ جو تھوڑا سا کچھ بتایا۔ بہت سے قصبوں اور گاؤن کے نام لے ڈالے جو راستہ کے ارد گرد واقع ہیں لیکن اوسنے یہ بھی کہا کہ راستہ دشوار گزار ہو گیا ہے۔ اوسنے اندیشہ ظاہر کیا کہ میں بہت زیادہ آگے نہیں جا سکونگا۔ اس قصبہ سے نصف دن کی مسافت پر

دریا سے جلیبا واقع تھا اور میرے راستہ میں حائل تھا دریا عبور کرنے کیواسطے کوئی کشتی نہ تھی۔ اسلئے چند ماہ تک اس دریا کو عبور کرنا محال تھا۔ یہ ایک بڑی رکاوٹ میرے راستہ میں حائل تھی چونکہ میرے پاس اسقدر روپیہ نہ تھا۔ کہ وہان چندماہ تک بافراغت قیام کر سکتا۔ اسلیے میں نے مناسب سمجھا کہ جس طرح ہو۔ دریا کو عبور کرنا چاہیئے خواہ گھوڑا دریا کی اس طرف ہی چھوڑنا پڑے رات بھر اسی قسم کے خیالات کا ہجوم میرے دل میں رہا صبح کے وقت میں نے اپنے میزبان سے پوچھا کہ اس وقت پر کیونکر غالب آنا چاہیئے۔ اوسنے کہا۔ ایک پہاڑی راستہ ہے۔ اگر آپ کوئی اچھا رہبر اپنے ساتھ لے لیں تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ راستہ بہت مشکل ہے مگر صبر اور استقلال اور احتیاط سے قصبہ سبی ڈو کو میں پہونچ جانا۔ اور وہان سے مانڈنگ سے آگے بڑھ سکتے ہو میں جھٹ پٹ ودتی کے پاس گیا۔ کہ مجھے ایک راہبر کی ضرورت ہے جو مجھے سبی ڈولو میں پونچا دے۔ اوسنے کہا کہ ایک شخص جو گویا بھی ہے۔ اُس شہر کو جانیوالا ہے۔ وہ آپ کی راہنمائی کریگا میں اُس شخص کے ساتھ روانہ ہُوا دو میل کے پہاڑی سفر کے بعد ایک گاؤں آیا۔ وہاں میرے رہبر کو معلوم ہُوا کہ وہ مجھے غلط راستہ سے لایا ہے۔ وہان اوسنے مجھ سے کہا کہ گھوڑے کی سڑک پہاڑی سے دوسری طرف واقع ہے۔ اوسنے اپنا ڈول اپنی پشت پر رکھ لیا۔ چٹانوں پر چڑھ گیا۔ وہان گھوڑا کسی صورت سے بھی نہیں جا سکتا تھا میں وہیں کھڑا رہ گیا تاکہ میں خود اپنے واسطے اچھا راستہ تلاش کرون۔ چونکہ آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ اسلئے پچھلے پاؤں لوٹا مشرق کا رُخ کیا۔ دوپہر کے وقت میں ایک وادی میں جا پہونچا۔ وہان گھوڑون کے سمون کے نشان دیکھے میں نے سمجھا۔ اصلی راستہ یہی ہے۔ اُسی پہ ہو لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گڈریون کی بستی میں پہونچا۔ وہان لوگوں سے استفسار کرنے سے معلوم ہُوا۔ کہ اصلی راستہ یہی ہے۔ مگر غروب آفتاب سے پیشتر سبی ڈولو میں پہونچنا محال تھا۔

سورج چھپنے سے تھوڑی دیر پیشتر میں اس پہاڑ کے مغربی پہلو پر سے نیچے اترا۔ اور ادھر ادھر ایک اچھا درخت تلاش کرنے لگا۔ تاکہ اسکے نیچے

رات گزاری جائے کیونکہ مجھے منزل مقصود پر پہونچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ راستہ پر
سے ایک وادی میں اترا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک موضع کومہ میں جا پہونچا
اس گاؤں کے اردگرد ایک بلند دیوار ہے۔ اور مینڈنگو کے ایک تاجر کا گاؤں ہے
جو کچھ عرصہ پیشتر جنگ سے ڈر کر اپنے اہل وعیال سمیت وہاں آکر آباد ہو گیا تھا۔
اردگرد کھیت تھے جن میں عمدہ مکئی ہوتی ہے۔ وادی میں اس کے جانور چرتے
رہتے ہیں۔ چونکہ پہاڑیاں انکو خطرات سے محفوظ رکھتی ہیں اس
تاریک بستی میں بہت کم اجنبی اس کے پاس جاتے ہیں۔ لیکن جب کبھی کوئی
مسافر اس کے پاس جا پہونچتا ہے۔ تو وہ اس کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ
اٹھا نہیں رکھتا۔ جب میں اس قصبہ میں پہونچا۔ تو کئی آدمی میرے اردگرد
جمع ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے میرے وطن کی بابت سینکڑوں سوال
پوچھ ڈالے میں نے ان سوالوں کا معقول جواب دیا جسکی عوض میں وہ
میرے لئے مکئی اور دودھ لائے۔ گھوڑے کے واسطے گھاس دی۔ اور
ایک جھونپڑے کے اندر آگ جلا دی اور انہوں نے ہر طرح سے خدمتگزاری کی۔

۲۵۔ اگست میں کومہ سے روانہ ہوا۔ میرے ساتھ دو گڈریے ہو لئے
جو سبی ڈولو کو جانے والے تھے۔ راستہ ڈھلوان اور پہاڑی تھا۔ بہاکو سے
آتے ہوئے میرے گھوڑے کے پاؤں میں کئی جگہ زخم آ گئے۔ اسلئے وہ آہستہ
آہستہ چلتا تھا بعض جگہ راستہ بلند پہاڑیوں پر سے پڑتا اور بعض وقت
ڈھلوان پہلوؤں سے اترنا پڑتا۔ اگر ایسی جگہ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑتا تو اسکی
بوٹیاں اڑ جاتیں گڈریے جلدی جانا چاہتے تھے۔ اسلئے انہوں نے میرا
اور میرے گھوڑے کا کوئی خیال نہ کیا۔ بلکہ مجھ سے کچھ فاصلہ پر آگے ہی چلتے
رہے۔ میں ایک چھوٹے نالہ پر پانی پینے ٹھہرا۔ اسوقت گیارہ بجے تھے (میرے
ہمراہی پاؤ میل کے فاصلہ پر مجھ سے آگے تھے) میرے کان میں چند آوازیں
آئیں۔ اسکے بعد ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ جیسے کوئی بڑی تکلیف میں
ہوتا ہے میں نے خیال کیا کہ ایک گڈریے پر شیر نے حملہ کر دیا ہے۔ میں
اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا۔ تاکہ اچھی طرح دیکھ سکوں۔ مگر

شور بلند ہو گیا اور میں آہستہ آہستہ اوس مقام کی طرف بڑھا جہاں سے شور بلند ہوا تھا میں اپنے ہمراہیوں کو بھی پکارتا جاتا تھا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا تھوڑی دیر کے بعد میں نے بھی گھاس پر ایک گڈریہ کو پڑا دیکھا۔ خون کا کوئی نشان نہ تھا۔ مگر آدمی بظاہر مردہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جب میں اسکے پاس آیا۔ تو اوسنے آہستہ سے کہا کہ خاموش رہو۔ مسلح آدمیوں کی ایک ٹولی نے میرے دوست کو پکڑ لیا ہے اور جسوقت میں بھاگنے لگا۔ تو انہوں نے دو تیر مجھ پر پھینکے میں ٹھہر گیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے جب میں نے ادہر ادہر دیکھا تو ایک آدمی کو ایک درخت کے کھنٹ پر پایا۔ مجھے گھاس کے درمیان چھ سات آدمیوں کے سر بھی دکھائی دیئے۔ اُن کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں مجھے بھاگنے کی کوئی امید نہ تھی اسلئے گھوڑے پر چڑھ کر اُن کی طرف بڑھا جسوقت میں جا رہا تھا۔ تو خیال کرنے لگا کہ وہ ہاتھیوں کے شکاری ہیں میں نے ان سے پوچھا۔ کیوں بھئی کچھ ہاتھ بھی لگا یا نہیں؟ ایک شخص نے جواب دینے کے بغیر مجھے گھوڑے سے نیچے اتر آنے کو کہا لیکن تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آگے بڑھ جاؤ۔ اسلئے میں ان کے پاس سے گذر گیا۔ اور ایک ندی کو تھوڑی وقت سے عبور کیا۔ مگر اسیوقت شور سنا مڑکر دیکھا کہ ہاتھی کے شکاری میرے پیچھے بھاگے چلے آتے ہیں اور مجھے واپس چلے آنے کا اشارہ کیا۔ میں ٹھہر گیا۔ وہ تمام میرے گرد جمع ہو گئے اور کہا کہ ہم کو فلاحین کے بادشاہ نے حکم دیا کہ تمہیں معہ تمہارے سامان کے اسکے پاس لے چلیں۔ اسلئے تم ہمارے ساتھ شہر فولادو کو چلے چلو۔ میں بلا توقف ان کے ساتھ ہو لیا۔ پاؤ میل تک اُن کے ساتھ گیا۔ اس اثناء میں اُن سے کوئی بات نہیں ہوئی جب جنگل کے ایک گنجان قطعہ پر پہونچے۔ تو ایک شخص نے کہا کہ "یہ جگہ کافی ہے" اور اوسنے جھپٹا مارکر میرے سر سے ٹوپی اتار لی۔ گو میں اندیشہ اور خوف سے مبرا نہ تھا۔ لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ جہاں تک ہو خوف کی کوئی علامت ظاہر نہ کروں۔ اسلئے میں نے اُن سے کہدیا۔ کہ جب تک میری ٹوپی واپس نہ دو میں تمہارے ساتھ آگے نہیں جاؤنگا۔ لیکن بغیر جواب دیئے ایک شخص چاقو لیکر آگے بڑھا اور میری واسکٹ کا ایک بٹن توڑ لیا اور اپنی

جیب میں ڈال لیا۔ اس سے انکا ارادہ ظاہر ہوگیا میںنے خیال کیا۔ اُن کو اپنی چیزیں لے لینے دو۔ مجھے اس سے کسی قسم کا خوف نہیں ہو سکتا۔ میں نے اُن کو اپنی جیبوں میں بھی ہاتھ ڈالنے دیئے۔ اور انہوں نے میرے جسم کی خوب تلاشی لی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ میرے پاس اوپر دو واسکٹ ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ دونوں کھول کر ہمارے حوالہ کردو۔ آخرکار انہوں نے میرے تمام کپڑے اتار لیئے۔ اور مجھے ننگا کر دیا۔ انہوں نے میرے بوٹوں کی بھی تلاشی لی۔ جسوقت وہ چیزیں دیکھ رہے اور جائزہ لے رہے تھے۔ اوسوقت میں نے ان سے درخواست کی۔ کہ قطب نما واپس دو۔ لیکن ایک لٹیرے نے یہ خیال کرکے کہ میں اسے اٹھانے چلا ہوں۔ بندوق اٹھائی اور قسم کھا کر کہا۔ کہ اگر تم اسے ہاتھ لگاؤ گے۔ تو میں تمہیں مار ڈالونگا۔ اسکے بعد چند آدمی میرا گھوڑا اور تمام چیزیں لیکر چلدیئے۔ اور بعض وہاں کھڑے سوچتے رہے۔ آیا مجھے کوئی کپڑا دیدیں۔ یا ننگا ہی چھوڑ جائیں۔ آخرکار انکے دلوں میں انسانیت نے جوش مارا۔ انہوں نے دو ردی قمیصیں اور پتلون پھینکدیئے۔ جاتے وقت میری ٹوپی بھی پھینکدی۔ اس میں کچھ یادداشت کے کاغذات تھے۔ اسی لئے انہوں نے اسے لیجانا مناسب نہ سمجھا۔ جب وہ چلے گئے۔ تو میں چپ چاپ حیران اور خائف چند منٹ تک سوچتا رہا جسطرف جانے کی سوچتا۔ صرف خطرہ اور وقت نظر آتی ہیں۔ اسوقت ایک وسیع جنگل کے درمیان تھا۔ میں اکیلا تھا۔ میرے ارد گرد درندے تھے اور آدمی انسے زیادہ درندے تھے۔ نزدیک ترین یورپین بستی سے پانچسو میل کے فاصلہ پر تھی۔ اس قسم کے خیالات میرے دل میں سما رہے تھے میں تصور کرتا ہوں۔ اسوقت میری ہمت مجھے جواب دے بیٹھی میں نے خیال کیا کہ اب زندگی کی کوئی امید نہیں۔ اسی جگہ پڑا ہوا بلک بلک کر مرجاؤنگا۔ لیکن مذہبی خیال اور اثر نے میری مدد کی۔ اور بہت تقویت بخشی میں خیال کرنے لگا۔ کہ انسانی دانائی اور پیش بینی میری موجودہ تکالیف کو دور نہیں کر سکتی۔ میں واقعی غیر ملک میں پورا اجنبی تھا۔ لیکن خداوند کریم جو لاچاروں اور اجنبیوں کا دوست ہے میرے پاس تھا۔ گو اسوقت میرے دل میں درد انگیز خیالات گزر رہے تھے۔ مگر چھوٹی گھاس اور کائی کے ایک خوبصورت

قطعہ کی دلفریبی نے میری آنکھ اپنی طرف کھینچ لی رہیں اس بات کا صرف اسلئے ذکر
کرنا چاہتا ہوں کہ نہائیت تکلیف اور بیکسی کی حالت میں معمولی چیزیں بھی کیسی
تسلی دہ ثابت ہوتی ہیں۔ گو یہ قطعہ بہت ننھا سا تھا۔ مگر اسکی جڑیں پتے اور تنکے
بہت ہی عجیب اور حیرت انگیز تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا۔ کیا وہ ہستی جسنے
اس گھاس کے قطعہ کو اس جنگل میں پیدا کیا۔ اسکو پانی بخشا۔ اور ایسی صنعت
سے تیار کیا۔ اوس مخلوق کی تکالیف پر بے اعتنائی سے نظر ڈالیگا جسے اوسنے
اپنی شکل پر بنایا ہوا اسلئے اس قسم کے خیالات مجھے مایوس اور دل شکستہ نہیں
ہونے دیتے تھے میں اٹھا۔ بھوک پیاس کی پرواہ نہ کرکے آگے چل نکلا۔ دل میں
پختہ یقین تھا کہ ضرور کہیں نہ کہیں سے مدد ملیگی۔ اور اس میں مایوس نہ ہوا
تھوڑی دیر کے بعد ایک گاؤں میں پہونچا۔ اسکے دروازہ پر دو فولان گڈریئے ملے
جو میرے ساتھ کوسر سے آئے تھے۔ وہ مجھے دیکھکر بہت حیران ہوئے۔ کیونکہ انکا
خیال تھا کہ فولاہ لوگ جسے لوٹتے ہیں۔ اسے قتل کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اس
گاؤں سے نکلکر ہم کو بہت سی چٹانی پہاڑیوں پر سے گزرنا پڑا۔ اور شام کے وقت
سبی ڈولو میں پہونچے۔ جو مانڈنگ کی بادشاہت کی سرحد پر واقع ہے +

انیسواں باب

علالت۔ اور دیبو کی مہربانی

قصبہ سبی ڈولو ایک زرخیز وادی میں واقع ہے۔ اسکے چاروں طرف
بلند سنگلاخ پہاڑیاں ہیں۔ اس وادی سے گھوڑے نہیں گزر سکتے۔ جب اہل
بمبارہ۔ اہل فولاہ اور اہل مینڈنگو کے درمیان جنگیں ہوا کرتی تھیں۔ تو کوئی
حملہ آور غنیم اسے لوٹ نہ سکا۔ جب میں شہر میں داخل ہوا۔ تو لوگ میرے ارد گرد
جمع ہوگئے۔ اور جب بعض لوگ مجھے ودی کے پاس لے گئے۔ تو ایک جم غفیر میرے
ساتھ ساتھ گیا۔ ودی اس شہر میں بمنزلہ ایک بادشاہ کے سمجھا جاتا ہے۔ مگر
مانڈنگ کی حکومت ایک قسم کی جمہوری حکومت ہے۔ ہر ایک قصبہ میں ایک

ایک ودتی ہوتا ہے اور اعلیٰ اختیارات ایک مجمع کے ہاتھ میں ہوتے ہیں
میں نے ودتی سے اپنی تمام داستان کہدی۔ دوگڈ ریوان نے میرے بیان کی
تصدیق کی۔ کہ مجھے واقعی ڈاکوؤں نے لوٹ لیا جسوقت میں اپنی رام کہانی بیان
کر رہا تھا۔ ودتی اُسوقت حقہ پی رہا تھا۔ جب میں ختم کرچکا۔ تو اوسنے حقہ چھوڑ
دیا اور آستین چڑھا کر کرخت لہجہ میں کہا۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہاری ہر ایک چیز واپس
دلائی جائیگی میں قسم کہا کر کہتا ہوں۔" پھر ایک خادم کی طرف مخاطب ہو کر کہا
"اُس گورے کو پانی کا گھونٹ پلاؤ۔ اور کل صبح ہماگو کے ودتی کے پاس جاؤ اور
اسے کہو۔ ایک بیچارہ گورے کو جو شاہ بمبارا کا آشنا ہے۔ شاہ فولاڈو کی رعایا
نے لوٹ لیا ہے"

مجھے اپنی پریشانی اور تباہ حالت میں ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ یہی ڈولوکا ودتی
مجھ پر اسقدر رحم کریگا۔ میں نے تہ دل سے اوسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اسکے پاس
پیغام رسان کی واپسی تک قیام کرنا منظور کر لیا۔ مجھے اوسکے خادم ایک جھونپڑے
میں لے گئے۔ اور مجھے کہانا دیا۔ گاؤں کے لوگ مجھے دیکھنے کو جمع ہو گئے تھے
اور ڈاکوؤں کو سخت سست کہہ رہے تھے اور اون پر ہزار بار لعنت بھیجتے
تھے آدھی رات تک سو نہ سکا۔ دو روز مجھے اپنے گھوڑے اور کپڑوں کی بابت
سیسی ڈوتو میں کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔ چونکہ اس وقت وہاں قحط تھا۔ اسلئے میں نے
مناسب نہ سمجھا کہ ودتی کو زیادہ تکلیف دوں۔ اسلئے اپنے میزبان سے دوسرے
گاؤں کو چلے جانے کی اجازت چاہی۔ اوسنے مجھے مستعد دیکھکر چلے جانے کی اجازت
دیدی۔ کہا۔ تم چند روز تک واندا میں ٹھہرو۔ جب تک کہ تمہارے گھوڑے
اور کپڑوں کی خبر معلوم نہو۔

اسلئے میں ۸ اگست کی صبح کو دولت سے چلا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں
میں پانی وغیرہ پینے کے واسطے ٹھہر گیا۔ ایک گاؤں میں ایک شخص نے مجھے
تلی کے بھٹے دودھ اور پانی میں پکے ہوئے کہانے کو دئے۔ جو میں نے پہلے کہیں
نہیں کہائے تھے۔ بڑی تنگدستی اور خشک سالی کے وقت ہی ایسی چیزیں
کہائی جاتی ہیں۔

۲۰- اگست کو دوپہر کے وقت میں وانڈہ میں پہونچا۔ یہ ایک چھوٹا قصبہ ہے اس میں ایک مسجد ہے اور اردگرد بلند دیوار ہے۔ ودی ایک مسلمان تھا جو شہر کا حاکم اور مدرسہ کا اوستاد بھی تھا۔ قصبہ کے لڑکوں کو وہ ایک کشادہ جگہ میں درخت کے نیچے پڑھایا کرتا تھا۔ اوسنے مجھے بھی اسی درخت کے نیچے رہنے کی تاکید کی جب تک کہ سبی ڈوڈوسے میرے کپڑے دان وغیرہ کی کچھ کیفیت معلوم نہ ہو گو گھوڑے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ مگر کپڑوں کی سخت حاجت تھی۔ دن کے وقت سخت تیز دھوپ پڑتی تھی۔ اور جو کپڑے میرے بدن پر تھے وہ بالکل ناکافی تھے رات کے وقت جھینگر بہت کاٹتے تھے۔ میری قمیض بہت میلی اور پتلی تھی جب موقع پاتا۔ اسے دھو کر دھوپ میں ڈالدیتا اور خود سایہ میں ننگا بیٹھا رہتا +

جب سے برسات شروع ہوئی میری صحت بہت خراب ہوگئی۔ کبھی کبھی ہلکا بخار ہو جاتا۔ بماکو سے روانہ ہونے کے بعد بخار کی علامات زیادہ بڑھتی چلی گئیں۔ جب میں درخت کے نیچے ننگا بیٹھا ہوا تھا تو بخار چڑھ گیا۔ اور میں کچھ پریشان ہو گیا۔ کیونکہ میرے پاس کوئی دوا نہ تھی جس سے بخار کو روک دیا جاتا۔ اور نہ مجھے کسی قسم کا علاج حاصل کرنے کی امید تھی +

میں وانڈہ میں نو روز تک رہا۔ مجھے ہر روز مقررہ وقت پر بخار ہو جاتا جہاں تک ہو سکا میں نے اپنی بیماری ودی سے چھپائی۔ دن بھر کئی [illegible] پڑا رہتا تھا۔ تاکہ اسے معلوم نہ ہو جائے۔ کیونکہ قحط کے ان دنوں میں میں اسکے اوپر ایک قسم کا بار تھا۔ لیکن اسے میری بیماری کی خبر ہوگئی۔ ایک روز صبح کے وقت میں انگیٹھی کے پاس لیٹ رہا تھا۔ ودی نے مجھے سوتا خیال کر کے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ شخص ہمارے اوپر بوجھ ہو گیا ہے لیکن بیماری کی حالت میں وہ مجھے اپنے گھر سے نکال نہ سکتے تھے۔ جس سے ان کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا۔ اسلئے صحت پانے یا موت تک میں اون کا مہمان رہا +

اسوقت خشک سالی کا اثر غریب لوگ بہت بُری طرح محسوس کرتے تھے۔ جیسا کہ حسب ذیل واقعہ سے ظاہر ہو جائیگا۔ ہر روز شام کے وقت پانچ چھ عورتیں ودی کے گھر آیا کرتیں۔ اور [illegible] [illegible] پایا کرتیں۔ اسوقت کئی

بہت گراں تھی۔ اس لئے میں نے دوتی سے پوچھا آیا آپ ان عورتوں کی پرورش خیرات اور فیاضی سے کرتے ہیں یا اُن سے کچھ واپسی کی امید ہے؟ اس نے مجھ سے کہا "اس پانچ سالہ بچہ کو دیکھو اس کی ماں نے اس کو میرے ہاتھ چالیس روز کی خوراک کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ اسی طرح میں نے ایک اور لڑکا خریدا ہے" لاحول ولا قوۃ! اس بچے کی والدہ کو اپنے بچے کو فروخت کرنے سے پیشتر کس قدر رنج ہوا ہوگا۔ میں اس درد انگیز امر کو دل سے جلدی فراموش نہ کر سکا۔ جب حسب معمول شام کے وقت عورتیں اناج لینے آئیں۔ تو میں نے ایک بچے سے کہا بتا تیری ماں کونسی ہے؟ اس نے ایک عورت کی طرف اشارہ کیا۔ جو بہت لاغر اور دبلی پتلی تھی! مگر چہرے سے وحشت اور سنگدلی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ جب وہ عورت اناج لے چکی۔ تو اپنے بچے کے پاس آئی۔ اور اس سے پیار سے باتیں کرنے لگی۔ گو یا اب تک اسی کی زیر نگرانی ہے۔ ۶۔ ستمبر سیجی ڈولٹو سے دو آدمی آئے۔ وہ اپنے ساتھ میرا گھوڑا اور کپڑے بھی لائے۔ میں نے دیکھا کہ میرا قطب نما ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔ اس کی مرمت کرنا محال تھا۔

۷ ستمبر۔ جس وقت میرا گھوڑا ایک کنوئیں کے قریب چر رہا تھا۔ تو اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین پھٹ گئی۔ اور وہ اس کے اندر جا پڑا۔ کنوئیں کا گھیر دس فٹ تھا۔ اور اس قدر گہرا تھا۔ کہ جب میں نے گھوڑے کو ڈبکیاں لیتے دیکھا۔ تو خیال کیا۔ کہ اسے بچانا ناممکن ہے۔ مگر اس گاؤں کے باشندے جلد جمع ہو گئے۔ انہوں نے بیلوں کے رسے بنائے۔ اور ایک آدمی کو نیچے اتار دیا۔ اس نے رسّے گھوڑے کے جسم اردگرد باندھ دیئے۔ لوگوں نے پہلے اس آدمی کو کھینچ کر باہر نکالا۔ پھر گھوڑے کو کھینچا اور باہر نکالنا شروع کیا۔ اور بڑی آسانی سے اس جانور کو کنوئیں سے باہر نکال لیا۔ میں دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ بیچارا گھوڑا بہت دبلا ہو گیا تھا۔ راستے دشوار گذار تھے۔ یا تو پہاڑیا جنگل ہیں۔ یا کیچڑ اور پانی تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ گھوڑا اس قدر کمزور ہے کہ سفر کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے میں نے گھوڑے کو دوتی کی نذر کر دیا۔ اور کہا کہ لگام اور زین ڈولٹو کے ڈوتی کے پاس بھجوا دینا۔ کیونکہ اس نے میرے کپڑے

اور گھوڑا واپس منگوانے میں بہت تکلیف اوٹھائی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ وہاں سے چل دوں۔ گو میں بیمار تھا۔ ۸ ستمبر کو جب میں چلنے والا تھا۔ تو دوتی نے اپنا بھالا مجھے بطور یادگار دیا۔ اور ایک چمڑے کا تھیلا کپڑے ڈالنے کے واسطے دیا۔ میں نے اپنے جوتے کو تسمے دار جوتے بنا لیا۔ جس سے میں آسانی سفر کرنے کے قابل ہوگیا۔ اور رات کے وقت ایک گاؤں میں جس کا نام بلادنتی تہا پہونچا۔ ۹ ستمبر کو میں بنیاکو میں پہونچا۔ دوتی نے مجھے گرگٹ کا گوشت کھانے کو دیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت اوس نے کہا۔ کہ غلہ بالکل دستیاب نہیں ہوتا۔ اس لئے آپ کو میں کچھ کھلا نہیں سکتا۔ میں اس شخص کو مہمان نوازی اور درشتی کا الزام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ تمام آدمی فاقہ مستی میں بسر اوقات رہے تھے۔

۱۰ ستمبر تمام دن مینہ موسلا دھار برستا رہا۔ لوگ اپنے اپنے مکانوں کے اندر رہے۔ سہ پہر کے وقت ایک حبشی میرے پاس آیا۔ اس کا نام موذی لیمینا ٹوڑا۔ اور وہ ایک نامی تاجر تھا۔ وہ یہ خیال کرکے کہ میں بھوکا ہوں کچھ اشیاء خوردنی میرے پاس لایا۔ اور کہا۔ کل میں آپ کو اپنے گانوں موضع کینیو کو لے چلوں گا +

۱۱ ستمبر میں بنیاکو سے روانہ ہوگیا۔ اور شام کے وقت کینیو میں پہونچا اثنائے راہ میں میرا ٹخنہ زخمی ہوگیا۔ اور اتنا سوج گیا۔ کہ دوسرے دن چلنا محال ہوگیا۔ میرے میزبان نے میری دردناک حالت دیکھکر مجھے اپنے گھر میں چند روز ٹھیرنے کے لئے کہا۔ اس لئے میں ۱۴ ستمبر تک اس کے گھر میں رہا۔ اسی اثنا میں میرا ٹخنہ اچھا ہوگیا۔ اور میں چلنے پھرنے کے قابل تہا۔ اپنے دوست کا شکریہ ادا کرکے میں اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔ میرے ساتھ ایک جوان آدمی بھی تہا۔ جو اسی طرف جا رہا تھا۔ جس طرف مجھے جانا تہا۔ میں جیدی جانگ کو روانہ ہوا۔ جو ایک زرخیز اور شاداب ضلع ہے۔ اور وہاں کا دوتی سب زبردست سردار سمجھا جاتا ہے۔

۱۵ ستمبر کو میں دومبیٹا میں پہونچا۔ یہ ایک بڑا قصبہ ہے۔ بوجہ بارش

مجھے ایک روز وہاں ٹھہرنا پڑا لیکن میری طبیعت برابر علیل تھی۔ رات کے وقت قدرے بے ہوش ہو گیا۔ ۱۷۔ کو میں مینتشیا کو روانہ ہوا۔ جو ایک بڑا قصبہ ہے۔ وہاں سے تھوڑا سا سونا نکلتا ہے۔ راستہ چٹانی اور بلند پہاڑیوں میں سے گذرتا تھا۔ میرا جسم اسقدر کمزور ہو گیا کہ چوٹی پر پہونچنے سے پیشتر تین مرتبہ زمین پر لیٹنے کو مجبور ہوا۔ سہ پہر کے وقت میں مینتشیا میں پہونچا۔ اس قصبہ کا ددی بڑا بے مروت اور سخت گیر آدمی تھا۔ اس نے مجھ تھوڑی سی ٹکی دی اور اسکی قیمت مانگی۔ میں نے اس سے کہا۔ میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں ہے۔ اس پر اس نے (ازراہ مذاق) کہا۔ اگر تم جھوٹ بولوگے۔ تو تمہارا گورا چہرا بھی تمہیں نہیں بچا سکے گا۔ اس کے بعد وہ مجھے ایک جھونپڑی میں لے گیا۔ جہاں رات کے وقت مجھے بسیرا کرنا تھا۔ مجھ سے میر بھالا لے گیا۔ اور کہا صبح کے وقت تم کو واپس دیا جائیگا۔ میں اس شخص کی بابت بہت کچھ سن چکا تھا۔ اس لئے مجھے اس کی نیت پر شک ہوا۔ اس لئے میں نے ایک شخص کو جس کے پاس تیر کمان تھا۔ چپکے سے کہا کہ رات کے وقت میرے ساتھ اسی مکان میں سو رہو۔ آدھی رات کے وقت میں نے ایک شخص کے پاؤں کی آہٹ دروازہ کے قریب سنی۔ کمرہ میں چاند کی روشنی پڑی۔ تو اجنبی آدمی نظر آیا۔ میں نے فوراً تیر کمان سنبھالی۔ اس کی بھنبھناہٹ سن کر اجنبی پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔ میرے رفیق نے اٹھ کر دیکھا اور کہا کہ یہ شخص ددی بذات خود تھا۔ تم صبح تک جاگتے رہو۔ لیکن دروازہ بند کرکے لکڑی کا ایک بھاری ٹکڑا اسکے پیچھے دھر دیا۔ اور اس ناگہانی واقعہ واقعہ پر تعجب کرنے لگا۔ اتنے میں پھر دروازہ زور سے کھلا۔ جب میں نے اوسے دروازہ کھولتے دیکھا تو وہ چپکے سے بھاگ گیا۔

۱۶ ستمبر جب صبح ہوئی تو میں نے ددی سے کہا۔ کہ ددی کے گھر سے بھالا لادو۔ وہ گیا اور تیر دے کر واپس آیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ کہ وہ پڑا کرتا ہے۔ تم جسقدر جلدی ہو یہاں سے چلدو۔ ورنہ خیر نہیں۔ میں نے الفور وہاں سے چلدیا۔ اور دو پہر کے قریب کما لیہ میں جو ایک سنگلاخ پہاڑی کے قریب واقعہ ہے پہونچا۔ وہاں کے باشندوں سے معقول ملا۔ یہاں سونا جمع کرتے ہیں۔

جب میں اس قصبہ میں پہونچا۔ تو لوگ مجھے ایک شخص کارفانوڈا کے گھر میں
لے گئے۔ یہ اس تاجر کا بھائی تھا۔ جس نے چند روز تک مجھے کنٹیگو میں رکھا
اس شخص کے پاس چند غلام تھے۔ جن کو وہ کیمبیا میں لے جاکر یورپینڈوں
کے ہاتھ فروخت کرنے والا تھا۔ وہ اپنی چوپال میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور کئی آدمی
اوس کے اردگرد جمع تھے۔ اور اس سے کہتے تھے۔ کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ لیچلو۔
یہ شخص اون لوگوں کو ایک عربی زبان کی کتاب سنا رہا تہا۔ اوس نے مجھسے
دریافت کیا۔ آپ عربی سمجھتے ہیں؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر اس نے
ایک آدمی سے کہا۔ کہ اس کتاب کو اوٹھا لاؤ۔ جو مغربی علاقہ سے لائی گئی تھی جب
میں نے اسے کھولا۔ تو وہ ہماری دعا کی کتاب نکلی۔ میں نے اسے پڑھا۔ کارفا
سنکر بہت خوش ہوا۔ کہ میں اسے پڑھ سکتا ہوں۔ جو لوگ وہاں جمع تھے۔ وہ
میرے زرد رنگ پھٹے پرانے کپڑوں اور تباہ حالت سے میرے گورہ ہونے پر
شک کرنے لگے۔ اور کارفا سے کہا یہ شخص کوئی عرب ہے۔ جو بھیس بدلکر پھیرتا
ہے۔ لیکن کارفانوڈ کو میری بابت کوئی شک نہ تہا۔ کیونکہ میں کتاب پڑھ سکتا
تہا۔ اوسنے ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ کیا۔ بعد ازاں اوس نے مجھسے
کہا۔ کہ چند ماہ تک جلونکا کے بیاباں سے گزرنا محال ہے۔ کیونکہ راستہ
میں آٹھ بڑے تیز رو دریا واقع ہیں۔ میں خود بھی کیمبیا کو جانا چاہتا ہوں جسوقت
دریا عبور کرنے کے قابل ہو جائینگے۔ اوس وقت بیالنے روانہ ہو جاونگا۔ اوس نے
مجھسے کہا۔ کہ میرے پاس ٹھہرو۔ اکٹھے چلے چلینگے۔ اوسنے یہ بھی کہا۔ کہ جب یہاں
کے دیسی باشندوں کا قافلہ نہیں جا سکتا۔ تو تمہارا جانا فضول ہے۔ میں بھی قائل
ہوگیا۔ کہ اس قسم کی کوشش ضرور ہے۔ مینے اوس سے کہا۔ کہ میرے پاس روپیہ
پیسہ بالکل نہیں ہے۔ اس لئے میرے لیئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ کہ میں
مانگتا کھاتا آہستہ آہستہ سفر جاری رکھوں۔ یا مر جاوں۔ کارفا نے میری طرف
دیکھا۔ اور پوچھا۔ کہ آیا معمولی خوراک کھا سکتے ہو۔ جسے یہاں کے باشندے کھاتے
ہیں۔ اوس نے کہا اگر تم یہاں ٹھیرو۔ تو میں تمہیں سب کچھ کھانے کو دونگا۔ اور
ایک جھونپڑہ رہنے کے واسطے ملیگا۔ جب کیمبیا پہونچے۔ تو جو کچھ بطور معاوضہ دیگے

دے دینا۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ کیا ایک جوان غلام کی قیمت کافی ہے؟ اس نے منظور کر لیا۔ اور ایک غلام کو کہا کہ ایک مکان صاحب کے واسطے تیار کر دو۔ میں اس نیکدل حبشی کی نوازش سے ایک آفت سے بچ گیا۔ اور تنگدستی اور شکستہ حالی نے مجھے سخت پریشان کر رکھا تھا۔ جلونکا کا لق و دق جنگل میرے راستہ میں تھا۔ جہاں پانچ روز تک کوئی بستی راستہ کے اردگرد کہائی نہیں دیتی۔ میں نے گورو کا تیز رو پانی تصور کی آنکھ سے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اوس مقام کو بھی دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ جہاں میری حالت واقع ہوئی۔ اسی حالت میں مہربان دل حبشی نے مدد کی۔ اور مجھے اپنے گھر میں اتار لیا۔ جو میرے رہنے کے واسطے تیار کیا گیا تھا۔ اس نے اندر ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک صراحی پانی کی بھری تھی۔ اور ایک پیالہ پانی پینے کے واسطے تھا۔ کاوفا اپنے گھر سے دو مرتبہ دن میں میرے پاس کھانا بھیجا کرتا۔ غلاموں کو حکم تھا۔ کہ وہ مجھے لکڑیاں اور پانی ضرورت کے مطابق لا دیا کریں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ بخار کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا۔ میرا جسم دن بدن اس سے زیادہ کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور حرارت کی تیزی بھی بڑھتی رہی۔ میں نے اپنی بیماری اور تکلیف چھپانے کی کوشش کی۔ تیسرے روز میں کاوفا کے ساتھ اس کے دوستوں سے ملنے گیا۔ مگر جسم بہت کمزور چلنا دوبھر ہو گیا۔ میں اثنائے راہ میں لڑکھڑاتا ہوا ایک گڑھے میں گر پڑا۔ کاوفا نے مجھے بہت تسلی دی۔ کہ اگر تم باہر چلو پھرو گے نہیں۔ تو تم بھلا ہو جاؤ گے میں نے اس کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور رات دن جھونپڑے کے اندر رہنے لگا۔ مگر بخار کم نہیں ہوا۔ پانچ ہفتے تک میری صحت بہت بری حالت میں رہی۔ بعض وقت میں جھونپڑے سے نکلکر باہر تازہ ہوا میں چند گھنٹے تک بیٹھ جایا کرتا بعض وقت اس قدر کمزور ہو جاتا۔ کہ چٹائی پر سے اٹھ نہ سکتا۔ میرے پاس کوئی آدمی سوائے میرے مربی کے کوئی نہ آتا۔ جب بارشیں ہو گئیں اور ملک خشک ہونے لگا۔ تو بخار ہٹ گیا۔ لیکن میرا جسم بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اور اٹھ کر کھڑا ہونا مشکل تھا بڑی مشکل سے چٹائی اٹھا کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا۔ جہاں کبھی کبھی ادھر ادھر کی جنبش ہوا آ جاتی۔ اور گرد کی سبزی دیکھ کر آنکھوں کو طراوت آتی

آخر کار میری صحت اچھی ہونے لگی۔ حبشیوں کے سادا عادات اور عام
دعا کی کتاب بھی فرحت کی موجب ہوئی۔

اسی اثنا میں کمالیہ کے بہت سے آدمیوں نے اپنا تمام روپیہ صرف کرڈالا
اور اپنی ضروریات کے واسطے کارفا کے دست نگر بن گئے۔ اور مجھ سے حسد کرنے
لگے۔ مجھے کارفا کی نظروں میں گرانے کے واسطے انہوں نے کئی مضحکہ خیز داستانیں
ایجاد کیں۔ دسمبر کے آغاز میں ایک شخص پانچ غلام لے کر سیگو سے آیا۔ اس
شخص نے بھی بہت سی معاندانہ باتیں میری نسبت کارفہ سے کہیں۔ مگر
اس نے ان کی ایک نہ سنی۔ اور مجھ پر برابر مہربان رہا۔ ایک روز میں سیگو
والے غلاموں سے باتیں کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے
کچھ مانگی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اجنبی ہوں۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے
اس نے جواب دیا "جب تم بھوکے تھے۔ تو میں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا
تھا۔ کیا تم بھول گئے۔ کادن کالا میں تم کو دودھ کس نے دیا تھا؟ لیکن اس
وقت میں پابزنجیر نہ تھا"۔ اس نے آہ بھری۔ مجھے فوراً یاد آیا۔ میں نے کارفہ
سے کہا۔ اس شخص نے مجھ پر ایک دفعہ مہربانی کی تھی۔ اُسے کچھ کھانے دیجیئے۔
دسمبر کے شروع میں کارفا غلاموں کی خریداری شروع کی۔ اس نے سب
لوگوں سے اپنا روپیہ لے لیا۔ جن کو اس نے قرض دے رکھا تھا۔ ۱۹۔ دسمبر
کو قصبہ کن کیا کیطرف روانہ ہوا۔ جو غلاموں کی بڑی منڈی ہے۔ اس قصبہ میں
جسقدر غلام فروخت ہوتے ہیں۔ وہ تمام بمبارہ سے آئے ہیں۔ مان سنگ
ہر قصبہ اور شہر میں چند غلاموں کو فروخت کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ سیگو میں سب
قیدیوں کو جمع نہیں رکھ سکتا۔ کن کیا میں بڑی کثرت سے غلام آتے ہیں۔
کارفہ جب اس قصبہ کیطرف ہوا۔ تو اس نے مجھ سے کہا۔ کہ ایک ماہ تک
واپس آؤنگا۔ اور مجھے ایک شخص کے سپرد کر دیا۔ جو اس قصبہ کے بچوں
کو پڑھایا کرتا تھا۔

بتیسویں فصل

حبشیوں کے دستور۔

جاتے اور آتے وقت میرا سفر ایک ایسے خطہ کے درمیان پڑا۔ جو بارہ اور بیندرہ
عرض بلا کے درمیان واقعہ ہے۔ بعض مقامات کی آب و ہوا سخت گرم تھی۔
مگر جسقدر گرمی بے نوم کے میں محسوس ہوتی۔ ویسی کہیں اور نہیں ہے۔
لیکن جہاں پہاڑیاں ہیں۔ وہاں کی آب و ہوا خنک ہے۔ لیکن جن اضلاع
سے مجھکو گزرنا پڑا۔ وہ ہرگز پہاڑی نہ تھے۔ جون کے وسط میں سخت گرم لوئیں
چلتی ہیں۔ بارش بھی ہوتی ہے۔ اور خوفناک طوفان رعد بھی آتے ہیں۔ یہ
طوفان برسات کا "پیش خیمہ" سمجھے جاتے ہیں۔ بارشیں ماہ نومبر تک ہوتی رہتی
ہیں۔ اس زمانہ میں ہر روز بارش ہو جاتی ہے۔ ہوا عموماً جنوب مغرب کیطرف سے
چلتی ہے۔ برسات کے اختتام پر بھی طوفان باد و باراں آتے ہیں۔ اس کے بعد
ہوا کا رخ بدل جاتا ہے۔ اور وہ سال بھر شمال و مشرق کی طرف سے چلتی رہتی
ہے۔ جب ہوا شمال مشرق سے چلتی ہے۔ تو ملک پر اسکا عجیب اثر ہوتا ہے۔ گھاس
جلدی خشک ہو کر مرجھا جاتی ہے۔ دریاؤں کے پاٹ تنگ ہو جاتے ہیں۔
درختوں کے پتے گر جاتے ہیں۔ سردی محسوس ہونے لگتی ہے۔ آسمان پر چھا
جاتی ہے۔ جس سے دھوپ ماند پڑ جاتی ہے۔ اور آفتاب کی روشنی پھیکی ہو
جاتی ہے۔ جب ہوا صحرا سے ہو کر آتی ہے۔ تو اس میں کسی قدر رطوبت آجاتی
ہے۔ جس چیز پر پڑتی ہے اسے جلی دیتا ہے۔ تاہم یہی ہوا یورپینوں کیواسطے
بہت مفید ہے۔ جن کی صحت اس ہوا کی روانگی میں عمدہ ہو جاتی ہے۔ جب
شمال مشرق سے ہوا چلنے لگی۔ تو میری صحت بحال ہونی شروع ہوئی۔ موسم برسات
میں ہوا سخت نمدار ہوتی ہے۔ جس سے کپڑے پہننے اور ہر ایک چیز بھیگ جاتی
ہے۔ ہر ایک آدمی بخارات کا غسل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر شمالی مشرقی خشک ہوا
جسم کو چستی چالاکی دیتی ہے [illegible] اور شگفتہ [illegible] کر دیتی ہے۔

ہمت اور پست حوصلہ بنا دیتی ہے۔ اس ہوا کا خراب اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ ہونٹ پھٹ جاتے ہیں۔ اور دیسیوں کی آنکھیں آجاتی ہیں۔

جب گھاس خشک ہو جاتی ہے۔ تو حبشی لوگ اسے آگ لگا دیتے ہیں۔ مگر لڈ امار اور مُوروں کے علاقوں میں گھاس نہیں جلائی جاتی۔ کیونکہ مواشی اسی گھاس پر موسم برسات تک بسر اوقات کرتے ہیں۔ مانڈنگ میں جب گھاس کو آگ لگائی جاتی ہے۔ تو ایک بڑا شاندار منظر پیش کرتی ہے۔ رات کے وقت جہاں تک نظر کام کر سکتی ہے۔ میدانوں اور پہاڑوں پر آگ کے خوبصورت شعلے اٹھتے نظر آتے ہیں جب ان کا عکس آسمان پر پڑتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا آسمان میں آگ لگی ہوئی ہے۔ دن کے وقت ہر جگہ دھوئیں کے ستون نظر آتے ہیں۔ شکاری پرندے آگ کے شعلوں کے اوپر اڑتے اور منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ جب کوئی سانپ گرگٹ یا چھپکلی آگ سے بچنے کے لئے نکلا چاہتی ہے۔ تو پرندہ جھپٹ مار کر اسے لے اڑتا ہے۔ جب گھاس جل جاتی ہے۔ تو اس کے بعد سبزہ زار نکلتا ہے۔ جس سے ملک شاداب اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔

سبزی ترکاریوں کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اور تمام ملک میں ایک ہی قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کئی ترکاریاں جو جزائر غرب الہند میں پیدا ہوتی ہیں وہ اس علاقہ میں بھی آگئی ہیں۔ لیکن رکیہ۔ قہوہ۔ اور ناریل کہیں دیکھنے میں نہیں آئے۔ اور دریافت کرنے سے معلوم نہیں ہوا۔ سیتا پھل اور دوسری قسم کے ہزاروں پھل اور میوے جن کو مہذب انسان اپنے کھانے کے واسطے بوتا ہے۔ افریقہ کے اس حصہ میں بالکل نہیں پائے جاتے۔ میں نے گیمبیا کر وہاں کے پاس بہت سے رنگترے اور کیلے دیکھے ہیں۔ میں نہیں کہ سکتا۔ آیا گوروں نے ان میووں کو لاکر وہاں بویا تھا۔ یا مدت سے وہیں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ میرا گمان ہے کہ اہل پرتگال نے ان کو وہاں سے جا کر بویا ہوگا۔

زمین کی بابت یہ ہے۔ کہ تمام جنگلات اور اراضیات بادشاہ کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔ یا جمہور کے۔ جب کوئی شخص زیادہ زمین کاشت کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے ضلع کے افسر سے درخواست کرنی پڑتی ہے۔ اور اسے اس شرط

یہ خاص قطعۂ اراضی دیا جاتا ہے کہ وہ ایک مقررہ میعاد کے اندر اندر اسے
کاشت کرے۔ اگر ایسا نہ کرے تو زمین چھین لی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ اسے کاشت
کرے۔ تو کل زمین اسی کی ہو جاتی ہے۔ اور بعد ازاں پشت در پشت اسی کے
خاندان میں رہتی ہے۔

جن علاقوں کی میں نے سیر کی۔ اُن کی آبادی باعتبار وسیع رقبہ کے تھوڑی
ہے۔ میں نے بہت سے سرسبز اضلاع کو دیکھا۔ کہ کوسوں تک آدمزاد کا نام نہیں
پایا جاتا۔ بعض بادشاہوں کے حدود پہ یا تو بہت کم آبادی تھی یا بالکل نہ تھی
بعض مقامات کی آب و ہوا بہت خراب ہے جس کی وجہ سے آبادی شاداب
نہیں پاتی۔ گیمبیا اور سینیگال کے کناروں پر ولالیں میں اور دریاؤں
...... کی بھی یہی کیفیت ہے۔ شاید اس وجہ سے ملک کا اندرونی حصہ بہت آباد
ہے۔ اور ساحلوں کے قریب بہت کم آبادی ہے۔ تمام حبشی قومیں تقریباً ایک جیسی
دیکھنے میں آئیں۔ گو اُن کی ریاستیں آزاد اور ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں
مگر ان کے عادات۔ طریق معاشرت۔ اور طبائع ایک دوسرے سے بہت ملتے
جلتے ہیں۔ اہل ماندنگو بہت بھلے آدمی ہوتے ہیں۔ خوش طبع دریافت کرنے
کے شائق۔ ضعیف الاعتقاد۔ سادہ لوح۔ اور خوشامد کے دلدادہ ہوتے ہیں۔
ان کے چال چلن ایک سخت بڑا نقص یہ ہے۔ کہ وہ میری تمام چیزیں چرا کر لے
گئے۔ اس کے واسطے ان کو کوئی آدمی اچھا نہیں کہ سکتا۔ کیونکہ چوری ان کے خیال
کے مطابق بہت بری بات ہے۔ لیکن یہ بات عجیب ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے
کی چیزیں بہت کم چراتے ہیں۔

برعکس اس کے میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ گو وہ چور اور میری تمام چیزیں
سو لوٹنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور کئی دفعہ میرا تمام سامان لوٹ لیا گیا۔ مگر
بہت سے آدمیوں نے جنہیں شاہ سیگو سے لے کر ہر مقام کی غریب عورتیں
بھی شامل ہیں۔ میرے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔ جہاں انہوں نے ہر قسم کی امداد دی
جب بھوکا تھا۔ تو کھانے کی چیزیں دیں۔ بیمار تھا تکالیف میں میرے ساتھ ہمدردی
کی۔ دکھ بیماری کے وقت دست گیری کی۔ اور مجھے ہر طرح سے مہربانی ظاہر

کی۔ میں ان باتوں کا شکریہ کے ساتھ اس لئے ذکر کرتا ہوں۔ کہ اس
قوم کی عورتوں نے میرے ساتھ نیک برتاؤ کیا۔ مرد بھی دوستانہ سلوک
کرتے رہے۔ مگر بعض وقت انہوں نے دشمنوں کا سلوک بھی روا رکھا
اور اس کا تعلق زیادہ تر لوگوں کے مختلف طبایع کے مطابق تھا۔ بعض حریص
تھے اور بعض متعصب۔ اور ہر قسم کے انسانی ہمدردی کے احساس سے
معرا بھی پائے گئے۔ لیکن عورتوں نے کسی جگہ بھی مجھ سے برا برتاؤ نہیں کیا۔ میں نے
ہر جگہ اور ہر حالت میں عورتوں کو دیکھا۔ کہ وہ ہمدردی اور رحم سے پیش آتی
ہیں۔ اور میں مسٹر لڈیارڈ اپنے پیشرو کی ہمزبان ہو کر کہہ سکتا ہوں۔ جہاں
کہیں عورتوں سے دوستانہ اور شائستہ طور پر سوال کیا۔ انہوں نے ہمیشہ اچھا
اور دلپذیر جواب دیا۔ جس وقت میں بھوکا۔ پیاسا۔ بیمار یا تکلیف میں ہوتا۔
تو عورتیں بلا پس و پیش فیاضانہ اور نیک سلوک کرتیں۔ وہ ایسی نیکدلی اور
ہمدردی سے میرے ساتھ پیش آتیں۔ کہ اگر میں پیاسا ہوتا۔ تو بڑی خوشی سے
زیادہ پانی پی جاتا اور اگر بھوکا ہوتا۔ تو روکھی سوکھی روٹی بڑی رغبت سے کھا جاتا
ہم اس سے قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ جس ہمدردی اور مروت سے یہ لوگ طبعاً
مجھ سے پیش آتے اور دکھ تکلیف کے وقت میری امداد کرتے۔ اس سے کہیں
زیادہ محبت اور مہربانی اپنی قوم۔ اپنے فرقہ۔ اپنے گاؤں اور اپنے عزیزوں
رشتہ داروں سے ظاہر کرتے ہوں گے۔ محبت مادری ہر جگہ نمایاں ہے۔ یہ
بچے بھی اپنی ماؤں کو بہت ہی عزیز رکھتے ہیں۔ اس کی ایک نظیر یہ ہے۔ کہ میں
نے ایک مرتبہ اپنے خادم کو کسی بات پر کچھ برا بھلا کہا۔ "مجھے آپ پیٹ لیجئے
مگر میری والدہ پر لعنت مت بھیجئے"۔ میں نے افریقہ کے بہت سے حصوں
میں یہی بات دیکھی۔ اور اسی قسم کا خیال ظاہر کیا گیا۔ اگر کسی حبشی کو سب سے
زیادہ لعنت ملامت کرنا چاہو۔ تو اسکے سامنے اسکی ماں کی برائی کرو۔

یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ کہ حبشی لوگ اپنے باپ سے اسقدر
محبت نہیں رکھتے۔ جسقدر اپنی والدہ سے رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کثرت
الازدواج کا رواج ہے۔ ایک شخص کی کئی بیویاں ہوتی ہیں۔ اسلئے اسکی

محبت بٹ جاتی ہے - مگر ماں اپنے بچے کی نہایت پیار اور محبت سے پرورش کرتی ہے - میں نے اکثر دیکھا ہے - کہ ماں اپنے بچہ کی نہ صرف جسمانی تربیت ہی کرتی ہے - بلکہ اس کے نفس کی تعلیم بھی کرتی ہے - مانڈنگو کی عورتیں اپنے بچوں کو سب سے پہلے راست شعاری اور راست گفتاری کا سبق سکھاتی ہیں - ناظرین کو اس عورت کی بابت یاد ہوگا - جسکے بیٹے نے فننگ کیڈی میں قتل کر دیا تھا - اس بدنصیب عورت کو اس بات کی تسلی تھی - کہ اس بیچارے لڑکے نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا - اسکی اس بات کے ارد گرد لوگوں پر جو اسکے پاس جمع ہو گئے تھے - بہت گہرا اثر ہوا ہوگا - اس سے مقتول کی تعریف دی گئی - اور زندہ نو عمروں کو ایک عمدہ سبق دیا گیا - جب تک بچے چلنے کے قابل نہیں ہو جاتے - حبشی عورتیں ان کو اپنی چھاتیوں سے دودھ پلاتی ہیں تین برس تک لگاتار دودھ پلانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے - اس زمانہ میں خاوند اپنی دوسری بیویوں کی خاطر داری میں لگا رہتا ہے - میں خیال کرتا ہوں - اسی وجہ سے ایک بیوی کے زیادہ بچے نہیں ہوتے - کسی عورت کے پانچ چھ بچوں سے زیادہ نہیں ہوتے - جس وقت کوئی بچہ چلنے کے قابل ہو جاتا ہے - تو اسے آزادی سے بھاگنے دوڑنے کی اجازت دے دی جاتی ہے - ماں اسے معمولی طور پر گر پڑنے سے نہیں روکتی - تھوڑی دیر تک سکھانے سے بچہ خود بخود چلنے اور دوڑنے کے قابل ہو جاتا ہے - اور تجربہ و مشق سے بچہ زیادہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے - لڑکیاں جب بڑی ہو جاتی ہیں - تو ان کو چرخہ کاتنے کا ہنر سکھایا جاتا ہے - اناج نکالنا اور گھر کا کاروبار سکھایا جاتا ہے - لڑکے کھیتوں میں کاشتکاری کا کام کرتے اور سیکھتے ہیں - جب سن بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں - خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں - انکا ختنہ کیا جاتا ہے - کافر اسے مذہبی خیال سے نہیں - بلکہ اپنے ہی فائدہ کی غرض سے کرتے ہیں - ان کے درمیان یہ غلط خیال پھیلا ہوا ہے - ختنہ کرنے سے شادی کی حالت میں بہت سے بچے پیدا ہوتے ہیں - اور گھر میں خوشحالی کا دور دورہ رہتا ہے - ایک ہی ساتھ بہت سے نو عمر لڑکوں کا ختنہ کیا جاتا ہے - ان کو دو ماہ تک کسی قسم کا کام نہیں کرنا پڑتا - اس عرصہ میں وہ اپنی انجمن بنا لیتے ہیں - جیسے وہ

سوبلی منہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرب وجوار کے دیہات اور قصبات میں جا کر گاتے اور ناچتے ہیں۔ ہر جگہ ان کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جاتا ہے۔ میں نے اپنے سفر کے دوران میں اس قسم کی ٹولیاں دیکھی ہیں۔ مگر ان میں مرد ہی مرد تھے۔ لڑکی کوئی نہیں تھی۔ مگر کمالیہ میں ایک لڑکیوں کی ٹولی دیکھی تھی ایسی دورہ میں بعض وقت نوجوان عورتوں اور مردوں کی شادیاں ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی نوجوان کسی لڑکی کو پسند کر لیتا ہے۔ تو اس کے واسطے ضروری نہیں۔ کہ وہ لڑکی سے درخواست کریں سب سے ضروری بات ہے۔ کہ لڑکی کے والدین سے معاوضہ کا فیصلہ کر لیا جاوے۔ دو غلاموں کی قیمت ایک لڑکی کا معاوضہ سمجھی جاتی ہے لیکن اگر لڑکی خوبصورت ہو۔ تو والدین معاوضہ زیادہ مانگتے ہیں۔ اگر شادی کا خواستگار دولت مند آدمی ہو۔ اور وہ مطلوبہ قیمت ادا کر سکتا ہو۔ تو وہ لڑکی سے اپنی خواہش ظاہر کر دیتا ہے۔ مگر لڑکی رضامندی ضروری نہیں۔ اگر والدین رضامند ہوں۔ تو شادی کر دی جاتی ہے۔ لیکن اگر لڑکی انکار کر دے۔ تو بعد ازاں کسی دوسرے سے اسکی شادی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر والدین اپنی لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرنا چاہیں۔ تو ملک کے قوانین کے رو سے شادی کے خواہشمند آدمی کا اختیار ہے۔ کہ وہ لڑکی کو غلام سمجھ کر اپنے گھر لے جائے۔ شادی کے روز چند آدمی بلائے جاتے ہیں۔ ایک بکرا یا بیل اسموقعہ پر قتل کیا جاتا ہے۔ اور بہت سی اچھی اچھی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ جب اندھیرا ہو جاتا ہے۔ تو دولہن ایک جھونپڑہ میں جاتی ہے۔ وہاں چند عورتیں اسے شادی کا جوڑا پہنایا جاتا ہے۔ جو عموماً سفید ہوتا ہے۔ اور اتنا لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ کہ دولہن سر سے پاؤں تک اس میں ڈھنپ جاتی ہے۔ اس کے بعد اُسے ایک چٹائی پر بیٹھایا جاتا ہے۔ بوڑھی عورتیں اس کے اردگرد حلقہ بنا لیتی ہیں۔ اور اسے کئی قسم کی نصیحت اور تلقین کرتی ہیں۔ جس سے آئندہ زندگی کی روش میں بہت مدد دینا مقصود ہوتا ہے۔ نوجوان لڑکیاں جو زیادہ خوش طبع اور شوخ ہوتی ہیں۔ اپنے گانے سے لوگوں کا دل بہلاتی ہیں۔ اور بوڑھی عورتوں کے کام میں خلل انداز ہو جاتی ہیں۔ دولہا مہمانوں کی خاطر داری کرتا ہے چھوٹی موٹی کھانے کی چیزیں تقسیم کرتا ہے۔ اور حاضرین کو ہر طرح سے محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہے

جب کھانے کا کام تمام ہو چکتا ہے۔ تو لوگ ناچنا اور گانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور صبح تک برابر دھما چوکڑی اور دھوم دھڑکا رہتا ہے۔ آدھی رات کے وقت عورتیں دولہن کو چپکے سے جھونپڑے میں لے جاتی ہیں۔ اور دولہا اشارہ پاکر اسی جھونپڑی میں جا پہنچتا ہے۔ حبشی خواہ مسلمان ہوں یا بت پرست۔ کثرت ازدواج کے شایق ہیں۔ حبشی مسلمان صرف چار بیویاں کرتے ہیں۔ ہر ایک بیوی کے لئے بہت زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے۔ خاوند ہر ایک بیوی سے کمال درجہ کی توقیر اور فرمانبرداری کا متوقع رہتا ہے۔ اور ان کے ساتھ خادمان بامشاہرہ کا سلوک کرتا ہے۔ ہر ایک بیوی باری باری سے گھر کا کام کرتی ہے۔ کھانا تیار کرتی اور غلام عورتوں کی نگرانی کرتی ہے۔ گو افریقہ کے وحشی خاوندوں کو اپنی بیویوں پر بہت اختیار حاصل ہے مگر میں نے ان کو اپنی بیویوں پر ظلم کرتے نہیں دیکھا۔ اور نہ ان کی فطرت میں وہ حسد ہوتا ہے جو مہذب ہوروں میں پایا جاتا ہے۔ انکی بیویاں ہر قسم کے تفریحی کھیلوں میں شریک ہوتی ہیں۔ مگر عورتیں اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتیں۔ کیونکہ حبشی عورتیں گو خوش طبع اور بے تکلف ہوتی ہیں۔ مگر وہ کسی غیر آدمی سے ناواجب تعلق نہیں پیدا کرتیں۔ بیوفائی کی مثالیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ بعض وقت سوتوں میں لڑائی جھگڑا ہو جاتا ہے (جو ایک فطرتی امر ہے) تو خاوند ہمیشہ انکا تصفیہ کرتا ہے۔ اور بعض وقت کسی بیوی کو پیٹ بھی ڈالتا ہے۔ لیکن اگر کوئی عورت شہر کے حاکم سے شکایت کرے۔ کہ خاوند نے بلا وجہ اسکے ساتھ سختی کی۔ اور دوسری بیوی کی رعایت تو معاملہ کا فیصلہ عام عدالت میں کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے جھگڑوں کا فیصلہ ہمیشہ متاہل آدمی کرتے ہیں۔ بیوی کی شکایت کی زیادہ پرواہ نہیں کیجاتی۔ بلکہ بعض وقت مدعیہ پر جھگڑے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اگر وہ عدالت میں شکوہ کرے تو ممبو جمبو کا طلسمی ڈنڈا تمام جھگڑے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

اہل مینڈنگو اپنے بچوں کو اپنے عزیزوں کے نام نہیں دیتے۔ بلکہ اکثر دفعہ کسی مشہور واقعہ کا نام دیا جاتا ہے۔ کہ الیسے پیشل کا نام کارفہ تھا۔ جسکے معنی عوضی۔ کیونکہ وہ اپنے بھائیوں کے جو تمام مر گئے تھے۔ بعد میں پیدا ہوا تھا۔ بعض نام اچھے یا برے صفات ظاہر کرنے کے واسطے رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً

مودی۔ "اچھا آدمی"۔ "ھیدیا"۔ بید قصبہ۔ قصبوں کے نام بھی اسی قسم کے نام بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً سبی ڈوڈو۔ ربیوآ۔ "درختوں کا شہر"۔ بعض نام لعنت یا تنفر کے ظاہر کرنے کے واسطے دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً تباکو "تیچھے گھریاں کہا جائے"۔

جب بچہ سات یا آٹھ روز کا ہو جاتا ہے۔ تو اسکا نام رکھا جاتا ہے۔ نام کرن کی رسم کے وقت بچہ کا سر مونڈا جاتا ہے۔ اور مہمانوں کے واسطے ترش دودھ اور دلیئے کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اگر والدین آسودہ حال ہوں۔ تو بھیڑ یا بکری بھی ذبح کی جاتی ہے۔ جب میں کمالیہ میں تھا۔ تو مجھے اس قسم کی چار دعوتوں میں شریک ہونا پڑا۔ اور ہر جگہ ایک ہی رسم روا ہوئی۔ مدرسہ کا استاد ایسے موقعوں پر پروہت کے فرائض انجام دیتا ہے وہ ایک لمبی دعا مانگتا ہے۔ اور بار بار خدا سے درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ حاضرین اور بچہ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اس کے بعد وہ بچہ کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ اور تین مرتبہ اسکے منہ پر تھوکتا ہے۔ بعد ازاں اسکا نام لیکر زور سے پکارتا ہے۔ اور اسے اس کی ماں کے حوالہ کر دیتا ہے۔ جب یہ رسم ختم ہو جاتی ہے۔ تو بچہ کا باپ مہمانوں کو دیگ سے نکالکر اور گولے بنا کر کھیر کھانے کو دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے۔ آیا شہر میں کوئی آدمی بیمار تو نہیں ہے۔ اگر ہو۔ تو اسے بھی دیگ میں سے کچھ دیا جاتا ہے۔ جس سے بقول ان کے تمام مریض بیچ جاتے ہیں:۔

ہر ایک حبشی کے نام کے ساتھ ایک ایسا نام بھی ہوتا ہے۔ جس سے اسکا قبیلہ یا خاندان معلوم ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بعض قبائل بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ ان کو کان ٹونگ کہتے ہیں۔ اس ملک میں اس قسم کے قبیلے بہت ہیں۔ سیاح کو ان سے واقف ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ ہر ایک حبشی اپنے قبیلہ کی قدامت اور اہمیت پر بہت فخر کرتا ہے۔ اور گفتگو کے وقت اسے اجنبی سیاح با آسانی بنا سکتا ہے۔

جب حبشی لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔ "انا وری امی ننگ سینی"۔ وغیرہ آداب ہے۔ جسکے معنی قریب قریب "آپ اچھے ہیں؟" صبح کے وقت سلام کہنے کا اور لفظ ہے۔ جسکے معنی "کدھ نا ر ننگ" کے ہیں۔

اس کے جواب میں سلام کرنے والے کے خاندان یا قبیلہ کا نام لیا جاتا ہے۔ یا صرف آداب کہا جاتا ہے۔ مگر "مرحبا"

اکیسویں فصل

اہل ماندنگو کے مصنوعات اور مذہبی عقاید

اہل ماندنگو اور حبشی لوگ عموماً وقت تقسیم کرنیکے طریقہ سے ناآشنا ہیں ان کے ہاں سالوں کا حساب موسم برسات کے ہوتا ہے۔ سال کے حصے چاند کے حساب سے۔ اور دنوں کا حساب سورج سے کیا جاتا ہے۔ دن کے تین حصے۔ صبح۔ دوپہر۔ اور شام ہیں۔ میں نے اکثر دفعہ انسے پوچھا کہ رات کے وقت آفتاب کو کیا ہوجاتا ہے۔ آیا کل ہم وہی سورج دیکھیں گے یا دوسرا؟ وہ ان سوالوں کو بہت طفلانہ سمجھا کرتے تھے۔

ان کے نزدیک یہ سوال انسان کی طاقت سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ اور اس پر نہ تو کبھی انہوں نے غور کیا۔ اور نہ کوئی قیاس قائم کیا۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی طرف ان کی توجہ اکثر مصروف رہتی ہے۔ جب نیا چاند نکلتا ہے۔ تو وہ اسے بالکل نوساختہ خیال کرتے ہیں۔ مسلمان اور بت پرست دیسی باشندے چھوٹی سی دعا پڑھتے ہیں۔ کافروں کے گھر بھی عبادت ہے جو وہ بہت مطابق کی کرتے ہیں۔ وہ عبادت خاموشی سے پڑھائی جاتی ہے لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہیں۔ میں نے جب انسے اس دعا کا مطلب پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ہم سابق چاند کے واسطے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور نئے چاند کے واسطے اسکی برکت چاہتے ہیں۔ اسکے خاتمہ پر وہ اپنے ہاتھوں پر تھوکتے ہیں۔ اور پھر اسے چہرہ پر لگا لیتے ہیں۔ اسی طرح رسم حضرت ایوب کے زمانہ کے بت پرست لوگ بھی کیا کرتے تھے۔

چاند کے تغیر و تبدل کی بابت بہت خیال کیا جاتا ہے۔ مہینے کے آخر میں جب چاند کا صرف ایک چوتھائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ سفر یا کوئی اور اہم کام

کرنا منحوس خیال کیا جاتا ہے

گہن کی بابت خواہ وہ چاند کا ہو یا سورج کا ہو۔ انکا یہ خیال ہے۔ کہ
جادوگروں کے سحر اور افسوں سے واقع ہے۔ تاروں کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا
نجوم کا مطالعہ ان کے نزدیک ایک بہت ہی فضول کام ہے۔ جسمیں صرف
وہی لوگ دلچسپی لیتے ہیں جو جادوگری میں کمال پیدا کرنے کے درپے ہوں

علم جغرافیہ کی بابت انکا خیال بالکل بچوں کا سا ہے۔ وہ دنیا کو
ایک بہت ہی وسیع خطہ خیال کرتے ہیں۔ اس کا آخری سرا کسی نے
نہیں دیکھا ہے۔ کیونکہ اسکی انتہائی کناروں پر بادل اور تاریکی چھائی رہتی
ہے۔ وہ سمندر کو کھاری پانی کا ایک بہت ہی بڑا دریا خیال کرتے ہیں جسکے
دوسرے کنارے پر گوروں کا ملک سمجھا جاتا ہے۔ اس سے آگے ایک ملک
بتاتے ہیں جس کے باشندے بڑے بڑے مردم خوار دیو ہیں۔ وہ اُسے
جونگ سانگ ٹو (غلاموں کے فروخت کرنیکا ملک) کے نام سے پکارتے
ہیں۔ وہ لوگ اپنے ملک کو دنیا کے تمام ملکوں سے اعلیٰ اور زرخیز ترین اور
اپنے ہم وطنوں کو سب سے زیادہ خوشحال سمجھتے ہیں۔ وہ دیگر اقوام پر رحم
کھایا کرتے ہیں۔ کہ خدا نے ان کو کم زرخیز اور اجاڑ ملکوں میں پیدا کیا ہے۔ حبشیوں کے
کے خیالات جنہیں ضعیف الاعتقادی اور توہمات بھی مخلوط ہیں قابل غور
ہیں۔ میں نے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لوگوں سے مذہب کی بابت گفتگو کی
اور ان کے عقیدہ کی بابت دریافت کیا۔ اس لئے میں بلا تذبذب کہہ
سکتا ہوں کہ وہ ایک واحد خدا کے ماننے والے ہیں۔ اور سزا و جزا
کے بھی قائل ہیں۔ بت پرست دیسی باشندے نیا چاند نکلنے کے موقعہ پر خدا
سے دعا کرنا اسکا شکریہ ادا کرنا ضروری نہیں خیال کرتے۔ وہ ایک ہستی
سے جو خالق اور محافظ ہے دعا کرتے ہیں۔ لیکن وہ اسے ایسا پاک اور
اعلیٰ ترین خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ ناچیز و فانی انسان کی دعا کی پرواہ مطلق
نہیں کرتا۔ اور نہ اپنے ارادوں کو بدلتا ہے۔ جب انسے سوال کیا گیا۔ کہ نئے
چاند کے موقعہ پر کون دعا کیجاتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ایک اور رواج قائم ہو گیا ہے

ان کے باپ دادے کیا کرتے تھے۔ اسلئے وہ بھی اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں
جب الشبان مدد الہی سے محروم ہو تو اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسی
کہ اہل ماند ٹنگو اور حبشیوں کی! وہ خیال کرتے ہیں کہ اس دنیا کے معاملات
کی نگرانی خدا نے چند روحوں کے ہاتھ میں سونپ رکھی ہے۔ جو اس کے ماتحت
کام کرتے ہیں۔ اور ان کے اوپر سحر اور افسون کا اثر بھی مانا جاتا ہے۔ سفید مرغی
بعض درختوں سے باندھی جاتی ہے۔ یا سانپ کا سر اور رکبہ میوے ان روحوں
کی نذر کئے جاتے ہیں۔ جس سے وہ خوش ہو کر ان کو کسی قسم کی تکلیف
نہیں دیتے ہیں۔ بسا اوقات حبشی لوگ اپنی بات چیت کا مبحث دینیات
کو بناتے ہیں۔ جب ان سے آیندہ کی حالت کی بابت پوچھا جائے۔ تو
وہ لوگ بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ اس کا جواب دیتے ہیں۔ جو بہت مختصر
سا ہوتا ہے۔ "آیندہ کی بابت کوئی نہیں جانتا!" وہ کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے یہی
کافی ہے۔ کہ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلیں۔ اور ان کے مقرر کردہ اصولوں
اور دستوروں کی پیروی کریں۔ جب ان کو کسی قسم کی تکلیف برداشت
کرنی پڑتی ہے۔ تو وہ دوسری دنیا کی طرف دیکھتے ہیں۔ جہاں وہ خود کو ہر قسم
کے دکھ سے بری خیال کرتے ہیں۔ مگر وہ فضول امیدیں نہیں لگاتے۔

اہل ماند ٹنگو شاذ ہی بڑی عمر کو پہنچتے ہیں۔ چالیس برس کی عمر
میں بال سفید ہو جاتے ہیں۔ چہرہ پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ بہت تھوڑے
آدمی پچپن اور ساٹھ برس تک جیتے ہیں۔ ان کا سالوں کا شمار صرف موسم
برسات سے کیا جاتا ہے۔ جو صرف سال میں ایک ہی مرتبہ واقعہ ہوتا ہے۔ ہر
ایک سال کا نام کسی خاص واقعہ سے مشہور ہوتا ہے۔ جو اسکے دوران میں واقع
ہو۔ مثلاً۔ فارہتا کی جنگ کا سال۔ جنگ کارٹہ کا سال۔ وہ سال جب
گاڈو لوٹا گیا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے۔ کہ ۱۷۹۶ء اس وجہ سے یاد رہیگا۔ کہ
ہمارے ملک کے درمیان سے ایک گورا گزرا۔

گو طوالت عمر ان کے درمیان بہت ہی کم ہوتی ہے۔ لیکن بیماریاں
بہت تھوڑی ہوتی ہیں۔ انکی مصروفیت اور محنت کی زندگی اور ان کو

ان امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ جو سست الوجود اور عیش پسند مزاج لوگوں کو لاحق ہو جاتے ہیں۔ بخار اور جریان ان کے درمیان عام ہوتے ہیں۔ مگر بہت خوفناک بھی ہوتے ہیں۔ اسکے انسداد کے واسطے وہ اپنے جسم پر کئی قسم کی جڑی بوٹیاں ملتے ہیں۔ اور سحر افسوں کرتے ہیں۔ جس سے مریض کو اپنی صحت یابی کا یقین ہو جاتا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے۔ کہ وہ باقاعدہ علاج بھی کرتے ہیں جب کسی آدمی کو بخار ہو جاتا ہے۔ اور وہ دوسرے کی شکایت کرتا ہے۔ تو اسے بخارات کا غسل دیا جاتا ہے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ دہکتے کوئلوں پر ایک درخت کی شاخیں اور پتے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس کے اوپر مریض کو لٹا دیا جاتا ہے اور اسے روئی کے موٹے کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد شاخوں پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔ جو کوئلوں پر پہنچ کر بخارات کا بادل پیدا کر دیتا ہے۔ مریض کو وہاں رکھا جاتا ہے۔ جب تک کہ کوئلے بالکل بجھ نہیں جاتے۔ اس سے مریض کو پسینہ خوب آجاتا ہے۔ اور وہ تندرست ہو جاتا ہے۔ اسہال کے علاج کے واسطے مختلف درختوں کی چھال استعمال کی جاتی ہے۔ جو کہ انہیں ڈال کر دی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ حبشیوں میں چند بیماریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جنہیں سخت بری قسم کا مرض جذام بھی شامل ہے۔ جب اس مرض کا آغاز ہو جاتا ہے۔ تو جسم کے مختلف حصوں پر پپڑیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو آخر کار ہوتے ہوتے ہاتھوں اور پاؤں پر بھی جم جاتی ہیں۔ جلد خشک اور مردہ ہو جاتی ہے۔ اور بعد ازاں پھٹ جاتی ہے انگلیوں کے کناروں پر سوزش ہو جاتی ہے۔ اور وہاں ناسور ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے مواد نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ناخن گر جاتے ہیں۔ انگلیوں کی ہڈیاں سڑ جاتی ہیں۔ اور جوڑوں پر سے گر جاتی ہیں۔ مرض برابر پھیلتا جاتا ہے۔ آخر کار انگلیاں بالکل جھڑ جاتی ہیں۔ پاؤں کے انگوٹھے بھی گر پڑتے ہیں۔ بلکہ بعض وقت ہاتھ اور پاؤں بھی گر جاتے ہیں۔ حبشی لاعلاج مرض کہکر پکارتے ہیں۔ بعض مقامات میں کیچوے کی بیماری بھی پائی جاتی ہے۔ خاصکر موسم برسات میں اسکا زیادہ زور ہوتا ہے۔ حبشی اسے خراب پانی

سے انسان کے دل میں نمک کی ایک ایسی زبردست خواہش پیدا ہوجاتی ہے۔
جسے کوئی زبان بیان نہیں کرسکتی ؛۔

ساحل سمندر کے قریب رہنے والے گوربے حبشیوں کو عموماً اور اہل مانڈنگو کو عموماً ! کاہل سمجھتے ہیں۔ لیکن انکا یہ خیال غلط ہے۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ آب وہوا مستعدی اور تندہی کے سخت خلاف ہے۔ لیکن جو لوگ ہی ضروریات اپنی محنت سے بہم پہونچاتے ہیں۔ ان کو سست کہنا بجا نہیں۔ حسب ضرورت اہل مانڈنگو سے زیادہ کوئی قوم محنت کش نہیں ہوگی۔ وہ صرف اسقدر زمین کاشت کرتے ہیں۔ جو ان کی ضروریات کے واسطے کافی ہو۔ موسم برسات میں کاشت کاری کا کام ان کو خوب مصروف رکھتا ہے۔ اور دوسرے موسموں میں دریاؤں کے کناروں پر لوگ مچھلیاں پکڑنے میں مشغول دیکھے جاتے ہیں۔ جال یا ٹوکری سے کام لیتے ہیں۔ مچھلیوں کو دھوپ میں سکھا کر ان کے اوپر ایک قسم کا مکھن لگا دیتے ہیں۔ جس سے وہ خراب ہونے نہیں پاتیں۔ بعض لوگ شکار کھیلتے رہتے ہیں۔ ان کے ہتھیار تیر کمان ہوتے ہیں۔ لیکن روزمرہ کے استعمال کے تیروں کے سرے زہرآلودہ نہیں ہوتے۔ حبشی لوگ بڑے کاردانداز ہوتے ہیں۔ وہ بہت بڑے فاصلہ سے چھوٹے پرندوں کو نشانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ چینی بطخوں۔ تیتروں اور کبوتروں کو مار لیتے ہیں۔ مگر اڑتے پرندے کو نہیں مار سکتے۔ مرد اس قسم کے مشاغل میں لگے رہتے ہیں۔ اور عورتیں سوت کات کر کپڑے بناتی ہیں۔ چرخے سے سوت کاتنے کا کام لیا جاتا ہے۔ مگر تاگا باریک نہیں ہوتا۔ مگر کپڑا مضبوط ہوتا ہے۔ ایک ہوشیار عورت سال بھر میں آٹھ نو جوڑے کپڑوں کا سوت تیار کر لیتی ہے۔ کپڑا بننے کا کام عموماً مرد کرتے ہیں۔ تانا بانا اور کرگھے یورپین اصول پر بنے ہوتے ہیں۔ مگر کپڑا کا عرض بمشکل چار انچ ہوتا ہے۔ نال بہت سادہ ہوتی ہے۔

عورتیں ایک سادہ طریقہ سے کپڑے کو رنگ کر نیلا بنا لیتی ہیں۔ جو حسب ذیل ہے۔ نیل کے ہرے پتے ایک اوکھلی میں پیٹ کر لئے جاتے ہیں۔ پھر ان کو ایک برتن میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اسکے اوپر لکڑی کی راکھ کی ایک تہ چڑھا دی جاتی ہے۔ کپڑا اس کے اندر ڈالدیا جاتا ہے۔ جب تک کہ خوب گہرا رنگ نہ آجائے

اس کے اندر پڑا رہتا ہے۔ کاڈنہ۔ اور سودا میں نیل کے پودے بکثرت نہیں ہوتے۔ لوگ پتوں کو دھوپ میں سکھا لیتے ہیں۔ جب کپڑا رنگنے کی حاجت ہوتی ہے تو پتوں کو پیس کر راکھ میں ملا دیا جاتا ہے۔ جس سے کپڑے پر بہت خوبصورت رنگ چڑھ جاتا ہے۔ جو ہندوستانی یا یورپین نیلے رنگ کا مقابلہ کرتا ہے۔ رنگے ہوئے کپڑے کو کاٹ کر کئی قسم کے کپڑے بنائے جاتے ہیں۔

کپڑا بننے قطع کرنے رنگنے سینے کا کام بہت آسان ہے۔ ہر ایک آدمی اپنی ضرورت کے مطابق کر سکتا ہے۔ اسلئے افریقہ میں کوئی خاص گروہ اس پیشے کا نہیں پایا جاتا۔ مگر ہاں لوہاروں اور چمڑے کا کام کرنے والوں کی حبشی لوگ بہت قدر کرتے ہیں۔ اور اس پیشہ کے دو گروہ موجود ہیں۔ چمڑے کا کام کرنے والے ہر شہر اور قصبہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ اکثر تجارت میں بھی مصروف دیکھے جاتے ہیں۔ وہ بڑی عجلت سے چمڑا کا کر فروخت کرتے ہیں۔ کھال کو پہلے پانی میں بھیگی ہوئی راکھ میں بھگو دیتے ہیں۔ جس سے بال الگ ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں ایک درخت کے پتے کوٹ کر پانی میں ملائے جاتے ہیں۔ اور چمڑے کو اس میں ڈال دیتے ہیں۔ اور بڑی محنت سے اسے ملائم بناتے ہیں۔ بیلوں کے چمڑے کے زیادہ تسمہ دار جوتے بناتے ہیں۔ اسلئے اسے کمانے کی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی۔ لیکن بھیڑوں اور بکریوں کے چمڑے پر زیادہ محنت اور وقت صرف کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ترکش بنائے جاتے ہیں۔ تلواروں اور چھریوں کے نیام۔ کمر بند۔ اور بیگ بنائے جاتے ہیں۔ بھیڑوں بکریوں کے چمڑے عموماً سرخ یا زرد رنگے جاتے ہیں۔

لوہے کا کام کرنیوالے لوگ بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ وہ بھی اپنے فن میں بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ یورپین تاجروں سے حبشی لوگ ساحل سمندر پر جاکر لوہا لے آتے ہیں۔ مگر خود تیار کرنیکی کوشش نہیں کرتے۔ لیکن اندرونی حصوں کے لوگ لوہا خود تیار کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف اپنی ضروریات پورا کرتے ہیں قرب و جوار کے اضلاع میں جاکر لوہا فروخت کرتے ہیں۔ جب میں کمالیہ میں تھا۔ تو وہاں میں لوہا تیار کرنے کی ایک بھٹی دیکھی۔ جو میرے جھونپڑے کے قریب ہی تھی

مالک اور کاریگر خفیہ طور پر لوہا تیار نہیں کرتے تھے۔ اسلئے انہوں نے مجھے بھٹی دیکھنے کی اجازت دیدی۔ بلکہ میں بھی ان کے ساتھ لوہا ڈھالنے کا کام کرنے لگا۔ بھٹی مٹی کا ایک گول ستون تھی۔ جسکی بلندی دس فٹ اور قطر تین فٹ تہا۔ اس کے اردگرد دو تین جگہہ بیلوں کے بند لگائے گئے تھے۔ تاکہ سخت حرارت سے بھٹی نہ گر پڑے۔ زمین کے قریب چمنی میں سات سوراخ تھے۔ ان میں مٹی کے ٹیوب (نال) تھے۔ بھٹی کے اندر انہی ٹیوبوں کے ذریعہ سے ہوا داخل ہو سکتی تھی۔ جب بند کر دیئے جاتے تو آگ باقاعدہ طور پر چلتی رہتی۔ لوہے کے پتھر جو کان سے نکالے جاتے تھے۔ بہت بھاری تھے۔ انکا رنگ سرخ تہا۔ ان کو توڑ کر جوڑا کر لیا جاتا۔ پہلے بھٹی کے اندر خشک لکڑیاں ڈالیں جاتیں۔ ان کے اوپر لکڑی کا کوئلہ ڈالا جاتا۔ اس کے اوپر لوہے کے پتھروں کی تہہ جمائی جاتی تھی۔ اس کے کوئلوں کی۔ حتیٰ کہ بھٹی بالکل بھر جاتی۔ آگ ایک سوراخ کے اندر سے ڈالی جاتی۔ اور دھونکنیوں سے جو بکری کی کھال کی بنی ہوتی ہیں جلائی جاتی۔ پہلے تو بہت آہستہ سے کام ہوتا کچھ دیر کے بعد بھٹی کے اوپر شعلے دکھائی دیتے۔ اس کے بعد آگ بڑی تیزی سے جلتی تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کوئلے اسکے اندر ڈالتے رہتے۔ دوسرے روز ٹیوب کھولائے جاتے۔ تاکہ ہوا آزادی سے اندر باہر آتی جاتی رہے۔ اس کے ذریعہ سے آگ بہت تیز ہو جاتی۔ چمنی کے اوپر چند فٹ بلند نیلا سا شعلہ نظر آتا۔ تیسرے روز سوراخ بند کر دیئے جاتے۔ اور لوہا کئی روز تک بھٹی کے اندر ہی پڑا رہتا۔ جبتک کہ بھٹی بالکل سرد نہ ہو جاتی۔ اسکے بعد بھٹی کا اوپر کا حصہ گرا دیا جاتا۔ اور لوہے کی بڑی بھاری ڈلی دکھائی دیتی۔ انکے اندر کوئلے بھی ہوتے۔ بعض دفعہ یہ ڈھیلے کسی کام کے بھی نہ ہوتے۔ لوہے کے اوزار بنانے کے واسطے اسی چھوٹی بھٹی میں ڈالکر پگھلانے کی کوشش کیجاتی۔ ہتھوڑہ۔ آہرن۔ اور چمٹا بہت سادہ ہوتے ہیں۔ کاریگری بھی کوئی اعلےٰ قسم کی نہیں ہوتی۔ لوہا بہت نازک اور سخت ہوتا ہے۔ کسی قسم کا اوزار بنانے سے پیشتر اسے تیار کرنے اور کاٹنے میں بہت محنت درکار ہوتی ہے

افریقہ کے ان حصوں میں جہاں مجھے جانے کا موقعہ ملا ہے۔ مصنوعات اور فنون کی یہی حالت جسکا میں نے ذکر کیا ہے مبادہ اور کارڈہ کے باشندے

ٹوکریاں بہت ہی عمدہ قسم کی بناتے ہیں۔ ٹوپیاں بھی بنائی جاتی ہیں زیادہ
تر کند ٹے سے کام لیا جاتا ہے کبیدی کی چھریاں اور سلاخیں بھی کام میں لائی
جاتی ہیں۔

بائیسویں فصل

جنگ اور غلامی

ہر جگہ ۔۔ کے درجے کی کہتری اور بزرگی کا خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس قسم
کا خیال اس انتہا تک پہنچ جائے۔ کہ سوسائٹی کے ایک طبقہ کی خدمات دوسرے
گروہ کے ہاتھ میں مکمل طور پر آجائیں۔ تو اسے غلامی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ افریقہ
کے حبشی مدت دراز سے حالت غلامی میں رہتے چلے آئے ہیں۔ غلامی گویا موروثی
ہو جاتی ہے۔ ایک غلام کے بیٹے پوتے پڑپوتے پشتوں تک غلام چلے جاتے
ہیں۔ افریقہ میں اگر ایک آزاد آدمی ہو۔ تو تین غلام ہوتے ہیں۔ غلام صرف
روٹی کپڑے کے عوض دن بھر ۔۔ رنا پسند کرتا ہے۔ آقا اپنی طبیعت
کے مطابق اسکے ساتھ مہربانی کا سلوک بھی کرتا ہے۔ اور سختی کا بھی۔ دستور
کے وسیلہ سے غلاموں کے سلوک کے متعلق قاعدے تحریر ہو گئے ہیں۔
جنکی عدم تعمیل باعث ذلت بھی جاتی ہے۔ جو غلام گھر میں پیدا ہوتے ہیں
ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا سلوک کیا جاتا ہے۔ اور جو خریدے جاتے ہیں۔ ان
کے ساتھ سختی کا برتاؤ روا رکھا جاتا ہے۔ آقا کو اپنے غلام پر جو گھر میں پیدا ہوتا ہے
اسی قدر اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ مناسب طور پر تنبیہ کرے۔ مگر فروخت
نہیں کر سکتا۔ تاکہ سردار اور پنچایت وغیرہ اسکا فیصلہ نہ کریں۔ لیکن جنگ میں
پکڑے ہوئے قیدی ۔۔ اور زر خرید ایسی قسم کے سلوک کے نہیں سمجھے جاتے
آقا جیسا چاہے۔ ان کے ساتھ سلوک کرے۔ خواہ ان کو فروخت کر دے۔ خواہ
سختی سے سلوک کرے۔ وہاں بہت سی منڈیاں ہیں۔ جہاں غلام فروخت کئے
اور خریدے جاتے ہیں۔ ۔۔۔ [illegible] غلام لایا جاتا ہے۔ اسی قدر [illegible]

اسکی قیمت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر غلام چند روز کے مسافت کے فاصلہ پر ہوں
تو وہ بھاگ جاتے ہیں۔ وطن دور ہو تو وہ بھاگ نہیں سکتے۔ اور ان کو خواہ
مخواہ اپنے آقا کے پاس ٹھہرنا پڑتا ہے۔ جن غلاموں کو یورپین ساحل پر خریدتے
ہیں۔ وہ واقعی بہت بڑے فاصلہ سے آتے ہیں۔ بعض قیدیان جنگ
ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر بڑے بڑے قافلے اندرون ملک سے غلاموں کے
کیمپ لے کر ساحل پر آتے ہیں۔ اور یورپین لوگوں کے ہاتھ بیچ جاتے ہیں۔
اندرونی حصوں کے غلام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو غلاموں کی
اولاد ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ کسی خاص وجہ سے غلام بنائے گئے ہوں
اول الذکر قسم کے بہت سے غلام دیکھے جاتے ہیں۔ آزاد پیدائش کے
غلاموں کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو اچھے ہتھیار دیئے جاتے ہیں
اور ان کے واسطے گھوڑے بھی بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو میدان
کارزار سے بھاگ سکتے ہیں۔ اگر آقا پسند کریں۔ تو لڑ سکتے ہیں۔ لیکن جن
غلاموں کے پاس ہتھیار اور کمانیں ہوتی ہیں۔ اور بوجہ سے لڑتے ہوتے
ہیں۔ وہ بہادری ہلاک ہو جاتے ہیں۔ جب ایک دفعہ شاہ بمبارہ نے اہل کارٹہ
سے جنگ کی۔ تو ایک روز میں نوسو آدمی قیدی بنائے گئے۔ ان میں سے ستر آزاد
پیدا کرشتے۔ اگر اس قسم کا آزاد قید ہو جائے۔ تو اسکے دوست اسکا تاوان ادا
کر کے اسے چھڑا لیتے ہیں۔ مگر غلام کے واسطے کوئی موقعہ رہائی کا نہیں۔ جو لوگ
ساحل پر غلام لیجا کر فروخت کرتے ہیں۔ وہ صرف پیدائشی غلاموں کو لیجاتے
ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے آدمی پیدائش سے سختیاں جھیلنے کے عادی ہو جاتے
ہیں۔ اس لئے لمبے لمبے سفر کرنیکے قابل ہوتے ہیں۔ اگر ساحل پر فروخت
نہ ہو سکیں۔ تو وہ لوگ اپنی محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پال سکتے ہیں۔
اور بھاگنے کی کوشش نہیں کر سکتے جیسے کہ آزاد پیدائش کے غلام کرتے
ہیں۔

دوسرے وجہ کے غلاموں کی غلامی کیوجہ (۱) قید۔ (۲) قحط
(۳) افلاس (۴) جرائم اگر آزاد پیدائش کا آدمی جنگ میں گرفتار

ہو جائے۔ تو وہ افریقہ کے دستور کے مطابق آزاد سمجھا جاتا ہے۔ جنگ ایک بڑا نفع
آور مشغلہ سمجھا جاتا ہے۔ اور غلامی کی ابتدائی اسی سے ہوئی۔ جب ایک
قوم جنگ میں دوسری قوم سے زیادہ قید کیگئی۔ اور کسی طرح سے تبادلہ نہ ہو سکا
تو قدرتاً فاتح بادشاہ قیدیاں جنگ کو ان کی اپنی پرورش کے واسطے کام
پر لگائے گا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ افریقہ میں قیدیاں جنگ فاتح کے غلام شمار
ہوتے ہیں۔ جب کوئی کمزور یا کام جنگ آزما زور آور سے ترحم کی التجا کرے۔
تو اپنی آزادی کا حق کھو دیتا ہے۔ اور آزادی کو قربان کر کے اپنی جان
بچا لیتا ہے۔

ایک ملک جو ہزاروں چھوٹی آزاد ریاستوں میں منقسم ہوتا ہے۔ جہاں
ہر ایک آزاد آدمی اسلحہ لگا سکتا ہے۔ اور لڑنے کا مشتاق رہتا ہے۔ اور
جہاں لڑکے بچپن سے تیر کمان سنبھال لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ اپنی شجاعت کی
نمائش کے خواہشمند رہتے ہیں۔ ایسے ملک میں لڑائیاں آئے دن ہوتی
رہتی ہیں۔ اور انکی وجہ بہت ہی پوچ ہوتی ہے۔ جب ایک قوم دوسری
سے زبردست ہوتی ہے تو جنگ کرنے کے واسطے کوئی نہ کوئی بہانہ ہاتھ
آہی جاتا ہے۔ کیا گا۔ اور کاسون کے درمیان جنگ ایک مفرور غلام
کو پناہ دینے سے چھڑ گئی۔ بمبارا۔ اور کارٹہ کے درمیان صرف چند
مویشیوں کے کھوئے جانے پر۔ غرضیکہ سردار لوگ ذرا ذرا سی باتوں
پر جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ انکا مذہبی جوش جلتی آگ پر ایندھن کا
کام دیتا ہے۔

افریقہ میں دو قسم کی جنگیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو یورپ کے طریقہ
سے ملتی ہے۔ یعنی کچھ عرصہ پیشتر اعلان دیا جاتا ہے۔ ایک ہی معرکہ میں اسکا
خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مفتوح دوسرے معرکہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ فاتح بہت
سے آدمی گرفتار کر کے لے جاتا ہے۔ جو آدمی کمزور ضعیف اور نکمے ہوں۔ ان کو
قتل کر دیا جاتا ہے جس شخص نے جنگ میں زیادہ جوش اور دلاوری نمایاں کی ہو
اس کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کیا جاتا ہے۔ باوجود اس قسم کی تباہی کے

افریقہ میں جنگ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد قصبے آباد او سرے نو تعمیر
ہو جاتے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے - کہ معرکہ کی لڑائیاں بہت کم ہوتی ہیں -
کمزور اپنی حالت سے آگاہ ہوتے ہیں - اسلئے وہ بھاگ کر جان بچا لیتے ہیں -
جب جنگ ختم ہو جاتی ہے - اور دشمن اپنے ملک کو چلا جاتا ہے - تو مفرور باشندے
واپس آکر گھر آباد کر لیتے ہیں - یہ قاعدہ ہے کہ ہر ایک آدمی اپنی زندگی کے آخری
دن اسی جگہہ کاٹنا چاہتا ہے - جہاں بچپن میں رہا ہو - حبشی لوگوں میں بھی اس
قسم کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے - ان کو اپنے گاؤں کے کنوئیں کا پانی بہت
ہی شیریں معلوم ہوتا ہے - جب جنگ کے خطرات سے بچنے کے واسطے وہ اپنا
گھر چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں - تو کچھ عرصہ کے بعد پھر وہیں آجاتے ہیں - گری اور شکستہ
دیواروں کو تیار کرتے ہیں - اور اپنا گاؤں دوبارہ آباد دیکھکر بہت خوش ہوتے
ہیں - دوسری قسم کی جنگ صرف لوٹمار تک محدود ہوتی ہے - اور بغیر اعلان کے
کیجاتی ہے - اس کی وجہ قومی عناد اور حسد ہوا کرتی ہے - ایک قوم کے باشندے
چپکے سے اپنے ہمسایہ پر حملے کرتے اور لوٹمار کرکے چلدیتے ہیں - اس قسم کی لوٹمار
ایسے موقعہ پر ہوا کرتی ہے - جب موسم خشک ہو - اور اشیائے خوردنی وغیرہ بافراط
ہوں - انتظام کی تجاویز پر غور کیجاتی ہے - سردار اپنے باجگزاروں کی مستعدی اور
تعداد کا جائزہ لیتا ہے - اور اپنی شخصی اہمیت پر پھولکر ہمسایہ ریاست سے کسی
فرضی توہین یا بناوٹی جرم کا انتقام لینے کی کوشش کرتا ہے - اس قسم کی جنگیں ہمیشہ
خفیہ طریقہ سے چلائی جاتی ہیں - چند مستقل مزاج اور دلاور شخص اپنے ہمراہیوں
سمیت جنگلوں میں جا گھستے ہیں - اور رات کے وقت یکایک کسی غیر محفوظ گاؤں
پر حملہ آور ہو جاتے ہیں - اور ان کا مال و سامان لیکر رفو چکر ہو جاتے ہیں - ایکدفعہ
کمالیہ میں صبح کے وقت اس قسم کے لوگوں کی ایک جماعت اس قصبہ میں آنکلی جسے
دیکھکر ہم خائف ہوگئے - شاہ فولاڈو کا بیٹا پانچسو سواروں کے ساتھ کمالیہ سے
جنوب کیطرف جنگلوں میں سے گزرا - اور حلیوں کا ڈو کے زبردست سردار
میڈی گاٹی کے تین قصبے لوٹ کر بوٹ گیا - اس مہم کی کامیابی سے دلیر
ہوکر بانگسی کے صوبہ دار نے دوسرے حصہ پر حملہ کرنیکی ٹھان لی - دو سنو ۲۰۰

ہمراہی سے کررات کے وقت دریائے گوگورو کو عبور کیا - اور بہت سے آدمی قیدی بناکر چلدیا - جو لوگ ادہراُدہر بھاگ کر بچے تھے - اون کو اہل مانڈنگو گرفتار کر کے لے گئے۔

اس قسم کی لوٹمار کی مہموں کا انتقام بہت جلد لیا جاتا ہے - اگر زیادہ آدمی بہم نہ پہونچ سکیں - تو چند آدمی چپکے سے اپنے دشمنوں کے ملک میں چلے جاتے ہیں - اور جو کچھ ہاتھ لگتا ہے اسے لے اُڑ سکتے ہیں - بعض وقت اکیلا آدمی ہی تیر کمان لیکر چڑھ جاتا ہے - اسے ایسی حماقت اور ناعاقبت اندیشی سے منسوب کیا جائے - مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے - کہ دشمن اس کے کسی عزیز کو لیکر بھاگ گیا ہے - تو اسکی حالت قابل رحم معلوم ہوتی ہے - وہ آدمی جھاڑیوں میں چھپکر بیٹھ جاتا ہے - جب کوئی غیر مسلح اور اکا دکا آدمی گزرتا ہے - تو شیر کیطرح اسے پکڑکر جھاڑیوں میں گھس جاتا ہے - اور رات کے وقت اپنے گانوں کو لوٹ آتا ہے۔

جب کوئی حبشی اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں جا پڑتا ہے - تو یا تو اسے غلام بناکر رکھ لیا جاتا ہے - کہ کسی دور افتادہ علاقہ میں فروخت کردیا جاتا ہے - کیونکہ اہل افریقہ جب اپنے دشمنوں کو مغلوب کرلیتے ہیں - تو اسے دوبارہ سر اوٹھانے کا بہت ہی کم موقعہ دیتے ہیں - فاتح مفتوح کے ساتھ درجہ اور حیثیت کے مطابق سلوک کرتا ہے - نو عمر عورتیں اور خانگی غلاموں کو وہ اپنا غلام بنالیتا ہے جو لوگ زیادہ شریر ہوں - اون کو کسی دور کے علاقہ میں فروخت کردیا جاتا ہے - اور جن لوگوں نے جنگ میں زیادہ سرگرمی ظاہر کی ہے - وہ یا تو فروخت کردیئے جاتے ہیں - یا قتل کردیتے ہیں - جنگ کے وقت سب سے زیادہ غلام پکڑے جاتے ہیں - جنگ ہی اکثر مرتبہ قحط کی موجب ہوتی ہے - جس کے باعث آزاد آدمی غلام بننے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

غور کرنے والے لوگ موت کو غلامی پر ترجیح دیتے ہیں - جب بھوک سے حبشی لوگ عاجز آجاتے ہیں - تو اپنی آزادی فروخت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں جب گمبیا میں تین سال تک قحط رہا - تو بہت سے آدمی غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہوئے - ڈاکٹر لیڈلی کہتے ہیں - کہ بہت سے آدمیوں نے آکر بڑی عاجزی

سے گڑگڑا کر کہا - کہ ہم کو غلام بنا لو اور بھوک کے دیو سے بچاؤ - بعض دفعہ بڑے بڑے خاندان بھوک سے تنگ آکر اپنے بچوں کو دو چار روز کی خوراک کیواسطے فروخت کر دیتے ہیں - جب میں جادہ میں تھا - تو دامن جمانے مجھسے کہا - کہ اس نے تین غلام اسی طریقہ سے خریدے تھے - جسکا ذکر ہوا ہے - فولاڈو اور واڈلا ہ میں یہ عام دستور ہے - کہ بھوک سے تنگ آکر مائیں اپنے بچوں کو فروخت کر دیتی ہیں -

غلامی کی تیسری وجہ دیوالہ ہے - افریقہ کے قوانین جس جرائم کی سزا غلامی سے دیتے ہیں - ان سب میں دیوالہ سب سے بڑا ہوا ہے - حبشی تاجر کسی تجارتی مقصد سے روپیہ قرض لیتا ہے - یا تو کسی اپنے ہمسایہ سے یا یورپین تاجروں سے اور روپیہ واپس کرنے کا ایک خاص وقت مقرر کر لیتا ہے - اگر وہ مقروض مقررہ میعاد کے اندر روپیہ ادا کر دے - تو وہ آزاد ہو جاتا ہے - اگر وہ ادا کرنے میں ناکام رہے تو وہ اپنے قرضخواہ کا غلام سمجھا جاتا ہے - اسکا مال و سامان بھی دوسرے کا ہو جاتا ہے - چوتھی وجہ غلامی کی بعض ایسے جرائم ہیں جنکی سزا صرف غلامی ہے - مثلاً قتل زناکاری - جادوگری کی سزا غلامی ہے - اور میرا خیال ہے - کہ اس قسم کے جرم عام نہیں ہیں - قتل کے معاملات میں یہ قاعدہ ہے - کہ اگر قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کا قریبی رشتہ دار قاتل کو یا قتل کر دے - یا اپنا غلام بنا لے - زناکاری کے معاملہ میں یہ دستور ہے - کہ جس شخص کی بیوی یا بہو یا بہن سے زنا کیا گیا ہے - وہ قصوروار کو فروخت کر سکتا ہے - یا اسکا معاوضہ ادا کر دے جو قصور کی پوری پاداش ہو - جادوگری میں جادوگر دوسروں کی زندگیوں اور صحتوں پر اثر ڈالتا ہے - یا ایک قسم کا زہر دے دیتا ہے - لوگوں کا یہ عام خیال ہے - مگر میں نے اس قسم کی واردات کہیں نہیں دیکھی - جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے - کہ اس قسم کی وارداتیں بہت کم ہوتی ہیں -

اگر کوئی آزاد آدمی مذکورہ بالا وجوہ سے غلام ہو جائیگا - تو اسے تمام عمر غلامی کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے - اگر اس کے بال بچے ہوں - تو وہ غلامی کی حالت میں رہتے ہیں - غلام کو آزادی حاصل کرنیکا موقعہ بھی دیا جاتا ہے - مثلاً اگر وہ کوئی غیر معمولی کام کرے - تو آقا اسے رہا کر دیتا ہے - یا لڑائی میں دو غلام پکڑ کر لائے - تو وہ

آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن عام طریقہ غلامی سے رہائی حاصل کرنے کا اپنے آقا کے گھر سے بھاگ جانا ہے۔ جب کوئی غلام بھاگنے کی ٹھان لیتا ہے۔ تو وہ اکثر دفعہ بھاگ جاتا ہے بعض غلام برسوں تک کسی عمدہ موقعہ کی تاک میں رہتے ہیں اور کئی قسم کا اضطراب ظاہر نہیں کرتے۔ بالخصوص جو غلام کسی کوہستانی علاقہ سے آتے ہیں۔ وہ جلدی بھاگ جاتے ہیں +

غلامی کی مختصر کیفیت یہ ہے۔ جو میں نے اوپر بیان کی ہے۔ یہ دستور مدت دراز سے چلا آتا ہے۔ میں نہیں بتا سکتا۔ کہ غلامی کی تجارت نے جسمیں دو سو برس تک یورپ کی قومیں بھی شریک رہی تھیں۔ ایسے قاعدہ کو کہانتک تقویت دی ہے۔ اگر مجھ سے غلامی کی موقوفی کے اثر کی بابت دریافت کیا جائے۔ تو میں صرف یہ کہہ سکونگا۔ کہ اسکا اثر زیادہ مفید اور وسیع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ بعض روشن خیال اور نیکدل دانشمند خیال کرتے ہیں +

تیئسویں فصل

سونا اور ہاتھی دانت:۔

قیمتی اشیاء سونا اور ہاتھی دانت افریقہ میں زمانہ قدیم سے پائے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں اسکی ابتدائی تاریخ میں بھی مندرج ہیں +

کہا گیا کہ سونا پہاڑی اور بنجر زمین سے نکلتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ مانڈنگ کے تقریباً ہر حصہ میں سونا پایا جاتا ہے۔ گو اس علاقہ میں پہاڑ ہیں۔ مگر زمین پتھریلی نہیں ہے۔ سجادن کادو میں بھی سونا برآمد ہوتا ہے۔ گو ملک پہاڑی ہے مگر بنجر نہیں ہے۔ کتا سے جنوب کیطرف بوڑہی کی منڈی صحرائے اعظم سے چٹانی نمک لایا جاتا ہے۔ اور سمندری نمک رائیو گرانڈ ہی سے آتا ہے۔ اور قیمت دونوں کی ایک ہی سی ہے۔ شمال سے مور اور جنوب سے حبشی لوگ وہاں نمک ایکسچینج۔ سونیکے تبادلہ کے واسطے آتے ہیں +

مانڈنگ میں سونیکی کوئی رگ نہیں پائی جاتی۔ بلکہ ریت میں تھوڑا

تھوڑا پایا جاتا ہے۔ بعض وقت اس کے چھوٹے چھوٹے دانے عمدہ خالص حالت میں نکلتے ہیں۔ اسے اہل مانڈنگو ۔سانو منکو دسو ہیکا سغوٹ کہتے ہیں۔ جو کچھ مجھو اس کی بابت معلوم ہؤا۔ وہ یہ ہے۔ کہ برسات کے موسم میں برساتی کے نالوں کے ذریعہ سے بہت سا سونا بہکر چلا آتا ہے۔ اور میدان میں آکر ریت پر پھیل جاتا ہے۔ اس کے جمع کرنیکا طریقہ حسب ذیل ہے ا۔

ماہ دسمبر کے شروع میں جب فصل کٹ چکتی ہے۔ اور ندیوں میں پانی بہت گھٹ جاتا ہے۔ تو قصبہ کا سردار ایکدن سونا نکالنے اور جمع کرنیکا مقرر کرتا ہے۔ عورتیں اس وقت تک ہر طرح سے تیار ہو جاتی ہیں۔ ریت کھودنے کے واسطے ہم کدال۔ اور دو تین برتن ریت دہونے کے واسطے اور ایک برتن خالص سونا ڈالنے کے واسطے ہوتا ہے۔ جس روز ندیوں کے کنارے سونا جمع کرنے کو جاتے ہیں۔ اس روز صبح کے وقت ایک بیل ذبح کیا جاتا ہے۔ کامیابی کے واسطے تعویذ گنڈے کئے جاتے ہیں۔ دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کیونکہ ناکامی ایک بہت برا سگون سمجھا جاتا ہے۔

کمالیہ کا سردار ایک مرتبہ چودہ آدمی ہمراہ لے کر گیا۔ مگر سونا نہ ملا۔ اسپر وہ تمام آدمی دل شکستہ ہو گئے۔ کوئی آدمی مستقل مزاج نہ رہا۔ اور جن لوگوں نے دوبارہ کوشش کی۔ ان کو بھی کوئی تسلی بخش کامیابی نہ ہوئی کیونکہ وہ ایک ہی مقام پر جہاں برسوں سے سونا کھودا اور نکالا جاتا تھا۔ کھودتے اور دہوتے رہے۔ اس لیئے وہاں سے بہت تھوڑا سونا نکلتا تھا۔ اگر دوسری جگہ پر کھودتے۔ تو البتہ کامیابی کی امید ہو سکتی تھی۔

ندیوں کی ریت کو دہو کر سونا نکالنا بہت آسان کام ہوتا ہے۔ مگر بسا اوقات اس میں ناکامی بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ سالوں سے ایک ہی مقام کی ریت دہونے سے سونا بہت تھوڑا دستیاب ہوتا ہے۔ چند آدمی ایک جگہ ریت دہوتے ہیں۔ اور چند آدمی تھوڑے فاصلہ پر جاکر ریت دہوتے ہیں۔ جہاں لہر تیز ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر سونا تلاش کرنا اور نکالنا نہایت مشکل کام ہے میں نے بہت سی عورتوں کو دیکھا ہے۔ جنکی انگلیوں کے سرے ان کا گوشت اسی

قسم کا کام کرتے کرتے گھس جاتا ہے۔ بعض وقت ان کو سونے کی ڈلیاں بھی ہاتھ لگ جاتی ہیں۔ جس سے سخت محنت کا معاوضہ ملجاتا ہے۔ ایک بوڑھی کمالیہ کی ایک عورت اور اس کی بیٹی کے ہاتھ ڈلیاں سونیکی لگیں۔ ایک ڈلی پانچ ڈرام وزنی تھی۔ اور دوسری تین ڈرام۔ لیکن سب سے زیادہ مفید طریقہ یہ ہے کہ خشک موسم میں کسی پہاڑ کے قریب جہاں پہلے سونا نکلا ہو۔ ایک گہرا کنوآں کھودا جاتا ہے۔ اور اسکے اندر سے ریت اور مٹی باہر نکالی جاتی ہے ہر ایک حصہ اور رنگ کی مٹی دھوئی جاتی ہے تاکہ اگر اس میں سونا ہو تو معلوم ہو جائے۔ اگر بہت سرخ ہو اور اسمیں کالے کالے ٹکڑے ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ اس ریت میں سونا بکثرت نکلیگا۔ مرد مٹی اور ریت نکال کر عورتوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جو دھو کر سونا نکالتی ہیں۔ کیونکہ وہ لڑکپن سے سونا نکالنے کی عادی ہوتی ہیں۔

میں ان گڑھوں کے اندر کبھی نہیں اترا۔ اس لئے نہیں بتا سکتا۔ کہ وہ کسطرح کھودے جاتے ہیں۔ میری حالت ایسی تھی۔ کہ میں دیسیوں کو شبہ کرنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ کہ میں ان کے عمل کو بغور دیکھتا ہوں۔ مگر ریت سے سونا نکالنے کا طریقہ بہت سادہ ہے۔ عورتیں قصبہ کے درمیان بیٹھکر نکالتی ہیں۔ جب مرد شام کے وقت وادیوں کیطرف سے آتے ہیں۔ تو وہ اپنے ساتھ ایک ایک دو دو لوٹے ریت کے لئے آتے ہیں جنکی عورتیں گھر میں دھو لیتی ہیں۔ اور سونا علیحدہ کر لیتی ہیں۔

ریت کا ایک حصہ لوٹے میں ڈالدیا جاتا ہے۔ اور اس میں بہت سا پانی ڈالدیا جاتا ہے۔ عورت آپ اپنے طریقے سے لوٹے کو ہلاتی ہے۔ کہ ریت اور پانی ملکر ایک ہو جاتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ ہلا کر ریت کو نکالدیتی ہے۔ یہ ریت صرف موٹی اور دانہ دار ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گدلا سا پانی بھی ملا ہوا ہوتا ہے۔ آخر ہوتے ہوتے ریت تہ میں بیٹھ جاتا ہے اور تمام پانی نکالدیا جاتا ہے۔ پھر اور پانی ڈالدیا جاتا ہے۔ جبتک کہ خالص ریت رہ جاتی ہے۔ اور مٹی تمام نکل جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے برتن

میں پانی اور ریت آہستہ آہستہ ڈالی جاتی ہے۔ جس ریت میں سونے
کے دانے ہوتے ہیں۔ وہ برتن کے پیندا میں رہ جاتی ہے۔ اس میں اور خالص
پانی ملایا جاتا ہے۔ پھر برتن کو ہلایا جاتا ہے۔ اور غور سے دیکھا جاتا ہے۔ آیا اسکے
اندر سونا ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو اسے نکال لیا جاتا ہے۔ اگر دو ٹوکروں میں سے
تین چار گرین سونا نکل آتا ہے۔ تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں کہ محنت رائگاں
نہیں گئی۔ [illegible] لوگوں کو اتنا تجربہ ہو گیا ہے کہ وہ ریت کو دیکھکر ہی سونا
نکال سکتے ہیں۔ [illegible] اور عورتیں ایک ذرہ بھی نہیں نکال سکتیں۔ سونے
کے ذرے شتر مرغ کے پروں کے اندر بھر دیئے جاتے ہیں۔ حبشی لوگ ان کی
نمائش کے بڑے شائق ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان کو اپنے بالوں میں
لگا لیتے ہیں۔ عام طور پر خیال ہے۔ اگر کوئی ہوشیار آدمی کسی اچھی زمین
میں سونا نکالنے کی کوشش کرے۔ تو اسقدر نکال لیتا ہے۔ جو دو غلاموں
کی قیمت کے برابر ہوتی ہے۔

جس طریقے سے اہل منڈنگ سونا نکالتے ہیں۔ وہ بہت سادہ
ہے جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سونے کے ذرے
بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ لیکن چونکہ حبشی لوگ پہاڑیوں سے جہاں سونے کی
اصلی کانیں ہوتی ہیں۔ فاصلہ پر سونا تلاش کرتے ہیں۔ اسلئے بسا اوقات محنت
کا اجر جیسا کہ چاہیئے نہیں ملسکتا۔ کیونکہ سونے کے صرف باریک ذرے
پانی کی لہر کے ساتھ بہکر میدانوں میں جاتے ہیں۔ اور بڑے ڈلے کان کے
قریب ہی رہ جاتے ہیں۔ جہاں سے کوئی آدمی اسے نہیں اٹھا سکتا۔ اگر
ندی کے ساتھ ساتھ چلکر اسکے منبع کا پتہ لگایا جائے۔ اور ان پہاڑوں کو بغور
دیکھا جائے۔ جن میں سے دریا نکلتا ہے۔ تو سونے کی اصلی کان کا پتہ لگ
سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی سونے کے ذرے ریزے معقول مقدار
میں مل سکتے ہیں۔ اگر پارہ سے کام لیا جائے۔ اور اچھے طریقے سونا نکالنے
کے کام میں لائے جائیں۔ تو بڑی مقداروں میں سونا مل سکتا ہے۔

سونا جو حبشی لوگ نکال لیتے ہیں۔ اس کے ایک حصہ کے عورتوں

کے واسطے زیورات بنا لئے جاتے ہیں۔ جنکی صرف مقدار اور وزن کی قدر
کیجاتی ہے۔ مگر کاریگری کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ بھاری بھاری بالیاں بنا کر پہنی
جاتی ہیں جنکے بوجھ سے کانوں کا گوشت کھنچ جاتا ہے۔ لیکن چرمی تاگوں سے بالیاں
باندھ لیجاتی ہیں۔ جس سے بوجھ کم معلوم ہوتا ہے۔ مالا اور ہار عجیب قسم کے ہوتے
ہیں جنکے بڑی ہوشیاری سے پروئی جاتے ہیں جو مذاق اور نفاست کا معیار
سمجھا جاتا ہے۔ جب کوئی عورت آرایش زیبائش کی غرض سے عمدہ کپڑے اور
زیورات پہنتی ہے۔ تو اسکی قیمت سات آٹھ سو روپے سے کم نہیں ہوتی۔ غلام
فروش سونا کام میں لاتے ہیں۔ خاص کر جب سفر پر جاتے ہیں۔ تو اثنائے
راہ میں اپنے خرچ کے واسطے سونیکی ایک خاص مقدار ادا کرتے ہیں۔ ہر سال مُور
لوگ نمک اور دیگر تجارتی اشیا کے عوض بہت سا سونا لیجاتے ہیں جب
میں کمالیہ میں تھا تو میں نے دیکھا۔ کہ ہر ایک تاجر کے پاس تقریباً تین تین ہزار
روپے کا سونا تھا۔ چونکہ کمالیہ ایک چھوٹا قصبہ ہے۔ تاجر مور اس طرف بہت
کم آتے جاتے ہیں۔ اسلئے یہ مقدار اس مقدار کے مقابلہ میں جو کان کبہ
اور دیگر بڑے قصبوں میں جمع کیجاتی ہے۔ بہت ہلکی ہوگی۔ افریقہ کے اُس
حصہ میں نمک کی قیمت بہت زیادہ دینی پڑتی ہے۔ نمک کا ایک ٹکڑا جسکا
طول ۲½ فٹ عرض چودہ انچ۔ اور موٹائی دو انچ ہو ۲۵-۳۰ روپیہ میں
فروخت ہوتا ہے۔ پچیس تیس روپیہ تو معمولی قیمت ہوتی ہے۔ اس قسم کے
نمک کے چار ٹکڑے ایک گدھے کا۔ اور چھ ایک بیل کا بوجھ ہو جاتے ہیں۔
یورپین اشیا کی قیمت صرف بہم رسانی پر موقوف ہوتی ہے۔ مگر قیمت کی بجائے
صرف غلام دیئے جاتے ہیں۔ یعنی یورپین ساخت کی اشیا کے بدلے صرف
غلام دیئے جاتے ہیں۔ اور اکثر [illegible]
منگائی ہوتی ہے۔ جنکی [illegible]

۱۸ عدد بندوق مع چقماق
۱۸ سیر تمباکو
۲۰ دفعہ بندوق میں ڈالنے کی بارود

یہ چیزیں [illegible] منگائی [illegible]۔

ایک بندوق کی قیمت صرف تین چار منکالی دینی پڑتی ہے۔

ملک کی پیداوار اور مختلف قسم کی ضروریات زندگی کا اگر سونے سے تبادلہ کیا جائے تو حسب ذیل ہوتا ہے۔ ایکدن کی خوراک۔ ایک ٹلی کسی (ایک کالا دانہ مٹر کی برابر) ایک جوڑہ ایک ٹلی کسی میں آتا ہے۔ ایک بھیڑ تین ٹیلی کسی۔ ایک بیل ایک منکالی ہیں۔ ایک گھوڑا دس سے ۱۷ منکالی میں آتا ہے۔

حبشی لوگوں کے واسطے سونا تولنے کی ایک چھوٹی ترازو ہوتی ہے جسے وہ ہر وقت اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ قیمت کے اعتبار سے سونیکے ڈلے اور کمائے ہوئے سونے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جب ایک چیز کا دوسری سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ تو چیز فروخت کرنے والا شخص سونیکو اپنی ٹیلی کسی سے تولتا ہے۔ بعض وقت دھوکہ دینے کے واسطے ٹیلی کسی کو ایک چیز میں رکھدیا جاتا ہے جس سے اسکا وزن بڑھ جاتا ہے۔ یا بعض مرتبہ کسی پتھر کو گھسکر بنا لیا جاتا ہے مگر اس قسم کی بے ایمانیاں بہت کم ہوتی ہیں۔

اب یہاں سونا نکالنے اور اسکے تبادلہ کی قیمت کا ذکر کرکے دوسری قیمتی چیز یعنی ہاتھی دانت کا ذکر کرتا ہوں۔

حبشی لوگ یورپین تاجروں کی خواہش پر جو وہ ہاتھی دانت لینے کے واسطے ظاہر کرتے ہیں نہایت حیران ہوتے ہیں۔ ان کو خواہ کتنی کوشش ہاتھی دانت کے استعمال کے بتانے کی جائے۔ مگر وہ کبھی نہیں سمجھتے۔ اور ان کو کنگھیاں۔ چاقو چھریوں کے دستے دکہائے جاتے ہیں۔ مگر وہ کبھی قائل نہیں ہوتے بلکہ شک کرتے ہیں۔ کہ یورپ میں ہاتھی دانت کی ایسی اعلیٰ چیز بنائی جاتی ہیں جسے کہ گورے تاجر انکی اصلیت چھپانے سے انکار کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہوکر ہاتھی دانت کی قیمت بڑھ جائے وہ کہتے ہیں ہم کس طرح مان لیں۔ کہ اتنی دور سے گورے لوگ جہاز بنا کر صرف ایک ایسی چیز کے واسطے آئے ہیں۔ جو صرف چاقوؤں کے دستوں کے کام آتی ہے۔ حالانکہ لکڑی سے بھی وہی کام نکل سکتا ہے۔ افریقہ کے اندرونی حصوں میں بہت کثرت سے ہاتھی پائے جاتے ہیں۔ مگر وہ ایشیائی ہاتھیوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں بلومن باچ نے اپنی کتاب میں

ان جانوروں کی تصویریں دی ہیں۔ جن سے دونوں براعظموں کے ہاتھیوں
کے مابین فرق معلوم ہو سکتا ہے۔ چونکہ میں نے خود ایشیائی ہاتھی کبھی نہیں
دیکھے۔ اس لیے میں فرق نہیں بتا سکتا۔ بلکہ دیگر مصنفوں کے حوالوں پر کفایت
کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے۔ افریقی ہاتھی ایشیائی ہاتھی سے کم اصیل ہوتا ہے۔ اور
اسے سدھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ حبشی لوگ ہاتھی نہیں پالتے۔ مگر اہل کارتھیجنا قدیم
زمانہ میں لڑائیوں میں ہاتھیوں سے کام لیا کرتے تھے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ ان کو ہاتھی پال لینے اور سدھانے کا ہنر معلوم تھا۔ کیونکہ ایشیا سے ہاتھی لانے
میں بہت تکلیف اور خرچ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شائید افریقہ کے ہاتھی اسلئے
زیادہ وحشی ہوتے ہیں۔ کہ شکاری لوگ دانتوں کیخاطر ان کو مارا کرتے تھے۔
سینیگال اور گیمبیا کے دریاؤں کے کناروں پر جسقدر ہاتھی دانت فروخت
ہوتے ہیں۔ وہ افریقہ کے اندرونی حصوں سے آتے ہیں۔ ساحل سمندر کے
قریب کا علاقہ دلدلی ہے۔ بہت سے ندی نالے ہیں۔ اسلئے وہاں ہاتھی پرورش
نہیں پا سکتے۔ اور نہ چل پھر سکتے ہیں۔ اگر کبھی کسی کے ہاتھی کے پاؤں کے نشانات
نظر پڑ جاتے ہیں۔ تو تمام گاؤں ہتیار لیکر ہاتھی کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ ہاتھی
کا گوشت خوشی سے کہاتے اور اسکے چمڑے کے تسمہ دار جوتے بناتے اور دانت
وہاں یورپین تاجروں کے ہاتھ فروخت کرنے کے خیال سے ہر ایک آدمی جوش میں
بھر جاتا ہے۔ اور دوگنی جرأت کیساتھ کوہ میں جانور پر حملہ کرتا ہے۔ اور اسے مار ڈالے
بغیر ہرگز نہیں چھوڑتے بمبارہ اور کارٹا اور جالن کاڈو کے وسیع جنگلوں میں
ہاتھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مگر دیسیوں کے پاس گولہ بارود نہ ہونے کی وجہ سے
ان کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہونچتا۔

جنگلوں میں ہاتھی دانت گرے ہوئے ملتے ہیں۔ مسافر لوگ ہوشیاری سے
ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہاتھی عموماً جھاڑیوں اور درختوں کی جڑوں میں
اپنا منہ ڈال دیتے ہیں۔ جہاں دانت کسی جگہہ پھنسکر ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسکی بڑی
وجہ عمر کا تقاضا ہوتی ہے۔ اور ہر روز جڑیں اکھیڑ لینے اور چبانے سے بھی
کمزور ہو جاتے ہیں۔ کیا لیب میں میں نے دو دانت اسی قسم کے دیکھے۔ ایک بہت

بڑا تھا۔ جو جنگل میں کسی جھڑ میں پھنس کر ٹوٹ گیا تھا۔ اس طرح ہاتھیوں کے دانت بہت کثرت سے ٹوٹتے ہیں۔ جب ہاتھی کا تعاقب کیا جاتا ہے اور مار ڈالا جاتا ہے۔ تو دانت سالم کے سالم نکالے جاتے ہیں۔ لیکن دانت ٹوٹنے کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں قرار دی جا سکتی کہ وہ جھڑوں میں اٹک کر ٹوٹتے ہیں۔

بعض موسموں میں ہاتھیوں کے غول ملک کے بیشتر حصوں میں پھرتے ہیں۔ جب پانی نہیں ملتا۔ تو وہ دریائے تانبیجی کی طرف چلے آتے ہیں اور برسات کے آغاز تک وہیں رہتے ہیں۔ اس موقعہ پر اہل بمبارہ انکا شکار کرتے ہیں۔ چار چار یا پانچ پانچ آدمیوں کی ٹولیاں بن جاتی ہیں۔ پانچ چھ روز کی خوراک ساتھ لے کر اور گولی بارود کی کافی مقدار لیکر جنگلوں میں جا گھستے ہیں اور ہاتھیوں کے پاؤں کے نشان کا کھوج لگاتے ہوئے ادھر ادھر پھرتے ہیں بہت سے شکاری مدت کے تجربے سے اس قابل ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ شکستہ شاخوں اور ہاتھیوں کی لید سے فوراً کھوج نکال لیتے ہیں۔ کہ ہاتھی وہاں سے کس روز گزرا اور کہاں چلا گیا۔

جب ہاتھیوں کا کوئی غول ملجاتا ہے۔ تو وہ کچھ فاصلے تک انکا تعاقب کرتے ہیں۔ جب تک۔ کہ کوئی ہاتھی اپنے ہمراہیوں سے الگ نہ ہو جائے اور اس کو مار ڈالنے کا عمدہ موقعہ ہاتھ نہ لگے۔ شکاری بڑی ہوشیاری سے لمبی لمبی گھاس کے درمیان سے گزر کر قریب جا پہنچتا ہے۔ تمام آدمی ایکدفعہ اوس کے اوپر گولیاں چلا کر گھاس میں چھپ جاتے ہیں۔ ہاتھی اپنی سونڈ سے گولیاں نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بہت جھلا کر ادھر ادھر بھاگتا۔ اور چنگھاڑتا ہے۔ ہاتھی کے خون نکلنے اور ادھر ادھر دوڑنے سے اسکا جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ شکاری موقعہ پاکر پھر گولیاں مارتے ہیں۔ جس سے ہاتھی بالکل نڈھال ہو جاتا ہے اور زمین پر گر پڑتا ہے۔

شکاری فوراً اسکی کھال اوتار نے کی کوشش کرتے ہیں۔ جسے بعدازاں زمین پر بچھا کر سکھا لیا جاتا ہے۔ گوشت کے عمدہ عمدہ ٹکڑے کاٹ کر دھوپ میں سکھا لیے جاتے ہیں۔ ایک ہلکی کلہاڑی سے دانت توڑ لئے جاتے ہیں۔

گوشکاری گھر سے صرف پانچ چھ دن کی خوراک لے کر جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ شکار میں کامیاب ہو جائیں۔ تو مہینوں تک جنگلوں میں گزار دیتے ہیں۔ ہاتھیوں کا گوشت اور درختوں کا شہد ان کی خوراک کا کام دیتا ہے۔

اس قسم کے ہاتھی دانت اور اسکی ہڈیاں لے کر شکاری لوگ بہت کم ساحل پر جاتے ہیں۔ وہ عموماً تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ جو ہر سال ہاتھی کے دانت لیکر سواحل کیطرف جاتے ہیں۔ جو گولیاں مارو دا اور ہتھیار وغیرہ خرید کر ملک کے اندرونی حصوں میں لیجاتے ہیں۔ بعض دفعہ تاجر خود بھی ایک موسم میں اسقدر ہڈیاں جمع کر لیتے ہیں۔ جس سے چار پانچ گدھے لد جاتے ہیں۔ غلاموں کے قافلے بھی بہت سی ہڈیاں ساحل پر لیجایا کرتے ہیں۔

غلاموں کے تاجروں میں جو مسلمان ہوتے ہیں وہ ہاتھی کی ہڈیوں کی تجارت نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اسے اپنے مذہب کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر بھالے سے ہاتھی مارا جاوے۔ تو اُسکا گوشت خوشی سے کھا لیتے ہیں۔

میں نے پچھلی فصل میں تجارتی اشیاء اور تعلقات کا مفصل ذکر کر دیا ہے۔ جو مدت سے مغربی افریقہ کے باشندوں اور اہل یورپ کے درمیان قائم رہتے ہیں۔ غلام۔ ہاتھی کے دانت سونا۔ موم۔ شہد۔ چمڑا۔ گوند۔ رنگ کی لکڑیاں وغیرہ تجارتی اشیا ہیں جو افریقہ سے دوسرے ملکوں کو بھیجی جا سکتی ہیں۔ تمباکو۔ غلے نیل۔ روئی۔ اور چند دیگر چیزیں بھی تجارتی اشیاء کی فہرست میں داخل کیجا سکتی ہیں مگر دیسی باشندے سب سے زیادہ اپنی ضروریات زندگی کی فکر کرتے ہیں۔ تجارتی مقاصد کی چیزیں تیار نہیں کرتے۔ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جزائر الہند اور ہندوستان کی بہت سی چیزیں مغربی افریقہ میں بخوبی نشوونما پا سکتی ہیں۔ اگر کوئی توجہ کرے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ صرف استقامت کی ضرورت ہے۔ کہ کوئی یورپین دیسی باشندوں کو سب کام عملاً کر کے دکھا دے تو وہ آسانی نقل کریں گے۔ میرے لئے ممکن نہ تھا۔ کہ میں زمین کی زرخیزی مویشی کے بڑے بڑے گلے۔ مزدوروں کی ارزانی وغیرہ کا خیال کرتا۔ کہ کہاں تک ایک یورپین بستی قائم کر کے زراعت میں کامیابی حاصل کیجا سکتی ہے۔ پورے اندرونی ملک میں بھاؤ زرانی کہانتک ممکن ہے میرے

گوشکاری گھر سے صرف پانچ چھ دن کی خوراک لے کر جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ شکار میں کامیاب ہو جائیں۔ تو مہینوں تک جنگلوں میں گزار دیتے ہیں۔ ہاتھیوں کا گوشت اور درختوں کا شہد ان کی خوراک کا کام دیتا ہے۔

اس قسم کے ہاتھی دانت اور اسکی ہڈیاں لے کر شکاری لوگ بہت کم ساحل پر جاتے ہیں۔ وہ عموماً تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ جو ہر سال ہاتھی کے دانت لیکر ساحل کیطرف جاتے ہیں۔ جو گولیاں بارود اور بندوقیں خرید کر ملک کے اندرونی حصوں میں لیجاتے ہیں۔ بعض دفعہ تاجر خود بھی ایک موسم میں اسقدر ہڈیاں جمع کر لیتے ہیں۔ جس سے چار پانچ گدھے لد جاتے ہیں۔ غلاموں کے قافلے بھی بہت سی ہڈیاں ساحل پر لیجایا کرتے ہیں۔

غلاموں کے تاجروں میں جو مسلمان ہوتے ہیں وہ ہاتھی کی ہڈیوں کی تجارت نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اسے اپنے مذہب کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہاں اگر بھالے سے ہاتھی مارا جاوے۔ تو اسکا گوشت خوشی سے کھا لیتے ہیں۔

میں نے پچھلی فصل میں تجارتی اشیاء اور تعلقات کا مفصل ذکر کر دیا ہے۔ جو مدت سے مغربی افریقہ کے باشندوں اور اہل یورپ کے درمیان قائم رہتے ہیں۔ غلام۔ ہاتھی کے دانت سونا۔ موم۔ شہد۔ چمڑا۔ گوند۔ رنگ کی لکڑیاں وغیرہ تجارتی اشیا ہیں جو افریقہ سے دوسرے ملکوں کو بھیجی جا سکتی ہیں۔ تمباکو۔ غلے نیل۔ روئی۔ اور چند دیگر چیزیں بھی تجارتی اشیاء کی فہرست میں داخل کیجا سکتی ہیں۔ مگر دیسی باشندے سب سے زیادہ اپنی ضروریات زندگی کی فکر کرتے ہیں۔ تجارتی مقاصد کی چیزیں تیار نہیں کرتے۔ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جزائر الہند اور ہندوستان کی بہت سی چیزیں مغربی افریقہ میں بخوبی نشو ونما پا سکتی ہیں۔ اگر کوئی توجہ کرے تو بہت نتیجہ ہو سکتا ہے۔ صرف اعانت کی ضرورت ہے۔ کہ کوئی یورپین دیسی باشندوں کو سب کام عملاً کر کے دکھا دے تو وہ آسانی نقل کر لیں گے۔ میرے لئے ممکن نہ تھا۔ کہ میں زمین کی زرخیزی مویشی کے بڑے بڑے گلے۔ مزدوروں کی ارزانی وغیرہ کا خیال کرتا۔ کہ کہاں تک ایک یورپین بستی قائم کر کے زراعت میں کامیابی حاصل کیجا سکتی ہے۔ یورپ اندرونی ملک میں جہاز رانی کہاں تک ممکن ہے میرے

ان کے پاس حضرت داؤد کی زبوروں کا بھی ایک جزو زبان عربی میں تھا۔ یسعیاہ نبی کی کتاب بھی تھی جسکی وہ تعظیم کرتے ہیں مجھے کئی وجہ سے شک ہوا کہ ان کتابوں میں تحریف کیگئی ہے۔ اور حضرت محمد کے اقوال ان میں اضافہ کیے گئے تھے۔ کیونکہ عرب کے نبی کا نام اکثر آتا تھا۔ ممکن ہے کہ میری غلطی ہے۔ اگر مجھے زبان عربی آتی ہوتی۔ تو اسکی اصلی وجہ معلوم کر لیتا۔ ان کتابوں کے ذریعہ سے نومسلم حبشیوں نے ان مشہور واقعات سے واقفیت حاصل کر لی ہے۔ جو عہد عتیق میں مذکور ہیں۔ مادر آدم اور مادر حوا۔ قابیل کی موت۔ طوفان نوح۔ حضرت ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب کی سوانح عمریاں۔ حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ۔ حضرت موسیٰ داؤد اور سلیمان کی داستان وغیرہ سے حبشی مسلمان بخوبی واقف تھے انہوں نے یہ تمام قصے مجھ سے بیان کیے مجھے تو زیادہ حیرت ہوئی۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ میں پہلے ہی بائبل مقدس کے واقعات سے آشنا ہوں۔ تو وہ بہت ہی زیادہ حیران ہوئے۔ گو وہ لوگ اہل یورپ کے حصول اور طاقت سے بخوبی واقف ہیں۔ مگر وہ ہمارے مذہب کی بابت بہت بری رائے رکھتے ہیں۔ گورے تاجر سمندر کے کنارے تجارت کرتے ہیں۔ مگر نومسلم حبشیوں کی غلط فہمی دور کرنیکی پرواہ نہیں کرتے۔ یورپین جداگانہ طور پر دعا نماز گزارتے ہیں۔ مگر حبشیوں سے کبھی دوستانہ طریقے سے اپنے مذہب کی بابت گفتگو نہیں کرتے۔ اسلئے مجھے تعجب اور تاسف ہوا کہ مسلمانوں کی توہم پرستی سے اس تاریک ملک میں چند شعاعیں روشنی کی پھیل گئیں۔ مگر حبشی لوگ عیسائیت کی روشنی سے محروم رہے گو یورپین لوگ دو سو برس سے مغربی افریقہ تجارت کرتے رہے ہیں مگر حبشی لوگ ہمارے مقدس مذہب کے اصولوں سے بالکل بے بہرہ رہتے ہیں۔
ہم قدیم زمانہ کے حالات اور خیالات معلوم کرنیکی بابت زیادہ تشویش کرتے رہتے ہیں عربی اور ایشیائی علم و ادب کے [illegible] اور [illegible] ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہیں ہمارے کتب [illegible] سے بھرے پڑے ہیں۔ مگر ہم نے اپنے مذہب کے حقائق [illegible]

بخل سے کام کیا ہے - اہل ایشیا ہم ہمارے ربط ضبط سے بہت تھوڑے
مستفید ہوئے ہیں - مگر اہل افریقہ جن کو ہم بالکل وحشی تصور کرتے ہیں ہم کو جاہل
مگر خوفناک بت پرست خیال کرتے ہیں - جب میں نے سنی گیمبیا میں رچرڈسن کی
تصنیف کردہ عربی صرف و نحو دکھائی - وہ یہ خیال کرکے بہت حیران ہوئے کہ اہل یورپ
ان کے مذہب زبان لکھنے کے قابل ہیں پہلے اونہوں نے شک کیا کہ کسی غلام نے
اسے لکھا ہوگا - مگر جب اونہوں نے اس کتاب کو بغور دیکھا تو انکی تسلی ہو گئی ایک
شخص مجھسے کہا کہ میں تمہیں ایک گدھا اور سامان کے سولہ گٹھے دیتا ہوں - یہ کتاب
مجھے دیدو - اگر عربی زبان میں مختصر دینی سوال و جواب کی کتاب شایع کرکے تقسیم
کی جائے تو اسکا عجیب اثر ہو تو نہ ترجیح بہت قلیل پڑتا - بہت سے لوگ مسیحی مذہب
کے اصولوں سے واقف ہو جاتے - چونکہ کتاب اور کاغذ اور چھپائی میں چھاپہ کی
کتابیں قلمی نسخوں سے ہزار درجے اعلی ہوتی ہیں - اسلئے اس قسم کی کتاب مدرسہ کے
نصاب میں داخل ہو جاتی - جس سے بہت فائدہ کی توقع لگائی جاسکتی ہے -

جب میں نے دیکھا کہ افریقہ کے بعض حصوں میں علم کی قدر کیجاتی ہے
تو میرے دل میں مذکورہ بالا خیالات پیدا ہوئے - کماليہ کے اسکول کے تمام لڑکے
بت پرستوں کے بچے تھے - انکے والدین حضرت محمد کے اصولوں کو ترجیح دینے کی
پرواہ نہ کرتے - انکا مقصد اپنے بچوں کی تعلیمی ترقی تھا - اگر کوئی زیادہ ترقی یافتہ
طریقہ رائج کیا جاتا - تو لوگ اسے ترجیح دیکر رائج کر دیتے - بچے رشک کے خیال پر
مقرر تھے - حالانکہ استاد کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ مدرسہ کے لڑکے ریس کرنے کے
عادی بن جائیں - جب کوئی لڑکا قرآن ختم کر لیتا ہے اور بعض دعائیں یاد کر لیتا
ہے - تو مدرس ایک عام جلسہ کرتا ہے - اور اسکا امتحان لے کر اسے سند دیتا ہے
مجھے اس قسم کے جلسوں میں تین مرتبہ جانیکا موقعہ ملا - اور طلبا کے جوابات سنکر
جو ممتحنوں کے سوالات کے دیئے جاتے ہیں - بہت خوش ہوا - جب ممتحن سوالات
سے اپنی دلجمعی کر لیتے تو لڑکے سے قرآن کا آخری صفحہ باواز بلند پڑھایا جاتا - اسکے
بعد لڑکا ورق کو پیشانی سے لگاکر "آمین" کہتا - تمام ممتحن اوٹھکر کھڑے ہو جاتے
اس سے سرگرمی سے مصافحہ کرتے - اور لڑکا "بشرین" یعنی عالم سمجھا جاتا - جب

امتحان ہو جاتا ہے۔ تو لڑکے کے والدین کو اطلاع دیجاتی ہے۔ کہ تمہارے
لڑکے نے تعلیم حاصل کرلی ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ تم مدرس کو یا تو ایک
غلام معاوضہ میں دو۔ یا اوس کے برابر قیمت۔ اگر والدین آسودہ حال ہوں۔ تو
غلام یا اسکی قیمت مدرس کو دیجاتی ہے۔ اگر وہ غریب ہوں۔ تو لڑکا مدرس کا
غلام سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنی محنت سے روپیہ پیدا کر اور فدیہ ادا کرکے رہا ہو جاتا
ہے۔ کاروان کے روانہ ہو جانے کے بعد ایک ہفتہ تین مور تاجر بہت سا نمک
اور سامان تجارت لے کر آئے۔ یہ سامان اونہوں نے ایک تاجر سے اُدھار لیا
لیا تھا۔ اور ایک ماہ کے بعد سامان کو فروخت کرکے اوسکی قیمت ادا کرنے
کا اقرار تھا۔ چونکہ وہ بتے۔ اسلئے کاروان کے دو مکانوں میں اتارے
گئے۔ اور کل سامان بڑے نفعے کے ساتھ فروخت کردیا۔

۲۴۔ جنوری کو کاروان کمالیہ کو واپس آیا۔ اپنے ہمراہ تیرہ جوان غلام
لایا۔ اور کئی آدمی اور بھی آئے۔ اور کن کابہ سے ایک جوان عورت سے
شادی کرکے اسے بھی اپنے ساتھ لیتا آیا۔ یہ اسکی چوتھی بیوی تھی۔ اسکی قیمت
کے بجائے اوسنے تین غلام اوس لڑکی کے والدین کو دیئے تھے۔

کاروان کی دوسری بیویوں نے اسکا استقبال مہربانی سے کیا۔ اور اسے
ایک عمدہ مکان کے اندر لے گئیں۔ جو پہلے ہی سے صاف کرایا گیا تھا۔

اسی اثنا میں میرے کپڑے بہت پھٹ گئے تھے۔ مجھے گھر سے باہر نکلتے ہوئے
بہت شرم آتی تھی۔ کاروان نے اپنے سفر سے واپس آنیکے دوسرے روز مجھے ایک
جوڑا دیسی کپڑوں کا دیا۔ جتنے غلام کاروان اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ سب کے
سب قیدیاں جنگ تھے۔ سپاہ بمبارہ نے اون کو ملک کارٹہ۔ اور وسیلاد
کی جنگوں میں گرفتار کیا تھا۔ وہ تین سال تک سیگو میں رہے۔ سیگو سے بہت سے
غلام ممبیا اور ہماکو۔ اور کن کابہ کی منڈیوں میں فروخت کے واسطے لائے
گئے تھے۔ بہت سے غلاموں کا ان مقامات میں سونیکے ذروں سے تبادلہ کرلیا
جاتا ہے۔ اور باقیوں کو ننگاری میں بھیجا جاتا ہے۔

بارہ غلاموں نے مجھسے کہا۔ کہ وہ بچپن سے غلامی کی حالت میں چلے

آئے ہیں۔ دو آدمیوں نے اپنے حالات بتانے سے انکار کیا۔ وہ سب کے سب بہت سے سوالات پوچھنے کے بہت مشتاق تھے۔ شروع میں مجھسے بہت ڈرتے تھے۔ اور مجھسے بار بار پوچھا۔ کیا یورپ کے لوگ آدم خور ہوتے ہیں؟ وہ یہ دریافت کرنے کے از حد خواہشمند تھے۔ کہ جب غلام سمندر سے پار چلے جاتے ہیں۔ تو ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ حبشی غلاموں سے زمین کاشت کرائی جاتی ہے۔ لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ ایک شخص نے زمین پر ہاتھ رکھکر پوچھا۔ کیا اسی قسم کی زمین تمہارے ہاں بھی ہوتی ہے؟ ان کے دل میں عام یہ خیال جاگزین ہو گیا ہے۔ کہ گورے لوگ غلاموں کو خرید کر لے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کو مار کر کھاتے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ غلام ساحل سمندر کی طرف جانے میں سخت گھبراتے ہیں۔ غلاموں کے تاجر ان کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھاگ جائیں۔ دو غلاموں کی ایک دایاں ٹانگ بیڑیوں سے باندھ دی جاتی ہے۔ جس سے وہ بھاگ نہیں سکتے صرف آہستہ آہستہ چل سکتے ہیں۔ اسی طرح چار چار غلاموں کی گردنوں کے گرد چمڑے کی مضبوط رسی ڈالدی جاتی ہے۔ اور رات کے وقت ان کے ہاتھوں میں بیڑیاں ڈالدی جاتی ہیں۔ یا لوہے کی ہلکی زنجیر سے انکی گردنیں باندھ دی جاتی ہیں۔ بعض غلاموں کو بھاگنے کی کوشش کر چکے ہوں۔ ایک مختلف طریقے سے باندھا جاتا ہے۔

جب تک غلام کمالیہ میں رہے۔ غلاموں کے ساتھ بہت اچھا سلوک ہوتا رہا۔ صبح کے وقت ان کو تمر ہندی کے درخت کے نیچے بٹھا دیا جاتا۔ جہاں تمام غلام ہر قسم کے کھیلوں سے اپنا جی بہلاتے تھے۔ بعض غلام اپنا وقت ہنسی خوشی سے گزار دیتے تھے۔ مگر بہت سے بہت افسردہ خاطر رہا کرتے تھے۔ شام کے وقت ان کو دو بڑے مکانوں میں لے جا کر بند کر دیا جاتا۔ کافر کے خانگی ملازم انکی نگہبانی رات بھر کرتے تھے۔ ان کے باوجود بھی ایک ہفتہ کے بعد ایک شخص کے ہاتھ کسی طرح سے ایک چاقو لگ گیا جسنے اپنی بیڑیاں کاٹ ڈالیں۔ اور بھاگ گیا۔ اگر وہ دوسروں کی مدد کرتا۔ تو وہ

بھی بھاگ جانے مگر اوس نے اور کسی کی پرواہ نہ کی مجھے چھٹتے ہی بھاگ گیا۔

چونکہ تمام غلام اور تاجران غلامی جمع ہو گئے تھے۔ اسلئے چند ہی روز میں یعنی گیمبیا دہ کیطرف قافلے کے چلنے کی توقع تھی۔ کئی دفعہ روانگی کا دن مقرر کیا گیا۔ مگر اسے بار بار بدلنا پڑا۔ کیونکہ آدمی اپنے عزیزوں سے ملنے میں مصروف تھے۔ اور اشیائے خوردنی میں مصروف تھے۔ بعض اپنے قرضخواہوں سے روپیہ لینے اور حساب بیباق کرنے سے فارغ نہیں ہو چکے تھے۔ اخیر میں ایک دن مقرر کرنے واسطے رمّال سے مشورہ کیا گیا۔ اسی طرح ماہ فروری کا ایک حصّہ گزر گیا۔ سب تاجروں نے مشورہ کیا کہ پورنماشی کے بعد چلیں گے۔ حبشی لوگ تضیع اوقات کی اہمیت سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اگر اسے کوئی ضروری اور اہم کام کرنا ہے۔ تو وہ جلدی تمام کرنیکی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے آرام کو سب باتوں پر ترجیح دیتا ہے۔

رمضان کے روزے بڑی احتیاط اور پابندی سے منائے گئے۔ انہوں نے مجھے روزے رکھنے پر مجبور نہیں کیا۔ جیساکہ موروں نے ایک دفعہ کیا تھا۔ کافروں نے بڑی آزادی دیدی تھی۔ چونکہ میں اونکے مذہبی خیالات کی تعظیم کرنا چاہتا تھا اس لئے اپنی خوشی سے تین روزے رکھے۔ اسکی وجہ سے مجھے کافر کا خطاب نہیں دیا گیا۔ روزوں کے ایام میں تمام تاجران غلامی صبح کے وقت کا دفتہ کو سکالوں پر جمع ہوکر مدرس سے ایک کتاب پند و نصائح سنا کرتے تھے۔ شام کے وقت محمدی مذہب کی معتقد عورتیں جمع ہوکر مسجد میں دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ انکا لباس سفید تھا۔ وہ دعا کے وقت اپنے مذہب کے مطابق کبھی جھکتی تھیں۔ اور کبھی اوٹھتی۔ کبھی بیٹھتی تھیں۔ رمضان کے ایام میں تمام حبشی لوگ بڑے حلیم مزاج اور عاجز طبع ہو گئے تھے۔ حالانکہ اس موقعہ پر مور لوگ بڑا تعصب اور درشتی ظاہر کرتے ہیں۔ جب رمضان گزر گیا۔ تو تمام بُشترین لوگ مسجد میں نیا چاند دیکھنے کے واسطے جمع ہوئے۔ مگر شام کیوقت بادل ہونیکی وجہ سے چاند دکھائی نہ دیا۔ اس لئے لوگوں نے دوسرے روز بھی روزہ رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد بادل کے اوٹھ جانے سے چاند کا نور نظر آیا جسے دیکھ لوگ باغ باغ ہو گئے۔ ڈھول ڈف بجائے گئے۔ بندوقیں

چلائی گئیں۔ اور ہر ایک طریقہ سے خوشی ظاہر کی۔ چونکہ نیا چاند سعد خیال کیا جاتا ہے۔ اس لیئے کارفہ نے حکم دیا کہ سب کو اپنا سامان باندھکر چلنے کے واسطے تیار ہو جانا چاہیئے۔ ۱۶۔ اپریل کو سب تاجروں نے مشورہ کیا ۱۹ اپریل روانہ کے واسطے مقرر کیا۔ اس سے میری تسلی ہوگئی۔ کیونکہ مجھے روانگی کے التوا کا سخت اندیشہ تھا۔ گو کارفہ میرے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتا تھا۔ مگر میری حالت بہت اچھی نہ تھی۔ غلاموں کے تاجر میرے ساتھ دوستانہ سلوک نہیں کرتے تھے۔ اور مور لوگ میرے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ کارفہ کو مور لوگ طرح طرح کی سچی جھوٹی داستانیں اہل یورپ کی بابت بتایا کرتے تھے۔ اس لیئے مجھے اپنی جان کی سلامتی کے واسطے سخت تشویش تھی۔ اور انکے ساتھ رہتے رہتے میں اونکی طرز معاشرت کا عادی ہوگیا۔ میلے کچیلے مکان اور روکھے پھیکے کھانے کو بخوبی کھالیا کرتا تھا۔ مگر میں وہاں رہتے رہتے اور تفکر کیوجہ سے بہت پریشان اور مضطرب ہوگیا ہے میں مہذب سوسائٹی میں رہنے کا سخت خواہشمند تھا۔ ۱۹۔ اپریل آخر کار روانگی کا دن قریب آیا جسکا میں مدت سے منتظر تھا۔ تاجران غلامان نے غلاموں کی بیڑیاں اوتار کر اون کو کارفہ کے گھر کے سامنے جمع کیا۔ ایک ایک بنچ ہر ایک آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس قافلہ میں ۲۷ غلام قابل فروخت تھے۔ جو کارفہ اور چار اور تاجروں کی ملک تھے۔ مرا یو۔ اور یالا میں آٹھ غلام اور ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔ جنکی کل تعداد ۳۵ ہو گئی۔ آزاد آدمی تعداد میں چودہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کی ایک ایک یا دو دو بیویاں اور خانگی غلام بھی تھے۔ کمالیہ کا مدرس مع آٹھ طالب علموں کے ورادہ کو ہمارے ساتھ ہی روانہ ہو گیا۔ اسلئے آزاد آدمیوں اور خانگی غلاموں کی تعداد ۳۸ تھی۔ اور کاروان کی کل تعداد ۷۳ تھی۔ آزاد آدمیوں میں چھ گوئیے تھے۔ جو وقتاً فوقتاً گا کر ہماری تفریح کے باعث ہوا کرتے تھے۔ اور اجنبیوں پر عمدہ اثر ڈال کر رہنے کے واسطے اچھی جگہ حاصل کر لیا کرتے تھے۔ جب کمالیہ سے روانہ ہوئے۔ تو اس گاؤں کے بہت سے آدمی میل ڈیڑھ میل تک ہمارے ساتھ گئے۔ بعض روسلتے تھے اور بعض کے واسطے آخری مرتبہ مصافحہ کرنیکے واسطے آئے تھے۔ جب کمالیہ سے تھوڑے

فاصلہ پر پہونچے ۔ تو وہاں ایک اونچا ٹیلہ آیا ۔ قافلہ کے تمام آدمی اس جگہ مغرب
کیطرف منہ کرکے بیٹھ گئے ۔ اور گاتوٹی والے ان سے تہوڑے فاصلہ پر بیٹھائے
گئے ۔ مدرس نے دونوں ٹولیوں کے درمیان کہڑے ہوکر دعا مانگی ۔ اسکے
بعد گاتوٹی والوں نے قافلہ والوں کے گرد تین چکر لگائے منتر پڑہے اور بہالے
کی نوک سے زمین میں نشان کئے ۔ اور افسوں پہونکے ۔ جیسا یہ رسم ختم ہو چکی ۔ تو
تمام اہل قافلہ بغیر الوداع کے وہاں سے چل نکلے ۔ بعض غلاموں کی ٹانگوں میں
مدت سے زنجیریں پڑی ہوئی ہیں ۔ جب وہ بوجہہ اوٹھاکر چلنے لگے ۔ تو ٹانگوں
کی رگیں تن گئیں ۔ ایک میل کے فاصلہ پر دو آدمیوں کو بالکل آزاد کرنا پڑا
ہم مرربو میں پہونچے ۔ وہاں سے چند آدمی ہمارے قافلہ میں شریک ہونیوالے
تھے ۔ دو گھنٹے ٹھہر کر ہم بالا کو روانہ ہوئے ۔ وہاں ہم چار بجے شام کے پہونچے
اہل بالا ماہ اپریل میں مچھلی کہاکر گزارہ کرتے ہیں ۔ کیونکہ قرب وجوار کی ندیاں مچھلیوں
سے بہرے پڑے ہوتی ہیں ۔ ہم وہاں دوسرے روز کی سہ پہر تک ٹھہرے رہے
پہر ہم وارم بانگ کیطرف چلدیئے ۔ جو مانڈنگ کا سرحدی قصبہ ہے ۔ چونکہ
ہم جالکون کانے بیابان میں سے گزرنے والے تھے ۔ اسلئے اہل وارم بانگ ہمیں
کہانے پینے کی بہت سی چیزیں دیدیں ۔ ۲۱ ۔ اپریل کو ہم وارم بانگ جانب غرب
جنگل میں داخل ہوئے ۔ تھوڑے فاصلہ پر جاکر اہل قافلہ مشورہ کرنے بیٹھ گئے آیا
ہمکو بیابان سے گزرنا چاہیئے ۔ یا کنا نٹ کورو کی طرف سے سیدھا راستہ اختیار
کرنا چاہیئے ۔ کچھہ دیر تک بحث کرنیکے بعد یہ قرار پایا کہ کنا نٹ کورو سے گذرنا چاہیئے ۔ کیونکہ
یہ وہ قصبہ فاصلہ پر تہا ۔ اس لئے ہم کو کہانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہر ایک شخص نے
اپنا اپنا بقچہ کہولا ۔ اور تھوڑی تھوڑی اشیائے خوردنی کا دفعہ کے پاس لایا ۔
جب کہانیکی چیزیں قرینہ سے چنی جاچکیں ۔ تو اب مدرس نے خدا سے دعا مانگی
کہ وہ ہمارے سفر کے دوران میں ہم کو راہزنوں سے محفوظ و مامون رکھے ۔ اور ہم کو
ہمارے ارادہ میں کامیاب بنائے اور ہم نقصان سے بچے رہیں ۔ جب دعا ختم ہو
گئی ۔ تو کہانا شروع کیا گیا ۔ پانی والے پیکر تازہ دم ہوگئے ۔ اور ہم اپنے سفر پر روانہ
ہوگئے ۔ جب دیر کے بعد ہم دریائے کوکورو کے کنارے پر پہونچے جو سنی گال کا ایک

معاون ہے۔ دریا کے کنارے بلند تھے۔ کراڑوں پر گھاس تھی جس سے ہمنے یہ
نتیجہ نکالا کہ موسم برسات میں دریا میں بیس فٹ تک پانی چڑھتا ہوگا۔ مگر جب ہم اسے
عبور کرنے والے تھے۔ اس وقت اسکا پاٹ بہت تنگ ہوگیا تھا۔ مچھلیاں بکثرت
تھیں۔ گھڑیال بھی بکثرت ہوتے ہیں۔ اس ندی کو عبور کرکے ہم بڑی تیزی سے
آگے بڑھے۔ اور سہ پہر کے وقت کوکورو کے دو معاون عبور کئے۔ غروب آفتاب
کے وقت ہم کنانگ کورو میں پہونچے۔ جو ایک بڑا قصبہ ہے۔ اور زرخیز میدان
میں واقع ہے۔ ہم وہاں ٹھہر کر اپنے ہمراہیوں کا انتظار کرنے لگے۔ جو ہم سے پیچھے
رہ گئے تھے۔ دو غلام ایک عورت اور ایک لڑکی چلتے چلتے بہت تھک گئی تھی اور
ہمارے ساتھ تیزی کے ساتھ نہ چل سکتی تھی۔ ان کے آقا نے اون کو کوڑوں سے
پیٹا۔ تین بجے کے قریب اون کو قے شروع ہوگئی۔ جس سے ظاہر ہوا۔ کہ انہوں
نے مٹی کھالی ہوگی۔ حبشی لوگ مٹی کھانے کے بہت عادی ہیں۔ اسکی وجہ یا تو
اپنا پیٹ بھرنا ہوتی ہے۔ یا خودکشی۔ مگر اصل وجہ مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ یہ
بیچارے جنگل میں پڑے رہے۔ اور تین آدمی ان کے پاس بیٹھے رہے۔ جب اچھے
ہوگئے۔ تو آدمی رات کے وقت ان کو لے کر ہمارے ساتھ آملے۔ مگر تاجر
اون کی حالت کو دیکھکر بہت مایوس ہوگیا۔ اور تالا کو واپس چلے جانیکا ارادہ
کرلیا۔ چونکہ کنانگ کورو مانڈنگ کی حد سے باہر تھا۔ اسلئے ہر قسم کے آداب کی
پابندی کی گئی۔ ہر ایک آدمی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کھڑا ہوگیا۔ سب سے
آگے گویئے تھے۔ ان کے پیچھے آزاد آدمی تھے۔ اسکے بعد غلام آئے۔ جنکے
گلے میں رسی ڈالی گئی تھی۔ اس کے بعد خانگی غلام آئے۔ سب کے اخیر میں تاجروں کی
بیویاں آئیں۔ اس ترتیب سے ہمارا جلوس چلا۔ اور شہر کے دروازے سے ایک
سو گز کے فاصلہ پر پہونچ کر گویوں نے اہل شہر کی تعریف میں بآواز بلند گیت گانے
شروع کردیئے۔ جس میں اونکی مہمان نوازی اور دوستی کا خاص ذکر تھا۔ جب ہم
شہر کے اندر داخل ہوگئے۔ تو ایک جگہ ٹھہر گئے۔ لوگ ہماری سرگذشت سننے
کے واسطے جمع ہوگئے۔ دو گویوں نے ہماری داستان بیان کی۔ جب یہ
کام ختم ہوگیا۔ تو سردار قصبہ نے اون کو ایک تحفہ دیا۔ اور اہل شہر نے قافلہ

کے تمام آدمیوں کو اپنے اپنے گھروں میں اتار لیا۔ کھانا دیا۔ اور رات بھر اپنے
اپنے مکانوں میں رکھا۔

چھبیسویں فصل

ایک داستان جلن کا بیان

ہم کناکٹ کورونیں ۲۲۔ اپریل کی دوپہر تک رہے۔ اس کے بعد ایک گاؤں
کو چلے گئے۔ جو سات میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ فولادو کے فلاحین لوگوں نے
حملہ کا اہل گاؤں کو اندیشہ تھا۔ اسی لئے لوگ عارضی طور پر چٹانوں کے درمیان
جھونپڑے بنانے میں مصروف تھے جہاں نیا گاؤں بن رہا تھا۔ وہاں چاروں
طرف بلند پہاڑیاں تھیں۔ جنکو عبور کرنا محال کے قریب تھا۔ ایک اونچے ٹیلے
پر پتھروں کے ڈھیر تھے۔ جو فلاحین لوگوں پر حملہ کے وقت برسائے جانے والے
تھے ۲۳۔ کی صبح کو ہم گاؤں سے چلے گئے اور جلن کا کے بیابان میں داخل
ہو گئے۔ اثنائے مسافت میں دو گاؤں کے کھنڈروں کے قریب سے گذرے
جن کو فلاحین کے جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا۔ دور سے دیہاتیں دیکھنے سے ایسا
معلوم ہوتا۔ کہ آگ بڑی خوفناک ہوگی۔ دس بجے کے قریب ہم دریائے وانڈہ
کے کنارہ پر پہنچ گئے۔ یہ دریا کوکورو سے زیادہ بڑا ہے۔ مگر اسکا پانی گدلا تھا جسکی
وجہ کلافہ نے مچھلیوں کی کثرت بتائی۔ اور واقعی مچھلیاں ہر طرف بکثرت تھیں۔
پانی کی بو اور ذائقہ بھی مچھلیوں کیسا تھا۔ جب دریا عبور کر چکے تو کلافہ نے حکم دیا
کہ اہل قافلہ کو ایک ساتھ چلنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ دس پانچ آدمی پیچھے ہو لیں اور
باقی آگے چلے جائیں۔ راہبر اور نوجوان سب سے آگے۔ غلام اور عورتیں وسط میں اور
آزاد آدمی سب کے پیچھے تھے۔ ہم بڑی تیزی کے ساتھ ملک جنگلی اور پہاڑی علاقہ
سے گزرے۔ کہیں چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ اور کہیں وادیاں۔ ملک شاداب تھا
غروب آفتاب کے وقت ہم ایک خوبصورت ندی کو ٹیبا نگ کے پاس پہنچے۔
راستہ میں ہرن۔ اور جنگلی مرغ اور تیتر بکثرت دکھائی دیئے۔ میرے باذوق

رہنے کے باعث جھلس گئے۔ جب ندی کے کنارے پر قافلہ ٹھیرا تو میں نے اپنے بازوؤں کو پانی میں ڈالدیا۔ شام کی خنکی اور سرد پانی سے بہت تسکین ہوگئی۔ اس ندی سے تین میل کے فاصلہ پر جانب غرب میں ہم رات کے وقت جنگل میں ٹھیرے درندوں کو دور رکھنے کیواسطے ہم نے آگ جلادی۔ اس روز ہمنے تیس میل کی مسافت طے کی تھی۔ اس سلئے ہم تھک گئے۔ مگر کسی شخص نے شکایت نہیں کی۔ رات کا کھانا تیار کیا گیا۔ کافلہ نے ایک شخص سے کہکر ایک درخت کی شاخیں میرے واسطے منگوائیں۔ تاکہ اسکے اوپر میرا بستر بچھایا جائے۔ کھانا کھاکر سو گئے۔ مگر جنگلی جانور بہت شور کرتے تھے۔ اور علاوہ ازیں چیونٹیاں بہت ستاتی تھیں۔ اسلئے نیند اچھی نہیں آئی۔

۲۴- اپریل۔ طلوع آفتاب سے پیشتر ہی "بشرین" لوگوں نے نماز پڑھی اور آدمیوں نے ایک قسم کی طاقت دینے والی چیز پی۔ بعض کمزور غلاموں کو بھی پلائی گئی۔ کافلہ کی ایک غلام عورت بہت کمزور تھی۔ اسے بھی وہ چیز دی گئی۔ مگر اس نے پینے سے انکار کیا۔ سورج کے نکلتے ہی ہم روانہ ہو گئے۔ ایک سنگلاخ اور پہاڑی ملک سے گزرنا پڑا۔ میرے پاؤں بہت زخمی ہو گئے اور یہ اندیشہ لاحق ہوگیا۔ کہیں اہل قافلہ کے ساتھ چل نہ سکونگا۔ لیکن جب میں نے دیکھا۔ کہ اور لوگ مجھسے بھی زیادہ زخمی ہوئے ہیں۔ تو دل کو تسلی آگئی جس عورت نے طاقت والی چیز پینے سے انکار کیا تھا۔ وہ بہت تھک گئی اور ٹانگوں کے درد کی شکایت کرنے لگی۔ اسکا بوجھ دوسرے غلام کو دیا گیا۔ اور اُسے قافلہ کے آگے آگے چلنے کی تاکید کیگئی۔ گیارہ بجے کے قریب ہم ایک نالہ کے کنارہ پر دم لینے کو ٹھیرے۔ غلاموں نے ایک کھوکھلے درخت کے اندر شہد کی مکھیوں کا چھتہ دیکھا۔ اور شہد لینے کو بڑھے۔ مگر مکھیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا اور ہم کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں سب سے پہلے مکھیوں کی حالت دیکھکر بھاگ نکلا تھا۔ اس لئے بچ گیا۔ جب مکھیاں چلی گئیں۔ تو سب آدمی اپنے اپنے بدنوں سے مکھیوں کے ڈنک نکالنے میں مصروف ہوگئے۔ لوگ اپنے پیچھے بوجھ چھوڑ آئے تھے۔ اس لئے ان کو واپس جانا پڑا۔ وہ کمزور عورت جسکا ذکر پیچھے آیا کر

قافلہ سے الگ رہ گئی۔ چونکہ راستے میں مکھیاں تھیں۔ اسلئے چشمہ کے مشرق میں گھانس کو آگ لگائی گئی۔ جسکے دہوئیں کے باعث لوگ اپنا سامان لینے کے لئے پیچھے گئے۔ بیچاری کمزور عورت نیابی۔ نالہ کے کنارہ پر لیٹ رہی تہی۔ غلام اسے بہی اوٹہا کر لائے۔ اس کو بہی مکھیاں نے بُری طرح کاٹ کہایا تہا۔ اس کے بدن سے ڈنگ لگائے گئے۔ اور اسے پانی میں نہلا چکے بدن پر لگائے گئے۔ مگر کچھہ فائدہ نہ ہوا اسنے چلنے سے انکار کیا۔ اسے نرمی سے سمجہایا گیا۔ مگر نہ مانی۔ دھمکیوں کی بہی پرواہ نہ کی۔ آخر کار کوڑے سے مانی۔ اور چند گھنٹہ تک قافلہ کے آگے تیز قدم رہتی رہی۔ ایک جگہ اسنے بہاگنے کی کوشش کی۔ مگر کمزور ہونے کی وجہ سے گہاس میں الجہہ کر گر پڑی۔ پہر کوڑے سے کام لیا گیا۔ مگر اسکا کوئی اثر نہ ہوا۔ اسپر کارفہ نے کہا ایک گدہے پر اسے چڑہا دو۔ لیکن وہ اپنے آپکو سنبہالنے کے قابل نہ تہی۔ اسواسطے بانس کی سلاخوں کی ایک پالکی بنائی گئی۔ عورت کو اس میں ڈالکر دو غلاموں کے کندہوں پر اسے اٹھوایا۔ کیونکہ تاجر اُسے پیچھے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اسی حالت میں ہم ایک پہاڑی کے قریب ایک نالہ پر پہونچے۔ اور وہاں شب باشی کا ارادہ کرکے ڈیرے ڈالدیئے ہمنے کئی گھنٹے سے کہانا نہیں کہایا تہا۔ اس لئے رات کے کہانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ غلام بہوک سے تنگ آکر اپنی انگلیوں کے سرے کہا گئے۔ جو اسبات کی علامت تھی۔ کہ وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہیں۔ اس لئے ان کے ہاتھ پاؤں باندہ دیئے گئے۔ اور باقی غلاموں سے الگ رکہے گئے۔ جسکے باعث صبح کے وقت اونکی حالت قدرے بہتر ہوگئی +

۲۵- اپریل- صبح کے وقت نیابی بیدار کیگئی۔ مگر اسکے اعضا اسقدر اکڑ گئے تھے۔ کہ وہ نہ تو چل سکتی تہی۔ اور نہ کہڑی ہو سکتی تھی۔ اس لئے اسے گدہے پر لاد کر اسکے ہاتھہ گدہے کی گردن کے اردگرد اور ٹانگیں اسکی پیٹ کے نیچے باندہ دیگئیں لیکن وہ جانور بہت شریر تہا۔ اسلئے اس بیچاری عورت کو نیچے پٹک دیا۔ جس سے اسکی ٹانگ مجروح ہوگئی۔ جب کوئی تدبیر اسے لیجانے کی کارگر نہ ہوئی۔ تو اہل قافلہ نے اسے قتل کر دینے کی ہانک لگائی۔ میں اس قسم کی بیرحمی برداشت نہ کرتا تہا۔ اسلئے آگے بڑہا۔ میں ایک میل گیا تہا۔ کہ کارفہ کا ایک غلام اس عورت کے کپڑے لیکر میرے پاس

پہونچا۔ میں نے خیال کیا کہ نیالی کو قتل کرنیکی عوض اوس شخص کو اسکے کپڑے دیئے گئے تھے لیکن استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ مدرس اور کاروالے قتل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے سڑک پر چھوڑ دی۔ غالباً وہاں جنگلی درندوں نے اسے کھالیا ہوگا +

اس عورت کے حشر کا تمام قافلہ والوں پر بہت گہرا اثر ہوا۔ مدرس نے دوسرے دن پورہ روزہ رکھا۔ تمام قافلہ خاموشی سے چلتا رہا۔ اور ہم دریائے فرکو کے کنارے پر پہونچے۔ جو دریائے وآنده کی برابر تھا۔ سب آدمی بڑی تیزی سے چلنے لگے۔ کیونکہ بیچاری نیالی کا حشر سب کو خائف کر رہا تھا۔ مگر میں انکی برابر چل نہ سکتا تھا۔ میں نے بہالا بھی پھینکدیا۔ اور جو چیز بوجھ والی تھی میں نے اسے بھی زمین پر دے مارا۔ دوپہر کے وقت جنگلی ہاتھیوں کا جھنڈ دیکھا جنہے ہماری کوئی پرواہ نہ کی۔ شام کے وقت ہم بانسوں کے جنگل میں پہونچے۔ وہاں شب باشی کا ارادہ تھا۔ مگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے چار میل آگے جانا پڑا۔ جہاں ایک نالہ تھا۔ وہاں ہمنے رات کاٹی اس روز ہم ۲۶ میل چلے۔

۲۶- اپریل صبح کے وقت مدرس کے دو شاگردوں نے ٹانگوں کے درد کی شکایت کی۔ ایک غلام کے پاؤں میں چھالے پڑگئے تھے۔ وہ لنگڑا کر چلتا تھا۔ مگر ہم روانہ ہوگئے۔ گیارہ بجے کے قریب ہم بلند پہاڑی پر پہونچے۔ اور دو بجے کے قریب اس سے گزر کر ہموار میدان میں جا پہونچے۔ یہ راستہ دشوار گذار تھا۔ ہمارے پاؤں اس سے مجروح ہوگئے۔ اسکے تھوڑی دیر بعد ہم دریائے بوگی کے کنارے پر پہونچ ہم اسے عبور کر گئے۔ اس سے ایک میل کے فاصلہ پر ہم ایک سڑک پر پہونچے۔ جو شمال و مشرق کا رخ اختیار کر کے گاڈو میں پہونچتی ہے۔ وہاں نرم زمین پر گھوڑوں کے سموں کے نشان تھے۔ تاجروں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ راہزنوں کی ایک جماعت کسی قصبہ کو لوٹنے کے واسطے گزری ہے۔ انکو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ہمارے پاؤں کے نشان دیکھکر قزاق ہمارا تعاقب کریں اس لئے حکم دیا گیا کہ تمام آدمی لمبی لمبی گھاس پر سے چلیں۔ ہم ایک کنوئیں پر پہونچے اور وہاں ڈیرے ڈالدیئے۔

۲۷- اپریل - ہم صبح کے وقت اوٹھکر جلدی جلدی چلے - تاکہ شام ہونے سے پیشتر ہم کسی گانوں یا قصبہ میں جا پہونچیں - راستہ بانسوں کے جنگلوں سے گذرتا تہا - دو بجے کے قریب ہم دریاے سن سن کو لو کے قریب پہونچے - وہاں تھوڑا سا کہانا کہایا - چار بجے شام کے ہم سوسی ٹا میں پہونچے - جو جلن کا ایک گانوں ہے اور ضلع میں واقعہ ہے - سینی گال کے معاون سیاہ دریا کی گذرگاہ اسی ضلع کے علاقہ میں شامل ہے - صرف یہی ایک قصبہ تہا - جس میں سو اسو میل کے بعد پہونچے اوس گانوں میں بڑی منت وسماجت سے ہمنے چند مکان شب باشی کے واسطے لئے مگر گانوں کے سردار نے کہا - کہ وہ ہمکو اشیائے خوردنی نہیں دے سکتا - جسکی وجہ خشک سالی تہی - ۲۹ روز تک لوگ بہوکے رہے - اور بانس کے بیجوں پر گزران کرتے رہے - بانس کے بیج بہی بہیگر یا ابال کر کہاتے ہیں - جو چانول کا سا مزا دیتے ہیں - ہماری اشیائے خوردنی بافراط نہیں - اسلئے ہمنے رات کے وقت کہانا تیار کرکے کہایا - اور دہقانیوں کو بھی کہلایا - مگر اونہوں نے ہمارے ساتھ بڑی بے ایمانی کی - رات کے وقت مدرس کے ایک شاگرد کو جو خوب گہری نیند سو رہا تہا - اوٹھاکر بہاگ گئے - راستہ میں لڑکے کی آنکہیں کہل گئیں - اور شور مچانے لگا - دیہاتیوں نے خیال کیا - ایک آدمی نے اسکا منہ بند کردیا - اور اسے لیکر جنگل کیطرف لپکا - مگر یہ خیال کرکے کہ لڑکا مدرس کا شاگرد ہے - جسکا گانوں یہاں سے تین روز کی مسافت پر ہے - وہ ضرور معلوم کریگا - اور شور مچائیگا - چنانچہ یہ خیال کرکے لڑکے کو ننگا کرکے چھوڑ دیا -

۲۸- اپریل - علے الصباح ہم سوسیٹا سے روانہ ہوگئے - دس بجے کے قریب ایک قصبہ متّا کے قریب پہونچے - جس کے اردگرد کوئی دیوار نہ تھی - اس قصبہ کے لوگ نٹا درخت کے پہل جمع کرنے میں مصروف تھے - جو اسکے قرب وجوار میں بیشمار تھے - اسکی پہلیاں لمبی اور پتلی ہوتی ہیں - اور ان کے اندر کالے بیج ہوتے ہیں - دودہ یا پانی کے ساتھ ملاکر کہانا بہت مفید اور لذیذ ہوتا ہے -

متّا کے باشندوں کی بولی وہی ہے - جو جلن کا ڈو میں بولی جاتی ہے بعض لفظ مانڈنگو کی بولی سے ملتے ہیں -

اہل جیلن کئی چھوٹے چھوٹے سرداروں کے ماتحت اور ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ انکا کوئی شہنشاہ نہیں ہوتا۔ سردار ایک دوسرے سے بہت جلتے ہیں۔ اسلئے ان کے درمیان اتفاق نہیں رہتا سردار منٹا اپنے چند ہمراہیوں سمیت دریائے بانفنگ تک ہمارے ساتھ گیا۔ دریا بانفنگ دریائے سنیگال کا سب سے زیادہ اور بڑا معاون ہے ہمنے اسے ایک بانسوں کے ایک پل کے ذریعہ سے عبور کیا۔ اس مقام پر دریا گہرا اور مسطح ہے۔ دونوں طرف بلند درخت کھڑے ہیں۔ اگر انکی چوٹیاں باندہ دیجائیں تو دونوں جانب کے درخت ایکدوسرے سے لجاتے ہیں۔ جب دو چار درخت قریب ہو جاتے ہیں۔ تو خشک بانس ڈالکر ایک چھوٹا سا پل بنا دیا جاتا ہے۔ مگر جب سیلاب آتا ہے۔ تو پل بہ جاتا ہے۔ اہل منٹا کو ہر سال ایک نیا پل بانسوں کا تیار کرنا پڑتا ہے۔ ہر ایک مسافر سے کچھہ نہ کچھہ معاوضہ لیا جاتا ہے۔

سہ پہر کے وقت ہم کئی گاؤں سے گزرے۔ مگر ہم کو شب باشی کے واسطے کوئی جگہہ نہیں ملی۔ شام شفق کے وقت ہم کو خبر ملی۔ کہ دو سو اہل جالن کا۔ قصبہ میلو کے قریب ہمکو لوٹنے کے واسطے جمع ہیں۔ ہم کو اپنا راستہ بدلنا پڑا۔ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ہم آدھی رات تک چلے گئے۔ جسکے بعد ایک قصبہ کوبہ نامی آیا۔ قصبہ کے اندر داخل ہونے سے پیشتر اہل قافلہ کی حاضری لیگئی۔ تین غلام اور ایک آزاد آدمی گم پایا گیا۔ ہر شخص یہ خیال کرنے لگا۔ کہ غلام آزاد آدمی کو قتل کرکے بھاگ گئے۔ اسلئے یہ قرار پایا۔ کہ چھہ آدمی واپس جاکر دریافت کریں۔ اگر لاش ملے۔ اگر لاش ملے۔ تو اسے اٹھا لاویں۔ یا دیہاتیوں سے غلاموں کی بابت دریافت کیا جائے۔ قافلہ کو حکم دیا گیا۔ کہ کپاس کے کھیت میں چھپ جائے۔ کوئی آدمی اونچی آواز سے بات نکرے چونکہ ۲۴ گھنٹوں تک ہمنے کچھہ نہیں کھایا تھا۔ اسلئے چند آدمیوں کو کوبہ میں بھیجا۔ کہ وہ کھانے پینے کی چیزیں لے آئیں۔ طلوع آفتاب سے پیشتر کادفہ کے سردار نے کچھہ چیزیں کھانے کی خرید لایا۔ ہمنے خوب کھانا کھایا۔ بعد اذاں ہم کو چھہ ہمراہی سے مل گئے۔ اور دن بھر خوب آرام کیا۔

گیارہ بجے کے قریب آزاد آدمی اور گم شدہ غلام قصبہ کے اندر داخل ہوئے

ہم کو بڑی خوشی ہوئی۔ راستہ میں ایک غلام کے پاؤں کو سخت چوٹ آئی۔ رات تاریک تھی قافلہ گم ہوگیا۔ آزاد آدمی نے ان کے پانوؤں میں بیڑیاں ڈالدیں۔ پہلے تو غلام رضامند نہوے۔ لیکن جب آزاد آدمی نے اون کو قتل کرنیکی دھمکی دی۔ تو غلاموں نے کسی قسم کی جدوجہد نہ کی۔ اسکے بعد چاروں آدمی جھاڑیوں میں چھپے رہے جب دن نکل آیا۔ تو کوبہ کی طرف چلے آئے۔ ہم کو اسی قصبہ میں معلوم ہوا۔ کہ اہل جلن کا ہمارے لوٹنے کے واسطے ارادہ تھے۔ ہم کو ۳۰ تاریخ تک وہیں ٹھہرنا پڑا۔ کافلہ نے بہت سے آدمی وہاں سے بلوالئے۔ تاکہ اگر بدمعاش حملہ کریں۔ تو محفوظ رہ سکیں کوبہ سے ہم برٹن کنگ ٹنک کو گئے۔ وہانسے روانہ ہوئے۔ ایک کوہستانی علاقہ سے گذرے۔ اور دریائے بافنگ کے مغرب کا رخ کیا۔ شام کے وقت موضع لنگی کوٹہ میں جو ضلع ورادو میں ہے۔ پہونچے۔ اس گانوٗں میں ہمنے اپنا زادراہ ختم کردیا۔ اسروز ہم صبح سے بغیر کہانا کہانے کے سفر کرتے رہے تھے۔ مئی

۲۔ مئی۔ ہم لنگی کوٹہ سے روانہ ہوئے۔ غلام بہت تہک گئے تھے۔ رات کے وقت ایک گانوٗں میں قیام کیا۔ مدرس کے وسیلہ سے ہمنے کچہہ کہانے پینے کی چیزیں خریدیں۔ اوس نے ایک آدمی اپنے گانوٗں مالاکوٹہ کو روانہ کردیا۔ اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کو اپنے آنے کی اطلاع دیجی۔ اور نیز یہ کہلا بھیجا کہ قافلہ کی مہمان نوازی کے واسطے تمام سامان تیار رہنا چاہیئے۔

۳۔ مئی صبح کے وقت مالاکوٹہ کو روانہ ہوئے۔ دوپہر کے وقت ایک نالے کے قریب پہونچے۔ جو مغرب کی جانب بہتا ہے۔ ہم وہاں ٹہر کر اوس پیغام رساں کا انتظار کرنے لگے۔ جسے مدرس نے مالاکوٹہ کو بھیجا تہا۔ دیسیوں نے مجہے کہا۔ کہ نالہ میں گہڑیال نہیں ہیں۔ اسلئے میں نہانے لگا۔ لوگ تیرنے کے ہنر سے ناواقف ہیں کئی آدمیوں نے مجہے اس نالہ کے گہرے پانی میں جانے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ دو بجے کے قریب پیغام رساں واپس آیا۔ اسکے ساتھ مدرس کا برادر کلاں بھی تہا۔ کیونکہ وہ اپنے بہائی کو ملنے کا بہت مشتاق تہا۔ دونوں بہائی نو برس کے بعد بڑے پیار اور الفت سے ملے۔ ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے دیر تک کچہہ بات نہ کرسکے۔ جب جوش قدرے سرد ہوا تو مدرس نے اپنے بہائی کا

ہاتھ پکڑ کر اور کارفہ کیطرف مخاطب ہوکر "یہ شخص مانڈنگ میں میرے ساتھ والد کیطرح مہربانی کرتا رہا ہے۔ میں تمہیں جلدی بتا دیتا۔ مگر میرا دل بہت بھرا ہوا تھا"
شام کے وقت ہم مالاکوٹہ میں پہونچے۔ وہاں ہمارا استقبال عمدہ طور پر کیا گیا۔ مالاکوٹ کے اردگرد کوئی دیوار نہیں ہے۔ گھر بانس کی جھڑیوں کے ہوتے ہیں۔ جنکے اوپر گارا ڈالا جاتا ہے۔ ہم وہاں تین روز تک رہے۔ ہر روز ایک سانڈ ذبح کیا جاتا تھا اہل شہر نے بھی خوب خاطر مدارات کی۔ لوگ بہت چست دچالاک اور محنتی ہوتے ہیں۔ وہ صابون بنانے میں بہت شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ لوہا بھی گڑھالا اور تیار کیا جاتا ہے۔ اسکا نمک سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ ایک جماعت ہمارے جانے سے پیشتر تجارتی سفر سے واپس آئی تھی۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ شاہ فوط تولا اور شاہ جالف کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہے۔ ہر جگہ اسی جنگ کا ذکر ہونے لگا۔ سنی گال اور سن گیمبیا کے قرب وجوار کے علاقہ ہر جگہ اسی کا ذکر ہوتا تھا۔ شاہ فوط تولا نے اپنے ذکر کی اشاعت کے جوش سے ایک سفارت شاہ جالف کے پاس بھیجی۔ ایلچی کے ہمراہ دو دو علما بھی گئے جنکے ہاتھوں میں دو بانس تھے۔ اور ان کے سرے پر چھرے تھے۔ جب ایلچی کو بادشاہ کے دربار میں اجازت مل گئی۔ تو اس نے اپنا مقصد چھروں کو نذر کرکے ظاہر کیا۔ اس چھری سے بادشاہ عبدالقادر ڈامیل کے سر کے بال کاٹیگا۔ اگر وہ محمدی مذہب کو قبول کرے اور اس دوسرے چھرے سے ڈامیل کا گلا کاٹا جائیگا۔ اگر وہ مسلمانوں کے مذہب کو قبول کرنے سے انکار کریگا۔ جو تمہیں پسند ہو کرو۔"
ڈامیل نے بڑی نرمی اور متانت سے کہا۔ میں کچھ بھی پسند نہیں کرسکتا۔ نہ تو میں اپنا سر منڈوانا چاہتا ہوں اور نہ حلق کٹوانے کا خواہاں ہوں۔ یہ کہکر ایلچی کو اخلاق کے ساتھ رخصت کیا۔ عبدالقادر شاہ فوط تولا نے جنگ کی تیاری کرکے شاہ جالف پر حملہ کیا۔ ڈامیل کی رعایا جنگ کی خبر سنتے ہی گاؤں اور قصبے چھوڑ بھاگے۔ کنوئیں پر کردیئے۔ سامان خوردنی برباد کردیا۔ جو کچھ لیجا سکے لیگئے۔ جہاں کہیں عبدالقادر کی سپاہ گذرگئی۔ وہاں بربادی اور اجاڑ دیکھی۔ اسی طرح شاہ فوط تولا کا لشکر اہل جالف کے ملک میں تین روز کی مسافت سے

علاقہ میں گہستا چلا گیا۔ عبد القادر کی کسی نے مزاحمت نہ کی۔ مگر اس کے سپاہی پیاس سے عاجز آکر مرگئے۔ اسپر مجبور ہوکر ایک جنگل کا رخ کیا۔ جہاں پانی کا چشمہ تہا۔ پیاسی سپاہ نے خوب پیٹ بہر کر پیا۔ تکان سے مجبور ہوکر تمام لشکر جہاڑیوں میں سو گیا۔ ڈامیل نے موقعہ دیکہکر حملہ کیا۔ صبح ہونے سے پیشتر ہی تمام لشکر عبد القادر کا صفا کر دیا۔ اہل جالف کے گھوڑوں کے سموں کے نیچے بہت سے سپاہی عبد القادر کے لشکر کے کچل کر مرگئے۔ بہت سے بہاگتے ہوئے کام آئے۔ اور ایک کثیر تعداد قید ہوگئی۔ قیدیوں میں عبد القادر خود بہی تہا۔ جب ڈامیل کے سامنے لایا گیا۔ تو اس نے بڑی نیک دلی اور شرافت سے اپنے دشمن کو پوچہا "عبد القادر اسبات کا جواب دو۔ اگر تم فتحیاب ہوتے اور میں مغلوب۔ تو تم میرے ساتھ کیسے سلوک کرتے" عبد القادر نے جوز عجیر سے بندہا ہؤا تہا کہا "میں اپنے بہالے سے تمہاری جان لیتا۔ اور اب میرا حشر بہی یہی ہونیوالا ہے" ڈامیل "نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ میرا بہالا تمہاری سپاہ کے خون سے بہت سرخ ہوچکا ہے۔ اب میں اسکی انی کو تمہارے خون سے سرخ نہیں کرونگا۔ اس سے میری رعایا کی تباہ حالت اور نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ان ہزاروں آدمیوں کی جان میں جان آسکتی ہے جو میدان کارزار میں خاک وخون میں پڑے لوٹ رہے ہیں۔ میں تم کو بیرحمی سے قتل نہیں کرتا۔ لیکن تم کو غلام بنایا جائیگا۔ جب دیکہونگا۔ کہ تم قرب وجوار کے حکمرانوں کیواسطے خطرناک نہیں ہو۔ تو تمہیں آزاد کر دونگا" اسلئے عبد القادر غلام بنا کر رکہا گیا۔ تین ماہ کے بعد باشندگان فوط تورا نے بہت منت وسماجت کی اور قبول ہوئی۔ عبد القادر چہوڑ دیا گیا"۔ گو یہ داستان عجیب ہے۔ لیکن مجہے اسکی صحت وصداقت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ مالاکوٹہ کے حبشیوں نے مجہسے بیان کی تہی۔ بعد ازاں گیمبیا اور گوری کے یورپینوں نے بہی مجہسے یہی داستان بیان کی۔ نو غلاموں نے جو عبد القادر کے ساتھ قید ہوئے تہے۔ اس کی تصدیق کی۔ یہ غلام جزائر غرب الہند کو بہیجے گئے تہے۔

چھبیسویں فصل

ڈاکٹر لیڈلے سے ملاقات ساحل کیطرف آنا اور انگلستان کو روانہ ہونا۔

۸ مئی کو ہم ملاکوٹہ سے روانہ ہوئے سنی گال کے معاون بالی کو عبور کیا۔ شام کے وقت ہم سن تنگ۔ گالا میں پہونچے۔ وہاں ہم دو روز رہے اسکے بعد ہم ڈنڈسی کو روانہ ہوئے۔ یہ علاقہ کوہستانی ہے۔ ان پہاڑیوں میں سونا پایا جاتا ہے۔ مجھے سونیکی ایک مقدار دکھائی گئی۔ اسکے ذرے مانڈنگ کے سونے سے زیادہ بڑے بڑے تھے۔ وہاں میں ایک حبشی سے ملا۔ جسکے بال اور چہرہ قدرتی صاف تھا۔ عرب الہند میں اس قسم کے لوگ گورے حبشی کہلاتے ہیں۔ دیسی لوگ اسکی وجہ ایک بیماری قرار دیتے ہیں۔ شاید برص ہو۔

۱۱ مئی۔ صبح کے وقت ہم ڈنڈسی کو سے چلدیئے۔ اور شام کے وقت ستنا ڈو میں پہونچے پہلے تو یہ قصبہ اچھا بڑا تھا۔ مگر فوطجالا کے فلاعین لوگوں کی لوٹمار کے ہاتھوں سے عاجز آکر کئی خاندان وطن سے چلے گئے۔ ۱۲ مئی کو سہ پہر کے وقت ہم نے دریائے فلیمی کو عبور کیا۔ اس میں صرف دو فٹ گہرا پانی تھا۔ پانی بہت صاف تھا۔ رات کے وقت ہم موضع صیبدی بیتہ میں شب باش ہوئے اوسکا نواب ایک تاجر تھا۔ جسنے مدت سے اہل یورپ سے ربط ضبط پیدا کرکے انکے اوضاع و اطوار اختیار کر لئے تھے۔ اسکا مکان انگریزی وضع کا تھا۔ اور کھانے پینے کے برتن بھی انگریزی وضع کے تھے۔

۱۳ مئی۔ جس وقت ہم چلے۔ تو غلاموں کا ایک اور قافلہ دریا کے کنارے پر مل گیا۔ اور ہمارے ساتھ چلنے کو رضامند ہو گیا۔ بنسیر یل۔ جو بٹلا کا دارالخلافہ تھا۔ جو اس گاؤں سے بہت فاصلہ پر واقع تھا۔ اس لئے ہم سب اکٹھے روانہ ہوئے اور جنگلوں میں سے بڑی تیزی سے گذر گئے۔ دوسرے قافلہ کے ایک غلام نے

اپنا بقچہ زمین پر گرا دیا۔ اسیر اوس بیچارے پر ٹوٹ پڑے۔ بقچہ سر پر رکھا گیا۔ مگر ایک میل جا کر اوس نے پھر گرا دیا۔ اسیر اسے پھر سر سے تازیانہ دی گئی اس کے بعد غلام بیچارہ بڑی تکلیف سے دو بجے تک چلتا رہا۔ ہم ایک نالہ کے کنارے پر سستانے کے واسطے ٹھہر گئے۔ اوس روز غیر معمولی گرمی تھی۔ بیچارہ غلام پریشان تھا۔ اس کے آقا نے اُسے آزاد کر دیا۔ ایک شخص اسکے پاس رہا جو غلام کو رات کے وقت قصبہ میں پہونچانے کا ذمہ دار بنایا گیا تہا۔ ہم رات کے وقت بنیر لی میں پہونچے۔

ہمارے قافلہ کا ایک تاجر اس قصبہ کا باشندہ تہا۔ وہ تین برس تک وہاں سے غیر حاضر رہا تہا۔ اس نے مجھے اپنے گھر میں بلایا۔ اسکے دوست وغیرہ بڑی محبت سے اسے ملے۔ وہ اس کے سامنے ناچتے جاتے تھے۔ جب وہ اپنے گھر کے سامنے بیٹھ گیا۔ تو ایک نوجوان عورت ایک برتن میں پانی لائی۔ اسکے پاؤں دھوئے۔ اور پانی پی گئی۔ یہ عورت اس کی منگیتر تھی اس سے زیادہ وہ کسی اور طریقہ سے اپنی الفت اور وفاداری کا ثبوت نہیں دے سکتی تہی۔ آٹھ بجے شام کے ایک شخص آیا۔ اور کہا۔ کہ وہ غلام جسے راستے میں چھوڑ آئے تھے مر گیا ہے۔ لیکن عام خیال یہ تہا۔ کہ اس شخص نے یا تو غلام کو مار ڈالا۔ یا زندہ چھوڑ کر چلا آیا۔ کیونکہ اہل سیرا وڈلی بڑے سنگدل اور بیرحم آدمی ہوتے ہیں۔ وہاں ہم دو روز رہے۔ وہاں سے چند چیزیں خریدیں۔ جس تاجر کا اس قصبہ میں گہر تہا۔ اسے کسی طرح سے معلوم ہو گیا۔ کہ ساحل پر غلاموں کی قیمت بہت ہلکی ہے۔ اس نے ہمارے قافلے سے معہ اپنے غلاموں کے علیحدہ ہو جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور ہم سے یہ کہا۔ کہ مجھے شادی کر لی ہے۔ اسلئے اسوقت نہیں جا سکتا

۱۶ - مئی - ہم صبح کے وقت اس قصبہ سے چلے گئے۔ دوپہر کے وقت قصبہ جلی کنداہ کے قریب پہونچے۔ مگر ہمارا ارادہ شب باشی کا کروانی کا تہا۔ اسلئے اس سے باہر باہر چلے گئے۔ اور چار بجے وہاں جا پہونچے۔ یہ قصبہ ایک وادی میں واقع ہے۔ اردگرد کا علاقہ صاف اور عمدہ ہے۔ باشندے بہت چست اور محنت کش ہیں۔ انہوں نے زراعت میں بہت کمال پیدا کیا ہے۔ یہ لوگ گوبر جمع کر لیتے ہیں۔ اور

تاکہ غلام بھاگنے نہ پائیں۔ اور جنگلی جانور اکیلے آدمی پر حملہ آور نہ ہوں۔ ہم تیزی
کے ساتھ طلوع آفتاب تک چلتے رہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا۔ کہ ایک آزاد عورت
رات کے وقت گم ہو گئی۔ اسکا نام لے کر زور سے آواز دی گئی۔ مگر کوئی جواب
آیا۔ ہمنے خیال کیا۔ یا تو وہ راستہ بھول گئی یا چپکے سے شیر اسے لے کر بھاگ گیا۔ یہ
قرار پایا۔ کہ چند آدمی اس نالہ تک جائیں۔ جہاں ہم پانی پینے کے واسطے ٹھہرے
تھے۔ ایک گھنٹہ میں سورج نکل آیا تھا۔ جب وہ گم گشتہ رات کو لے کر واپس آئے
یہ عورت ندی کے کنارے پر خوب مزے سے سوتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اسے ساتھ
لے کر ہم اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ گیارہ بجے کے قریب ہم ایک قصبہ تمباکنڈا میں
پہونچے۔ ہمارا وہاں بہت اچھی طرح سے استقبال ہوا۔ ہم وہاں چار روز تک
رہے۔ ہمارے قافلہ کے ایک تاجر مودی لیمن نے اسی قصبہ میں کچھ عرصہ پیشتر
شادی کی تھی۔ اس سے دو بچے ہوئے تھے۔ تاجر بعد ازاں مانڈنگ کو چلا گیا
اور آٹھ برس تک وہاں رہا۔ اور اس عرصہ میں اپنی بیوی کو کوئی خبر نہ بھیجی۔ اس
کے چلے جانے کے تین سال بعد اسکی بیوی نے مایوس ہو کر دوسرے آدمی سے
شادی کر لی۔ اس سے بھی دو بچے ہوئے۔ لیمن اپنی بیوی واپس چاہتا تھا
مگر دوسرا آدمی اسے واپس دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے یہ وجہ بیان کی۔ کہ قوانین
افریقہ کے رو سے تین برس کے بعد اگر اسے اپنے شوہر کی بابت کوئی خبر نہ ملے۔ تو دوسرے
آدمی سے شادی کر سکتی ہے۔ قصبہ کے تمام سردار جمع ہوئے تاکہ وہ اس امر کا تصفیہ
کریں۔ تفتیش کرنیکے بعد یہ قرار پایا۔ کہ یہ معاملہ بیوی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔
اگر وہ چاہے۔ تو اپنے پہلے خاوند کے پاس چلی جائے۔ اگر اسکی مرضی ہو۔ تو وہ
دوسرے کے پاس رہے۔ یہ فیصلہ عورت کے حق میں تھا۔ مگر اسکا فیصلہ کرنا
بیوی متنازع کے واسطے مشکل تھا۔ اس لئے اسنے مہلت مانگی۔ لیمن عمر
میں اپنے حریف سے زیادہ تھا۔ مگر شکل میں اس سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ میں نہیں
بتا سکتا۔ کہ بیوی اسکی جہاں تک اسنے پہلے خاوند کی آسودہ حالت کو ترجیح دیتی تھی۔
۲۶ مئی کی صبح کو ہم تمباکنڈا سے روانہ ہو گئے۔ ایک بجے کے قریب ہم
سبی کلان میں پہونچے۔ مگر باشندے بد اخلاق اور غیر مہمان نواز تھے اسلئے

ہم شہر کے اندر داخل ہوئے۔ بلکہ اس کے باہر باہر چلے گئے۔ ہم نے ایک درخت کے نیچے ذرا آرام کیا۔ اور پھر چل پڑے۔ رات کے وقت ایک نالہ کے قریب ایک درخت کے نیچے بسیرا کیا۔ دوسرے دن ہم صبح کے وقت اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ میں ہم کو ایک جنگل سنگلاخ علاقہ سے گزرنا پڑا۔ پہاڑی ندیوں میں مچھلیاں بڑی کثرت سے تھیں۔ اس روز کا سفر بہت کٹھن تھا۔ شام کو ہم موضع کومبڑو میں پہونچے۔ اسکے قریب ایک گاؤں کے کھنڈر ہیں۔ جو ایک جنگ کے وقت برباد ہو گیا تھا۔ رات ہم نے کھیتوں میں عارضی جھونپڑے بنا کر کاٹی۔ کیونکہ آثار سے بارش ظاہر تھی۔

۲۸ مئی ہم کومبڑو سے روانہ ہوئے۔ اور ایک گاؤں میں رات کے وقت پہونچے۔ دوسرے دن وہاں سے اوٹھ کر دریائے گیمبیا کے ایک معاون کو عبور کیا۔ اور پھر ایک آباد ملک میں پہونچے۔ کئی قصبے قریب قریب تھے۔ جو ٹنڈا کے نام سے مشہور ہیں۔ ہم کو بہ ٹنڈا میں ٹھہرے۔ اور دوسرے روز بھی اشیائے خوردنی خریدنے کے واسطے اسی جگہ رہے۔ ۳۰ مئی کو ہم جلبن کو بہ میں پہونچے۔ وہاں بونڈو کی طرف سے بہت سے ڈاکو لوٹمار کے اکثر آیا کرتے ہیں۔ ہمارے وہاں پہونچنے سے چند روز پیشتر ہی قزاق بہت سا مویشی چرا کر لے گئے۔ دوسرے روز انہوں نے پھر حملہ کیا۔ مگر ان کی خوب گت بنائی گئی۔ ایک شخص ڈاکو قید بھی ہو گیا۔ ہمارے قافلہ کا ایک غلام جو ایک گوتے کا تھا۔ چلنے کے بالکل ناقابل ہو گیا۔ اس کے آقا نے قصبے میں ایک نوجوان عورت سے تبادلہ کرنا چاہا۔ جو کیا گیا۔ لڑکی بیچاری کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔ جب قافلہ چلنے لگا۔ تو چند عورتیں اسے دیکھنے آئیں۔ لڑکی کے آقا نے اسے پکڑ کر گوتے کے حوالے کر دیا۔ لڑکی کو سخت رنج ہوا۔ نظارہ رقت انگیز تھا۔ نو بجے صبح کے ہم ایک میدان سے گزرے۔ اور دریائے گیمبیا کے معاون تنزیکو کے پاس آئے۔ اسے عبور کیا۔ گوتوں نے ایک گیت گانا شروع کیا۔ جو خوشی کا راگ تھا۔ کیونکہ وہ مغرب کے ملک میں بخیریت پہونچ گئے تھے۔ ملک ہموار اور زمین اچھی قسم کی تھی۔ سہ پہر کے وقت بارش ہوئی۔ رات کے وقت ہم نے ٹانبہ

درخت کے نیچے بسیر کیا۔ دوسرے روز بوکودویا کو عبور کیا۔ اور دو بجے دن کے ہیں۔ دریائے گیمبیا کے کناروں پر دوبارہ پہونچا۔ دل بہت خوش ہوا ہمارے سامنے کا حصّہ دریا گہرا تھا۔ مگر لوگوں نے مجھسے کہا کہ تھوڑے فاصلہ پر نیچے جاکر پانی اتنا کم ہوتا ہے۔ کہ اسے قافلے عبور کر سکتے ہیں۔

۲۔ جون۔ ہم سیبوکند اسے روانہ ہوئے۔ اور چند دیہات کے قریب سے گزرے۔ مگر قافلہ کو ٹھیرنے کی اجازت نہ ملی۔ شام کے چار بجے ہم بلا کنندا میں پہونچے۔ جہاں ہمنے ایک روز قیام کیا ۴ جون کو صبح کے وقت روانہ ہوئے۔ اور شاہ و ڈلی کے دار الخلافہ میدینہ میں پہونچے۔ دسمبر ۱۷۹۵ء میں اس شہر کے بادشاہ نے میرے ساتھ اخلاق سے سلوک کیا تہا۔ میں نے اپنے پرانے کرم فرما کی خیر و عافیت کی خبر پوچھی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ سخت بیمار تہا۔ کارفہ نے قافلہ کو وہاں ٹھیرنے کی اجازت نہ دی۔ اس لئے میں بادشاہ کو سلام نہ کر سکا۔ مگر میں نے محصول خانہ کے ایک افسر کے ہاتھ کہلا بھیجا۔ کہ بادشاہ کی دعا جو میری سلامتی کے لئے کی گئی تہی۔ اکارت نہ گئی۔ ہم شام کے وقت ایک گاؤں میں پہونچے۔ اور دوسرے روز جنڈے میں جہاں ڈیڑھ سال قبل میں ڈاکٹر لیڈے سے جدا ہوا تہا۔ اس عرصہ میں مجھے کسی مسیحی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اور نہ اپنی پیاری زبان کی آواز کان میں سنائی دی۔ میں اس مقام کے قریب آ پہونچ گیا تہا۔ جہاں سے میں نے اپنا سفر شروع کیا تہا۔ چونکہ کارفہ کے غلام فروخت کرنے کا عمدہ موقعہ نہ تہا۔ اس لئے یہ مشورہ دیا گیا۔ کہ وہ اون کو جنڈے میں چھوڑ دے۔ کارفہ نے اس تجویز کو منظور کر کے قصبہ کے سردار سے چند گھر غلاموں کے واسطے کرایہ پر لئے۔ اور ایک اراضی بھی حاصل کیا تاکہ غلام لوگ اناج پیدا کر کے خود اپنی پرورش کا انتظام کریں۔ کارفہ اور ایک فولاہ کا آدمی بھی میرے ساتھی ہو لئے۔ اور ۹ جون کو ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ گو میرا سفر قریب الاختتام تہا۔ اور دوستوں سے ملنے کا متوقع تہا۔ مگر جب میں اپنے بد نصیب ہمراہیوں سے جدا ہونے لگا۔ تو میرا دل بہت بھر آیا۔ اثنائے سفر میں بیچارے غلاموں کو خود بہت تکلیف برداشت کرنی پڑتی تہی۔ مگر وہ میری

خدمتگذاری کرتے رہے۔ رات کو درختوں کی شاخیں میرے بستر کے واسطے
لادیا کرتے تھے۔ اسلئے بڑی حسرت کے ساتھ اون بچارے غلاموں سے جدا
ہونا پڑا۔ میں نے انکو دعائے خیر دی۔ اسکے سوا میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ شام
کے وقت ہم سنڈ اکندہ میں پہونچے۔ اور ایک بڑھیا حبشن کے ہاں اترے۔ جو چند
برس تک ایک انگریزی کارخانہ میں بھی رہ چکی تھی۔ اور ہماری زبان بولتی تھی
اندرونی حصوں کو روانہ ہونے سے پیشتر میں اس عورت سے ملا تھا۔ مگر اس دفعہ
پھٹا میرا لباس پہنا ہوا اور حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ اوس نے مجھے غور سمجھا۔ لیکن میں نے
اپنا نام بتایا۔ تو وہ حیرت کے ساتھ بغور میری طرف دیکھنے لگی۔ اوس نے کہا کہ
کوئی آدمی تمہارے واپس آنے کا منتظر نہ تھا۔ بلکہ موروں کے ہاتھ سے تمہارے
قتل ہونیکی خبر مدت سے مشہور ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے خادموں جانسن اور
ڈمبہ کی بابت دریافت کیا۔ مگر ان کی بابت کوئی خبر نہ ملی۔ کیونکہ وہ واپس
نہیں آئے۔ کارفہ نے پہلے انگریزی میں باتیں کرتے ہوئے کسی کو نہیں سنا تھا۔
اس لئے بغور ہماری گفتگو سننے لگا۔ اس بڑھیا کے گھر میں سامان آرائش بالکل
ولایتی تھا۔ جسکی بابت کارفہ نے بیسیوں سوال مجھ سے پوچھ ڈالے۔

۱۰۔ جون کو رابرٹ اینسلے میری خیر سننکے مجھے ملنے آیا۔ اور اپنا گھوڑا از راہ
عنایت مجھے چڑھنے کے واسطے دیدیا۔ اوس نے مجھے مطلع کیا۔ کہ ڈاکٹر لیڈے
وہاں سے کے انکو چلا گیا ہے۔ اور ایک جہاز لے کر چانول خریدنے گئے ہیں۔
وہ ایک روز میں واپس آئیں گے۔ اس لئے یہ بہتر ہے۔ کہ آپ میرے پاس
ڈاکٹر کی واپسی تک قیام کریں۔ میں نے تجویز کو پسند کیا۔ اور اپنے دوست
کارفہ سمیت پیسانیا میں دس بجے صبح کے پہونچا۔ اس گاؤں کے سامنے
دریا کے کنارے پر مسٹر رابرٹ اینسلے کا اسکونر رہتا۔ جسے دیکھکر کارفہ
بہت متعجب ہوا۔ اسے اس جہاز کی کل کیفیت بتائی گئی۔ مگر اس کے ذہن
میں کوئی بات نہ سمائی۔ کارفہ دن بھر اسکے متعلق سوچتا رہا۔

۱۲۔ جون کو دوپہر کے وقت ڈاکٹر لیڈے ڈوناسنا سے واپس لوٹ
آئے۔ اور مجھے ملکر بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ ان کو میری زندگی سلامتی کی

توقع نہ تھی - میرا سامان اُن کے پاس تھا - میں نے انگریزی لباس فوراً پہن لیا - کاردفہ مجھے نئے لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوا - لیکن میری منڈی ڈاڑھی سے اسے بہت رنج ہوا - ڈاکٹر لیڈے نے کاردفہ کو روپیہ ادا کرنے کا ذمہ لیا - اور اسے انجمن کے حساب میں ڈالدیا - میں نے کاردفہ کو ایک جوان غلام کی قیمت دینے کا وعدہ کیا تھا - مگر اس شخص نے میرے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک روا رکھا تھا - اس لئے اسے ایک کی بجائے دو جوان غلاموں کی قیمت دینے کا فیصلہ کیا - ڈاکٹر لیڈے نے کہا - کہ میں کاردفہ کو نقد قیمت کی بجائے اشیائے تجارت دینے کو تیار ہوں - کاردفہ بہت خوش ہوا - میں نے مدرس کے واسطے ایک عمدہ تحفہ بھیجنے کا ارادہ بھی اس سے ظاہر کیا - جس سے وہ بہت خوش ہوا - ڈاکٹر لیڈے نے کاردفہ سے یہ بھی کہا - کہ میں تمہارا سامان تمہارے مقام پر پہونچانے میں مدد دونگا - اور جس وقت غلاموں کی کشتی یہاں آئے گی - تو ہر ایک غلام کو حتی المقدور جلد اور اچھی قیمت پر فروخت کرونگا - کاردفہ بہت ہی خوش ہوا - اور کہنے لگا "میرا سفر مجھے مبارک ہوا - ہمارے مصنوعات اور دیگر اشیائے دیکھکر کہنے لگا "سیاہ آدمی کسی کام کے نہیں" کبھی مجھسے پوچھتا - کہ آپ تو تاجر نہیں ہیں - پھر اسقدر تکلیف اوٹھا کر اندرونی حصوں میں کیوں گئے ؟ اسکی اس سے یہ مراد تھی - کہ افریقہ میں تو کوئی اچھی چیز قابل دید نہیں ہے -

گیمبیا میں کوئی جہاز یورپ سے چند ماہ سے نہیں آیا تھا - برسات شروع ہوگئی - میں نے کاردفہ کو واپس جانے کی صلاح دی - ۱۴ - جون کو وہ مجھسے خدا حافظ کہکر جدا ہوا - میں نے اس سے کہا - کہ افریقہ سے روانہ ہونے سے پیشتر میں تم سے پھر ملونگا - مگر یہ تمنا پوری نہ ہوسکی - کیونکہ ۱۵ جون کو جہاز "چارسٹن" امریکہ سے آگیا - اسکی خاص غرض افریقہ سے سونتھ کیرولینا (امریکہ کا صوبہ) کو غلاموں کی ایک زبردست کھیپ لیجاتا تھی - میں نے اس جہاز میں اپنے ملک کو واپس جانیکا انتظام کر لیا

ڈاکٹر لیبے اور دیگر احباب سے ۱۷- جون کو میں جہاز میں روانہ ہو گیا دریا میں جہاز مشکل سے چل سکتا تھا- گرمی سخت تھی- ایک ڈاکٹر چار ملاح اور تین غلام بخار سے مر گئے- قلت اشیائے خوردنی کے باعث ہمکو گورئی میں ماہ اکتوبر تک ٹھیرنا پڑا- اس جہاز پر ایک سو تیس ۱۳۰ حبشی غلام تھے- نو آدمی ان میں سے پچیس کے قریب آزاد پیدائش کے آدمی تھے- عبد القادر اور ڈامیل کی مذہبی جنگ میں گرفتار کئے گئے تھے چونکہ ڈاکٹر مر چکا تھا- اس لئے اسکا کام میرے سپرد کیا گیا- غلاموں کو ہر قسم کی تسلی اور امداد کی توقع مجھسے تھی- کیونکہ میں ان کے ساتھ آسانی سے گفتگو کر سکتا تھا- ملاح ان کے ساتھ بد سلوکی کرتے تھے- اور ان کو بری طرح رکھا جاتا تھا جس سے وہ بہت بیمار ہو گئے- گیارہ غلاموں نے سمندر میں کود کر خودکشی کر لی- سات آدمی گورئی میں مر گئے- تین ہفتے کے بعد جہاز کے تختہ میں سے پانی نکلکر اندر آنے لگا- اسلئے پمپ سے کام لیا گیا- چند طاقتور غلاموں سے پانی کھینچنے کا کام لیا گیا- اس سے غلاموں کی حالت بہت خراب ہو گئی- مگر پانی اندر آنے سے بند نہ ہو سکا تو ملاحوں نے کہا- جزائر غرب الہند کو چلنا چاہئے اگر جان سلامت بچانے کا ارادہ ہو- بڑی مشکل سے ہم انٹی گوا کی طرف روانہ ہو گئے- اور گورئی سے روانہ ہونیکے ۳۵ روز بعد ہم وہاں پہونچ گئے- مگر ایک چٹان سے ٹکرا کر بال بال بچ گئے- جہاز بالکل ناکارہ ہو گیا- غلام فروخت کرنے کی تجویز قرار پائی*

میں وہاں دس روز تک ٹھہرا رہا- "جہاز چسٹر فیلڈ" برطانیہ کی ڈاک لیکر روانہ ہوا- اور میں اس میں سوار ہو گیا- ۲۴- نومبر کو وہاں سے جہاز چلا- اور ۲۲- دسمبر کو ہم فال متھ میں پہونچے- وہاں سے میں لندن کو روانہ ہوا- میں دو برس سات ماہ انگلستان سے باہر رہا تھا*

ــــــ تمت ــــــ